زندگی خاک نہ تھی

شیریں حیدر

منی ناول

زندگی خاک نہ تھی

شیریں حیدر

فون پر پیغام کی بیپ سنائی دی، میں نے آٹے سے لتھڑے ہاتھوں سے فون کو اٹھایا، مما کا پیغام تھا مگر پورا پیغام سلائڈ کر کے نظر آ سکتا تھا، اوپر سے گھی سے ہاتھ پھسلواں ہو رہے تھے، اتنے قیمتی فون کو خراب کیا کرتی۔ ''ابھی دیکھ لوں گی.....'' سوچ کر میں نے فون کو واپس رکھ دیا۔ مما کے بارے میں سوچنے لگی، مما دور بیٹھی ہر روز کی طرح رات سونے سے پہلے مجھے صبح بخیر کہیں گی۔ پھر پوچھیں گی کہ مصطفیٰ کیا کر رہا ہے، اس

کے سینے پر تم نے کان رکھ کر اس کے سینے کی خرخراہٹ کو محسوس کیا تھا کہ نہیں...... رات کو اس کے پاؤں اور سینے پر وِکس کی مالش کی تھی کہ نہیں...... عابد بیٹا کیسا ہے؟ تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟ کتنے بجے نکلو گی؟ اچھی طرح گرم کپڑے پہن کر باہر نکلنا، گاڑی بہت احتیاط سے چلانا وغیرہ وغیرہ...... انہیں یہ علم نہ تھا کہ آج یہاں چھٹی تھی، برف کی وجہ سے سب راستے بند تھے اور کسی کا اپنی جاب پر پہنچنا ممکن ہی نہ تھا، گھر کے باہر درجۂ حرارت منفی تیس سے بھی نیچے تھا مگر گھر اندر سے اس طرح آرام دہ کہ ہم نے سویٹر بھی نہ پہن رکھے تھے...... عابد کے دل کا موسم بھی عاشقانہ ہو گیا اور انہیں پراٹھوں کے ناشتے کی سوجھی تھی۔ میں کافی عرصے سے اس شعبے سے دور رہنے کی وجہ سے اب بھول ہی چکی تھی مگر آج عابد کا اصرار تھا کہ انہیں میرے ہاتھ کے پراٹھے ہی کھانا تھے...... جانے کب میں نے انہیں آخری بار پراٹھے کھلائے ہوں گے۔

ہر روز تو دودھ کا کپ اور ڈبل روٹی، انڈے کا اپنا، اپنا ناشتا ہم دونوں خود ہی بنا لیتے تھے۔ پھر میں مصطفیٰ کو تیار کر کے، اس کی دن بھر کی ضروریات کا بیگ تیار کر کے عابد کے حوالے کرتی تھی جو اسے اپنی اماں کی طرف چھوڑتے ہوئے اپنی جاب پر چلے جاتے اور میں اپنی ملازمت پر...... واپسی پر مجھے مصطفیٰ کو لینا ہوتا تھا۔ دفتر سے نکل کر میں راستے سے ہی کسی بھی گروسری اسٹور سے اگلے دن کے ناشتے کا سامان لیتی یا کچھ اور ایسی چیز جو خلافِ معمول درکار ہوتی تھی، باقی ساری خریداری ہم مہینے کے پہلے ویک اینڈ پہ کرتے تھے۔ ہفتے کے دن ہم مصطفیٰ کو آنٹی (عابد کی اماں) کی طرف چھوڑتے اور خریداری کا سارا سامان لا کر اسے تہ خانے میں الماریوں میں ترتیب سے رکھتے کہ ہمیں ہر روز اسے ڈھونڈنا نہ پڑے، ساری الماریوں پر عابد اور میں نے مل کر لیبل لگا رکھے تھے اور ایک نوعیت کا سامان ایک الماری میں ہوتا تھا، محنت طلب کام تھا مگر معمول میں ہمارا کافی وقت اس طرح بچ جاتا تھا۔ تہ خانے میں چونکہ ہیٹر نہیں ہوتے اس لیے وہاں کا درجۂ حرارت ایسا ہے کہ جیسے فریج ہو، اس لیے ایسی بہت سی چیزیں جو فریج میں رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بھی ہم وہاں شیلفوں پر رکھ دیتے تو خراب نہ ہوتیں۔ چھٹی کے دوسرے دن ہم دونوں مل کر کھانے کی کچھ تیاری کر لیتے، گوشت گلا لیتے، پیاز براؤن کر کے رکھ لیتے، کچھ سبزیاں کاٹ کر فریج یا فریزر میں رکھ لیتے تاکہ ہر روز کی میری محنت کم سے کم ہو جائے۔ ساتھ، ساتھ واشنگ مشین میں کپڑے دھلتے رہتے اور سوکھنے پر میں اور عابد اپنے اگلے ہفتے بھر کے کپڑے استری کر کے اپنی، اپنی الماریوں میں لٹکا دیتے تھے...... زندگی بظاہر سہل نظر آتی ہے مگر اس کے لیے جو مشقت اور شب و روز کی دوڑ ہوتی ہے وہ تھکا دیتی ہے، کبھی ایسی فرصت نہ ملتی تھی کہ ہم دونوں بیٹھ کر آپس میں کوئی بات تسلی سے کریں، میوزک سنیں، کوئی فلم دیکھیں یا کسی مسئلے کو زیرِ بحث لائیں۔ میں پراٹھوں کا ناشتا بنا کر فارغ ہوئی تو مصطفیٰ جاگ گیا تھا، اسے فیڈر دے کر دوبارہ سلایا، ابھی اس کی نیند پوری نہ ہوئی تھی، واپس آئی تو عابد میز پر ناشتا رکھ کر میرا انتظار کر رہے تھے۔

”ارے آپ کھا لیتے......“ میں شرمندہ ہوئی، کتنے شوق سے عابد نے فرمائش کی تھی اور وہ کتنے صبر سے بیٹھے میرا انتظار کر رہے تھے۔

”لو یہ بھی خوب کہی بھئی...... دو لوگ ہیں جو آج مل بیٹھ کر بہترین دیسی ناشتا کرنے والے ہیں، ان میں سے بھی ہم باری، باری کھاتے اچھے لگتے ہیں کیا......؟“ عابد نے ہنس کر کہا۔ ”اکیلے کیسے کھا لیتا...... کبھی کبھار ہی تو موقع ملتا ہے ہمیں ایک ساتھ یوں سکون سے ناشتا کرنے کا......“

”میں گرم کر کے لاتی ہوں پراٹھے......“ میں نے پلیٹ اٹھائی۔

”میں نے ابھی چائے بناتے ہوئے گرم کر لیے تھے جان!“ عابد نے مجھے پکڑ کر واپس بٹھایا۔

”آپ نے چائے کیوں بنائی؟“ میں نے

شرمندگی کا اظہار خفا ہو کر کیا۔

''کیا فرق پڑ گیا اس سے......'' انہوں نے مسکرا کر آملیٹ کاٹ کر آدھا میری پلیٹ میں رکھا۔'' جب زندگی کی گاڑی کو ہم ہر طرح سے مل کر کھینچ کر چلا رہے ہیں تو میں ان کاموں میں تمہارا ہاتھ کیوں نہیں بٹا سکتا...... اور کتنی بار کہا ہے رانی کہ تم مجھے یوں ٹریٹ نہ کیا کرو...... ہمیں عادت ہے اس طرح کام کرنے کی یار...... میرے بابا بھی تو میری اماں کا ہاتھ بٹاتے ہیں حالانکہ اماں نے عمر بھر ملازمت نہیں کی...... صرف ہم سب کی پرورش کی اور پھر بھی بابا ان کا اتنا خیال کرتے تھے، پردیس میں بھلا کون کسی کا ساتھ دیتا ہے۔ جب کبھی وہ تھک جاتی تھیں تو میں نے خود بابا کو اماں کے کندھے اور ٹانگیں دباتے بھی دیکھا ہے اور کبھی وہ بیمار ہوتی تھیں تو بابا گھر کا سارا کام خود کرتے تھے۔ جوں جوں ہم بڑے ہوتے گئے ہم نے ان کی مدد کرنا شروع کر دی...... اسی لیے ہمیں کوئی کام مشکل نہیں لگتا......'' عابد نے وضاحت کی۔

''آپ بہت اچھے ہیں عابد......'' میں نے دل سے اعتراف کیا۔ وہ میری بہت مدد کرتے تھے حالانکہ ہمارے ہاں تو خاوند کو مجازی خدا ہی سمجھا جاتا ہے...... اسے بھلا کوئی گھر کا کام کرنے دیا جائے، یہ تو عورت کے نہایت نکما ہونے کا ثبوت شمار ہوتا ہے۔ مصطفیٰ کی پیدائش پر اماں میرے پاس چند دن ٹھہریں مگر کام سارا عابد اور بابا مل کر کرتے، کھانا پکانا، مشین سے قالین صاف کرنا، سودا سلف لانا اور سنبھالنا، گھر کے باہر سے برف صاف کرنا...... یہاں تو اپنے گھر کے سامنے سے برف خود صاف کرنا پڑتی ہے ورنہ آپ کے گھر کے باہر کے سامنے سے کوئی برف سے پھسل کر گر پڑے تو اس کی سزا آپ کو مل سکتی ہے جو ہرجانے کی صورت میں بھی ہو سکتی اور کوئی ہلکی پھلکی سزا بھی۔

روزمرہ معمول میں بھی بھاری کام ہمیشہ عابد ہی کرتے، انہوں نے مجھے شروع میں بتا دیا تھا کہ انکل (عابد کے بابا) ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ بھاری کام مردوں کے کرنے کے ہیں، خواہ پردے دھونا ہوں، بھاری کپڑوں کی استری ہو، وزن اٹھانا، گاڑیوں اور قالینوں کی صفائی وغیرہ...... اسی لیے انہوں نے مجھے کبھی ایسے کام نہ کرنے دیے تھے، بدلے میں، میں انہیں ہر طرح کا آرام دینے کی کوشش کرتی کہ یہی میری ماں کی تربیت تھی اور یہی میں نے اپنے گھر میں ہوتے دیکھا تھا۔

ایسا نہیں کہ میرے اپنے بابا کوئی برے آدمی تھے...... انہیں میں نے بہت اچھا شوہر اور باپ پایا تھا، انہوں نے مما کو ہر طرح کا سکھ دیا تھا مگر اس کے لیے انہیں ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہ آئی تھی۔ انہوں نے اپنے کاروبار میں محنت کی تھی اور خود کو اس قابل بنایا تھا کہ ہم لوگوں کو بہترین اور آسائشوں سے بھرپور خوابوں جیسی زندگی دیں۔ پاکستان میں مردوں میں گھر کے کام کرنے کا رواج نہیں چاہے شوہر کو بیوی سے کتنا بھی پیار ہو، مما کو یوں بھی گھر میں ملازمین کی ریل پیل کے باعث کبھی ایسی مدد کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ میں نے کبھی بابا کو مما کے ساتھ کسی بات پر خفا دیکھا نہ مما کو ناراض...... ان کی یاد آتے ہی دل ہمکنے لگا، میں نے ناشتے کے برتن سمیٹے اور سوچا کہ ابھی مما کا پیغام چیک کر کے جواب دیتی ہوں مگر عابد نے آواز دی، مصطفیٰ جاگ گیا تھا اور ان سے سنبھل نہیں رہا تھا، کافی دنوں سے زکام اور کھانسی نے اسے چڑچڑا بنا دیا تھا۔

''اماں سے کوئی دیسی نسخہ پوچھنا تھا رانی......'' عابد نے میرے ساتھ مل کر اس کو بہلانا شروع کر دیا۔

''آپ اسے پکڑیں، میں اسے غسل دینے کی تیاری کر لوں......'' میں نے مصطفیٰ کو عابد کے حوالے کیا اور غسل خانے میں جا کر بالٹی میں پانی بھرنے لگی، اماں نے کہا تھا کہ پانی میں نمک ملا کر اسے غسل دو تو اس سے فرق پڑے گا، جانتے ہوئے بھی کہ زکام اپنا وقت لے کر ہی ٹھیک ہوگا، میں ہر وہ ٹونا ٹوٹکا آزماتی تھی جو کوئی بھی بتاتا تھا اور یہ آسانی قابلِ عمل بھی ہوتا۔ مصطفیٰ پیدائشی طور پر پھیپھڑوں میں رسولی کے مرض

شگفتہ شفیق کے اعزاز میں تقریب پزائی

شگفتہ شفیق ایک معروف شاعرہ ہیں۔ تین شعری مجموعوں کی خالق ہیں۔ ان کے تینوں شعری مجموعے بیرونِ ملک بھی کئی ایوارڈز لے چکے ہیں۔ شگفتہ شفیق کے اعزاز میں میٹروون ادبی فورم اور انڈس ادبی فورم کے اشتراک سے انڈس یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں ایک پُروقار تعریب منعقد کی گئی ہے جس کے مہمانِ خصوصی پروفیسر رئیس علوی .....

ڈائریکٹر KASBIT تھے جبکہ صدارت چانسلر انڈس یونیورسٹی خالد امین نے کی۔ تقریب میں راشد نور، سلطان مسعود شیخ، ریحانہ روحی...... سیمین سیف نے شگفتہ کی شاعری کے حوالے سے نہ صرف اظہارِ خیال کیا بلکہ اپنی شاعری بھی سنائی۔ اس تقریب کی میزبان شگفتہ یاسمین تھیں یہ ایک شاندار تقریب رہی جس میں انڈس یونیورسٹی کے طلباء وطالبات کی بڑی تعداد موجود تھی۔

سیمین سیف نے کہا اس میں کوئی شک نہیں کہ شگفتہ شفیق شاعرات میں اپنی ایک الگ جگہ بنا رہی ہیں۔ اس موقع پر انہوں نے اپنی ایک غزل ترنم کے ساتھ پیش کی۔ ریحانہ روحی نے شگفتہ شفیق کو ٹرسوٹ پیش کیا اور کہا کہ شگفتہ شفیق کے ہاں ایک دھیما پن ہے اور میں چاہتی ہوں کہ وہ کبھی کبھی بولڈ بھی لکھیں۔ انہوں نے کہا میرے لیے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ شگفتہ شاعر زیادہ اچھی ہیں یا انسان پیاری ہیں۔ ریحانہ روحی نے بھی اپنی خوب صورت شاعری سے سامعین کو محظوظ کیا۔ راشد نور صاحب نے کہا کہ شگفتہ شفیق کی شاعری میں تنہائی اور دھیما پن ہے اور... جمالیات کے ساتھ وہ اپنے اظہار میں اپنے معاشرتی اور جیتے جاگتے کرداروں کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ ان کی شاعری میں ایک کیفیت پائی جاتی ہے۔

شگفتہ شفیق نے مائیک پر آکر اللہ کا شکر ادا کرنے کے بعد بہت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے میٹروون ادبی فورم اور انڈس ادبی فورم کا شکریہ ادا کیا انہوں نے کہا کہ میٹروون کا بزم شاعری شاندار پلیٹ فارم ہے جو کہ اردو ادب کے حوالے سے بیش

میں جلا تھا اس لیے اسے دوائیں بھی کم سے کم دی جاتی تھیں، ہر ماہ اسے ایک انجکشن لگتا تھا جس سے اس کی رسولی کے درد کو قابو کرنے اور اس کا سائز بڑھنے سے روکنے میں مدد ملتی تھی۔ لاکھ کوشش ہوتی کہ اسے کھانسی اور زکام نہ ہو مگر یہی مسئلہ اسے سب سے زیادہ ہوتا تھا، کبھی ٹھنڈ لگ جاتی اور کبھی کسی چیز کے کھا لینے سے ایسا ہو جاتا تھا، اپنے گھر میں تو ہم نے کولڈ ڈرنک اور آئس کریم کا داخلہ ہی بند کر رکھا تھا اماں اور بابا بھی بہت احتیاط کرتے مگر وہ پھر بھی بیمار پڑ جاتا تھا۔

نمک کی بوتل اٹھاتے ہوئے مجھے اپنا فون نظر آیا، اسے بھی ساتھ ہی اٹھا لیا، گھنٹا بھر تو ہو ہی گیا ہوگا پیغام آئے اور میں اسے دیکھنا بھول ہی گئی، اب تک تو شاید مما جواب سے مایوس ہو کر سو بھی گئی ہوں گی، کیسے ہم مائیں اپنی اور اپنی اولاد کی مصروفیات میں اپنے ماں باپ کی یاد کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں، مما کا نہ تو دن شروع ہوتا اور نہ ختم ہوتا تھا جب تک کہ وہ مصطفیٰ کی خیریت دریافت نہ کرلیتیں اور مجھے ہر روز وہی نصیحتیں نہ کرلیتیں...... پانی میں نمک ڈالا اور ایک ہاتھ سے مگ کے ساتھ پھینٹ کر اسے ملانے لگی، دوسرے ہاتھ سے میں نے فون کو سلائڈ کر کے مما کا ہی پیغام کھولا۔

''تم جاگ گئی ہوگی بیٹا...... امید ہے کہ تم اور مصطفیٰ بالکل خیریت سے ہوگے...... تمہیں کچھ بتانا تھا رانی...... میں نے تمہارے بابا سے خلع لینے کا فیصلہ کرلیا ہے......'' میرے منہ سے چیخ نما آواز نکلی، میرا دماغ بھک سے اڑ گیا، فون ہاتھ سے چھوٹ کر سیدھا پانی میں گرا...... پورا وجود تھر تھر کانپنے لگا...... پاؤں کے بل بیٹھی تھی وہیں زمین پر جیسے گر سی گئی۔

''کیا ہوا رانی... لے آؤں مصطفیٰ کو؟'' عابد کی آواز آئی، میں نے جواب دینے کو منہ کھولا مگر میرے منہ سے الفاظ ہی نہ نکلے۔ ''یار اب تو میں نے اس کے کپڑے بھی اتار دیے ہیں۔'' کہتے ہوئے عابد اسے لیے ہوئے غسل خانے میں چلے آئے، میں وہاں ہونقوں کی طرح زمین پر بیٹھی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے رانی؟'' میں نے پھر کچھ بولنا چاہا۔

بہا خدمات انجام دے رہا ہے۔ شگفتہ شفیق نے تسلیم کیا کہ محبت اور حوصلہ افزائی بہت زور آور ہوتے ہیں یہ جہاں اور جس کو مل جائیں تو اس کو آگے جانے سے کوئی نہیں روک سکتا اور مجھے زندگی کے سفر میں محبت اور ستائش دل کھول کے ملے ہیں جس سے ہم کو نکھرنے کا موقع ملا۔ شگفتہ شفیق نے اپنی خوب صورت شاعری سنا کر خوب داد سمیٹی۔

اس موقع پر پروفیسر رئیس علوی نے کہا کہ شگفتہ شفیق کا کلام ان کی نظمیں ان کی غزلیں بہت سادہ اور بہت نرم ہیں۔ یہ سادگی اور نرمی بڑے کمال کی ہے جو کہ عام طور پر نہیں ہوتی ہے۔ شگفتہ شفیق کی نظموں اور غزلوں میں پاکستانی مشرقی معاشرے کا پہلو صاف نظر آ تا ہے۔ پروفیسر رئیس علوی نے کہا کہ ہم شگفتہ کو بہت مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ وہ جس طرح لکھ رہی ہیں اللہ انہیں توفیق دے کہ وہ اسی طرح نرمی اور سادگی سے لکھتی رہیں تا کہ تمام لوگ یہ محسوس کریں کہ شاعری میں کوئی نرم آوازیں بھی ہیں جو کہ دل میں اتر جاتی ہیں۔

مہمان خصوصی جناب رئیس علوی نے شگفتہ شفیق کو شیلڈ پیش کی اور سبین سیف نے گولڈ میڈل پہنایا۔ تقریب میں اگلی صفوں پر حیدر حسنین جلیسی، صبیحہ صبا، صغیر احمد جعفری، عظیم حیدر سید، فہمیدہ مقبول، ناصر رضا صاحب موجود تھے۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ تقریب کے محرک اور بزمِ شاعری کے ڈائریکٹر قیصر وجدی نے ایسی تقاریب کو اپنے طرز پر سنوارنے کی جو کوشش کی ہے اس میں ایک ورائٹی پیدا ہوگئی ہے۔ شگفتہ شفیق مبارک باد کی مستحق ہیں ان کے لیے ایک پُروقار تقریب سجائی گئی۔

''تم ٹھیک تو ہو جان؟'' انہوں نے میرے پاس بیٹھ کر میرا ہاتھ تھاما، یقیناً ہاتھ یخ ہوگا۔

''تم اٹھو جلدی سے شال اوڑھو، تم بالکل ٹھنڈی ہو رہی ہو، میں اسے نہلا لیتا ہوں۔'' مصطفیٰ میرے پاس آنے کے لیے ہمکنے لگا، میں نے اسے عابد سے لیا اور اپنے ساتھ لگا لیا، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں...... کیا کہوں...... آواز تو نکل ہی نہ رہی تھی۔

''ارے یہ تمہارا فون بالٹی میں گرا ہوا ہے......''

میں آنسوؤں سے رونے لگی، جی چاہا کہ ان کے ہاتھ سے فون چھین لوں مگر میرا پورا وجود بے طاقت ہو رہا تھا۔

''اس میں رونے کی کیا بات ہے پگلی......''

انہوں نے فون ہاتھ میں پکڑ کر سامنے کیا تو میرا جسم ہچکیوں کی زد میں آ گیا، اب وہ مما کا پیغام پڑھ لیں گے...... میں نے اس لمحے سے فرار کے لیے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔

''ارے واہ! یہ تو بڑا اچھا صاف ہو گیا ہے، بالکل صاف، دیکھو اس پر کچھ بھی نہیں ہے......'' میں نے آنکھیں کھولیں، عابد نے اس کی اسکرین کا رخ میری طرف کر رکھا تھا، میں نے گہری سانس لی، کوئی اور صورت حال ہوتی تو میں اپنے فون کا یہ حشر دیکھ کر رو پڑتی مگر اس وقت میں نے دل ہی دل میں اس کے ''دھل'' جانے پر شکر ادا کیا اور میرے آنسو اور بھی تواتر سے بہنے لگے۔ ''یار تم تو بالکل پاگل ہو گئی ہو...... اتنے سے نقصان سے پریشان ہو گئی ہو، اماں کہتی ہیں کہ چھوٹا نقصان بڑے نقصان سے بچاتا ہے......''

''کہتی تو مما بھی یہی ہیں عابد!'' میں نے دل میں سوچا۔ ''یہ چھوٹا نقصان نہیں ہے عابد......'' بات نکلی بھی منہ سے تو کیا نکلی۔ اس وقت تو مما سو گئی ہوں گی اور پھر میں ان سے رابطہ کروں بھی کیسے؟ میں سوچ کر رہ گئی، ان سے کیا بات کروں گی، کم از کم آج عابد کے سامنے تو بالکل کال نہیں کر سکتی......

☆☆☆

میرا نام رانیہ ہے، پیار سے مجھے پہلی بار میرے پپا نے رانی کہا تو یہی میرا نام مشہور ہوا، یہی نام

اسکول، کالج، یونیورسٹی اور پھر سسرال میں بھی پکارا گیا... میں اپنے پاپا اور مما کی دوسری اور لاڈلی اولاد، ان کی آنکھوں کا تارا...... مجھے لگتا تھا کہ مما اور پاپا مجھے سب بہنوں میں زیادہ پیار کرتے تھے۔ اللہ نے ہمیں کوئی بھائی نہیں دیا مگر ہم چاروں بہنوں کو یہ محسوس ہوتا کہ ہم میں سے وہی سب سے زیادہ لاڈلی ہے۔ ہم بہنوں کا آپس میں بے حد پیار تھا، زندگی آسائشوں سے بھرپور اور دن رات خوشیوں کے ہنڈولے میں بسر ہوتے تھے۔ مما کسی وقت کسی بات پر ذرا سی بھی سختی کرتیں تو پاپا ہماری ڈھال بن جاتے، مما سے جھوٹ موٹ کا جھگڑا ہو جاتا۔

میں بی اے کر کے فارغ ہوئی تھی اور دن سو کر، رات کمپیوٹر پر ڈرامے اور فلمیں دیکھ کر گزرتے۔ یونیورسٹی میں نفسیات میں ایم اے کرنے کو داخلہ لیا اور معمول کی کلاسز شروع ہو گئیں۔ میں نے اسکول اور کالج کی طرح یونیورسٹی میں بھی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑنا شروع کر دیے اور اساتذہ کی پسندیدہ طالبہ بن گئی۔ پہلا سال پنکھ لگا کر اڑ گیا، انہی دنوں مما کی بچپن کی ایک سہیلی سدرہ کینیڈا سے پاکستان آئیں تو انہوں نے اپنے اسکول اور کالج کے وقت کی سہیلیوں کو ملاقات کے لیے اکٹھا کیا، وہیں وہ مما سے بہت عرصے کے بعد ملیں، مما نہ صرف ان کی اسکول اور کالج کی دوست تھیں بلکہ وہ دونوں ایک ہی علاقے میں رہتی تھیں اس لیے اسکول اور کالج جانا آنا بھی اکٹھے ہوتا تھا، سو ان دونوں کی دانت کاٹے کی دوستی تھی......

مما نے انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دی، جہاں ہماری ان سے پہلی ملاقات ہوئی اور آنٹی ہم سب کو بہت اچھی لگیں، آنٹی نے بھی مجھے اپنے ساتھ لپٹا کر بہت پیار کیا اور کہا کہ مجھ میں انہیں مما کی جوانی کی جھلک نظر آئی اور مجھے دیکھ کر انہیں ایسا لگا جیسے وہ ماضی کے اس دور میں پہنچ گئی ہوں جو کالج کا زمانہ تھا اور بے فکری کا دور۔

''مجھے دے دو یہ بیٹی حنا......'' انہوں نے مما سے کہا۔ ''میری کوئی بیٹی نہیں ہے اور مجھے ایسی ہی بیٹی کی خواہش ہے......'' مذاق میں کی گئی بات جیسے دو سہیلیوں کے درمیان ایک اور تعلق کی سند بن گئی...... اسی بات کو اس نئے رشتے کی بنیاد سمجھ لیا گیا، آنٹی نے اپنے قیام کے دوران ہی اپنے بیٹے کو بلوا لیا اور یوں سب کی عابد سے پہلی ملاقات ہوئی، آنٹی اور انکل تو پہلے ہی پاکستان میں تھے، عابد نے پسندیدگی کی مہر لگائی تو میری رائے پوچھی گئی، دونوں فریقین کی باہمی رضا مندی سے رشتہ طے پا گیا اور ایک سادہ سی تقریب میں ہم دونوں کو نکاح کے بندھن میں باندھ دیا گیا۔

نکاح کے بولوں میں کیسا جادو ہوتا ہے، اس کا علم مجھے نکاح کے بعد...... فقط چند ملاقاتوں اور پھر عابد کے واپس کینیڈا چلے جانے پر ہوا۔ چند دن ہی تو ہم مل پائے تھے اور وہ بھی گھر والوں کی موجودگی میں...... جاتے سمے عابد نے رابطہ رکھنے کا کہا اور میں ائرپورٹ پر اپنی دھندلی آنکھوں سے اس شخص کو جاتا ہوا دیکھ رہی تھی جس سے چند دن کی ملاقات نے مجھے اس سے کسی انوکھے محبت کے بندھن میں باندھ دیا تھا۔

یوں تو وقت تیزی سے گزرتا ہے مگر تب نہیں جب کسی سے جدائی ہو جائے یا کسی کا انتظار ہو...... سال بھر کا عرصہ کیسے گزرا یہ ہم دونوں ہی جانتے تھے۔ ٹیلی فون اور ای میل کے ذریعے رابطے سے ہم نے ایک دوسرے کے بارے میں اتنا کچھ جان لیا تھا جیسے ہم بچپن سے ساتھ ہی پلے بڑھے ہوں مگر جب والدین کے گھر سے رخصتی کا وقت آیا تو دل بھر آنے لگا، کتنے پیارے، پیارے رشتوں سے دور چلے جانا تھا مجھے...... اپنے اتنے پیارے والدین اور اپنی پیاری، پیاری بہنوں اور سکھیوں سہیلیوں کو چھوڑ کر......

عابد اپنے خاندان کے نزدیکی لوگوں کے ساتھ رخصتی کے لیے آئے تھے، ان کے والدین، بھائیوں، بھابیوں اور قریبی دوستوں کی مختصر بارات تھی مگر پاپا کی طرف سے تو گویا پورا شہر اس تقریب میں امڈ آیا تھا...... میری اور عابد کی جوڑی کو سب نے سراہا تھا، شہزادوں کی

سی آن بان لیے ہوئے، سادہ مزاج سے عابد، دولہا بن کر ان پر کتنا روپ آیا تھا اور کم تو میں بھی نہ تھی۔ شادی کے بعد کا ایک مہینہ دعوتوں کی نذر ہو گیا اور وہ دن آ گیا جب اگلے روز ہمیں کینیڈا جانا تھا۔ گھر والوں سے جدائی کا خیال مار رہا تھا مگر مما اور پاپا نے بہت ہمت کے ساتھ مجھے نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر رخصت کیا، میں جہاز میں بیٹھ کر یوں محسوس کر رہی تھی جیسے میرا آدھا وجود میرے ساتھ تھا اور آدھا میں پیچھے چھوڑ آئی۔

کینیڈا میں شروع کا کچھ عرصہ دل لگانے میں وقت ہوئی مگر عابد کا بڑا خاندان تھا اور پھر مصطفیٰ کی آمد کی خبر نے مجھے مصروف کر دیا۔ پاکستان سے ہر روز کا رابطہ تھا، ٹیلی فون اور لیپ ٹاپ پر دن بھر بھی ہوتا رہتا تھا، میں نے شروع میں مصروف رہنے کے لیے ملازمت ڈھونڈنا شروع کی، میری نفسیات میں ایم اے کی ڈگری کے مطابق تو مجھے وہاں کوئی ملازمت نہ ملی تو ایک کمپنی میں استقبالیہ پر ملازمت کو قبول کر لیا مگر چند ماہ کے بعد ہی یہ ملازمت چھوڑ دی کیونکہ طبیعت بوجھل سی رہنا شروع ہو گئی تھی اور پھر انتہا کی سردی کہ ہڈیوں میں گودا بھی جمنے لگتا تھا۔ اس وقت میں اور عابد ان کے والدین کے ساتھ ہی رہتے تھے اس لیے مجھ پر کام کا بوجھ بھی نہ تھا، آنٹی اور انکل انتہائی شفیق اور خیال رکھنے والے تھے۔

مصطفیٰ کی پیدائش سے دو ماہ قبل ہمیں علم ہوا کہ مصطفیٰ پھیپھڑوں میں پیدائشی نقص کے ساتھ پیدا ہوگا اور اس کی پرورش میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہوگی... تاوقتیکہ وہ اس عمر کو پہنچ جائے کہ اس کے پھیپھڑوں سے آپریشن کے ذریعے رسولی نکال دی جائے۔ اس خبر نے میری راتوں کی نیندیں اڑا دیں، ماں بننے کی خوشی پر یہ دکھ حاوی ہو گیا کہ جانے دنیا میں آنے والا بچہ کیسا ہوگا؟ آنٹی ایسے میں بہت تسلیاں اور دلاسے دیتیں ...... انہوں نے مما کو بھی بلانے کا کہا تو عابد نے انہیں کاغذات بھجوا دیے جو ان کے ویزے کے لیے معاون ثابت ہوتے۔ آنٹی کے ہونے سے بھی مجھے بہت تسلی تھی مگر مما کے آنے کا سن کر تو جیسے میں پھر سے جی اٹھی تھی۔ مگر مما کے پہنچنے سے پہلے ہی مجھے ایمرجنسی میں اسپتال لے جانا پڑا اور وقت سے پہلے مصطفیٰ کی پیدائش ہو گئی، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر تھا کہ وہ ٹھیک سے سانس لے رہا تھا مگر اسے دو ہفتے تک انکیوبیٹر میں رکھنا پڑا اور اسپتال سے فارغ کرنے سے پہلے ڈاکٹروں نے میری اور عابد کی مکمل ٹریننگ کی تھی کہ ہمیں اس کے سلسلے میں کیا احتیاطیں روا رکھنا تھیں۔

مصطفیٰ چھ ماہ کا تھا تو اس کا آپریشن کر دیا گیا، الحمدللہ آپریشن کامیاب ہو گیا تھا اور اب اس کی حالت خطرے سے باہر تھی مگر اس کا بہت خیال رکھنا پڑتا تھا۔ اس سارے وقت میں سعدیہ آنٹی نے میرا اس طرح ساتھ دیا کہ مجھے مما کی کمی محسوس نہ ہوئی۔ وہ میرے ساتھ راتوں کو بھی جاگتی تھیں، گھر بھی پورا سنبھالتی تھیں اور میرے آرام کی خاطر ساری ذمے داریاں خود نبھاتیں۔ مصطفیٰ سال کا ہوا، میں دوبارہ ملازمت شروع کرنے کے قابل ہو گئی تھی اور یوں بھی مجھے اپنی قابلیت کی بنیاد پر پیشکش ہوئی تو میں نے دوبارہ ملازمت شروع کر دی، اب زندگی کا ایک نیا معمول شروع ہو گیا تھا۔ ہمیں علیحدہ گھر لے دیا گیا تھا، اس کی ابتدائی ادائیگی تو انکل (عابد کے بابا) نے کر دی تھی مگر آسان ماہانہ اقساط اگلے تیس برس تک ہمیں دینا تھیں، اسی لیے میرا ملازمت کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ چاہتی تو پاپا سے رقم منگوا سکتی تھی مگر عابد کی عزتِ نفس نے اسے گوارا نہ کیا تھا۔

مما، مصطفیٰ کی قبل از وقت پیدائش کے موقع پر نہ آ سکیں تو پھر وہ منصوبے ہی بناتی رہ گئیں اور آ نہ سکیں کیونکہ اچانک ہی صدف اور احمد کی شادی کا منصوبہ بن گیا...... دونوں ایک ہی کالج میں پڑھ رہے تھے اور ابھی کچھ سال تک ان کی شادی کا کوئی ارادہ نہ تھا مگر جب صدف کا لندن میں یونیورسٹی میں داخلہ ہو گیا تو مما اور پاپا نے سوچا کہ اس کا نکاح کر کے انہیں اکٹھے بھجوا دیا جائے۔ ان کی شادی انتہائی سادگی سے اور

میری اور عابد کی غیر موجودگی میں ہوئی، مجھے اس دن سب کچھ کھوکھلا، کھوکھلا سا لگ رہا تھا...... زندگی کیسے، کیسے امتحان لیتی ہے۔ مصطفیٰ چند دن کا تھا اور قبل از وقت پیدائش کی وجہ سے کمزور بھی، میں چاہتی بھی تو جا نہ پاتی اس لیے خود کو سمجھا لیا، اپنی مجبوریوں کی خاطر انسان کو بہت سے سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔ صدف سے بات کرتے، کرتے میں رو دی تھی تو مما نے فون لے لیا تھا اور مجھے یہی کہہ کر تسلی دی تھی کہ اب عابد اور مصطفیٰ میری دنیا تھے، مجھے ان کی خاطر بہت سی قربانیاں دینا ہوں گی...... اور جو مجبوری نہ ہوتی تو بھلا وہ میرے بغیر کہاں صدف کو بیاہ کر رخصت کرتے۔

میں مما کی بہت سمجھ دار بیٹی تھی میں ان کی مجبوری کو سمجھ گئی تھی، صدف کو پردیس بھجوانے میں انہیں کئی اندیشے ہوں گے، اب اس کی احمد کے ساتھ شادی سے ان کی ساری فکریں ختم ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

ٹیوب زمین کی کتنی ہی تہوں کے نیچے، ہوا کی رفتار سے چل رہی تھی۔ ہر اسٹیشن پر وہ رکتی اور چند مسافر اس سے اتر جاتے، ان کے اترنے کے بعد چند مسافر اور سوار ہو جاتے، سیٹ مل جاتی تو بیٹھ جاتے ورنہ کھڑے رہتے اور سہارے کے لیے چھت سے بندھے ہکوں، نزدیکی نشست کی پشت یا فرش میں گڑے پایوں کا سہارا لے لیتے۔ میں اس ٹرین کے سب سے پہلے اسٹیشن سے سوار ہوتی تھی اس لیے مجھے ہمیشہ نشست مل جاتی تھی اور عموماً وہی میری اپنی مخصوص نشست۔ کبھی کبھار کوئی بزرگ، کوئی عمر رسیدہ عورت یا بچوں کے ساتھ کوئی عورت ہوتی تو میں اٹھ کر انہیں اپنی نشست پیش کر دیتی، انتہائی تشکر کے ساتھ وہ میری پیشکش قبول کر لیتے...... ایسا صرف ہمارے ہاں ہی نہیں سکھایا جاتا بلکہ میں نے ان کے اپنے نوجوانوں کو بھی ایسا کرتے دیکھا ہے۔

ہمارے ملک میں تو بلکہ اب بچوں میں ایسی تربیت کا فقدان ہوتا جا رہا ہے...... اپنے ملک میں بیٹھ کر ہم ان گوروں کو جتنا برا سمجھتے ہیں اتنے برے وہ ہیں نہیں۔ میں نے انہیں بہت سے معاملات میں خود سے بہت اچھا پایا ہے، مسکرا کر ملتے ہیں۔ چھوٹی، چھوٹی حمایت پر شکریہ ادا کرتے ہیں، آپ کو دیکھتے ہیں پوچھتے ہیں کہ وہ آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔ میں سوچتی کہ ہمارے لوگوں میں کس قدر تکبر ہے، خود کو ہم اتنا بڑا سمجھتے ہیں، کسی کی خود سے مدد کے لیے تیار رہنا تو کجا ہم تو کسی کے مانگنے پر بھی اس کی مدد نہیں کرتے اور اب تو ملک کے حالات ایسے ہیں کہ ہم کسی کو مصیبت میں پھنسا ہوا دیکھ کر بھی منہ موڑ لیتے ہیں۔

اس روز بھی میں کھڑی ہو کر آئی تھی، ہر طرف مرد کھڑے تھے اور ایک طرف سمٹ کر میں کھڑی تھی کیونکہ ایک انتہائی بوڑھی خاتون، اپنے ایک ننھے سے پلے کو اٹھائے ہوئے سوار ہوئی، بیٹھنے کو کوئی جگہ نہ تھی اس لیے وہ میری نشست سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی...... اس کا وہ پیارا ننھا سا پلا منہ سے جانے کیا پکار رہا تھا، میں سمٹ، سمٹ کر اس کی زد میں آنے سے بچ رہی تھی، تب لاکھ تھکاوٹ کے باوجود بھی حل یہی سوچا کہ کھڑی ہو کر انہیں وہ سیٹ پیش کر دوں، شکریہ کہہ کر فوراً وہ اپنے پلے سمیت بیٹھ گئیں...... ہر جھٹکے کے ساتھ دائیں، بائیں لڑھکتے اور کبھی کسی اور کبھی کسی سے ٹکراتے ہوئے بھی اپنے ملک کے بارے میں ہی سوچے جا رہی تھی، اگر میں یوں اس طرح ٹرین میں مردوں کے درمیان کھڑی جھٹکے کھا، کھا کر گر رہی ہوتی تو کئی اس ''سنہری'' موقع سے فائدہ اٹھاتے، یہاں میں جس سے بھی ٹکراتی الٹا وہ معذرت کر کے ہٹ جاتا۔

میں ٹیوب سے اتری اور جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر پیدل ہی چل پڑی، ارادہ یہی تھا کہ راستے میں فش اور چپس کی دکان سے رات کے کھانے کے لیے کچھ لے لوں گی، اس وقت تھکاوٹ سے حال ایسا تھا کہ گھر جا کر انڈا بنانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا، کانوں میں، میں نے MP3 کے ہیڈ فون لگا رکھے تھے جن سے میں گانے سنتی ہوئی جھومتی ہوئی چل رہی

تھی۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ انگلینڈ جیسے ملک میں بھی میرے پاس موبائل فون نہ تھا...... وجہ یہ کہ یونیورسٹی کی فیسوں کی ادائیگی اور اپنا گھر چلانے کے بعد میں اور احمد دو موبائل ٹیلی فونز کے بل ادا نہیں کر سکتے تھے...... پاپا میری فیسیں اور ہمارے دیگر اخراجات کے لیے ہمیں رقم بھجواتے تھے، کچھ احمد کام کرتا تھا، اس لیے ہم غیر ضروری اخراجات سے اجتناب کرتے تھے، اپارٹمنٹ میں فون تھا جس پر میری گھر پر بات ہو جاتی تھی...... مجھے اب اس کی عادت بھی ہو گئی تھی اور یوں بھی میں موبائل ٹیلی فون کی دیکھ بھال کے معاملے میں خاصی بے پروا ہوں سو احمد کا بھی خیال تھا کہ مجھے موبائل فون کی ضرورت نہیں ہے۔

اپنے کمرے میں پہنچتے ہی میں لیپ ٹاپ پر اسکائپ آن کرتی اور مما کو اپنے دن بھر کی روداد سناتی، ان کی خیریت دریافت کرتی اور پھر اپنا یونیورسٹی کا کام ختم کر کے سو جاتی۔ ویک اینڈ پر ہم دونوں کام کرتے تھے...... ہمیں ویزا میرے یونیورسٹی میں داخلے کی بنیاد پر ملا تھا اس لیے میرا یونیورسٹی جانا نہ صرف میرا شوق تھا بلکہ ضرورت بھی تھی ورنہ ویزا کینسل ہو جاتا۔ معمولات ایسے تھے کہ سر کھجانے کی بھی فرصت نہ ملتی، کئی بار مما نے کہا تھا کہ ان کی ایک کزن میری یونیورسٹی سے ایک گھنٹے کے فاصلے پر رہتی ہیں مگر کبھی وقت ہی نہ نکال پائے کہ ان سے بھی ملتے...... (یہ بھی لندن میں آ کر معلوم ہوا کہ فاصلے میلوں میں نہیں بلکہ گھنٹوں اور منٹوں میں بھی ناپے جا سکتے ہیں) کھانا لے کر میں پیدل ہی اپنے اپارٹمنٹ کی طرف روانہ ہوئی۔

کافی میکر آن کیا کہ کافی بنا کر ایک ہی دفعہ بیٹھوں گی، الماری کھول کر اس میں اپنا کوٹ لٹکایا، احمد کے آنے میں کچھ دیر تھی تو میں نے فش اور چپس کا پیکٹ مائیکرو ویو اوون کے اندر رکھ دیا۔ گرمیوں میں، میں اور احمد ٹرین کے اسٹیشن سے اکٹھے ہی سفر کرتے اور باتیں کرتے ہوئے واپس آتے تھے، ہم دونوں کی ٹرینیں اگرچہ دو مختلف سمتوں سے آتیں مگر پہلے پہنچنے والا دوسرے کا انتظار کرتا اور پھر ہم گھر تک کا راستہ ایک دوسرے کو دن بھر کی روداد سناتے ہوئے طے کرتے تھے۔ سردیوں میں اسٹیشن پر کھڑے ہو کر انتظار کرنا مشکل ہو جاتا تو میں گھر کی طرف نکل پڑتی تا کہ پہلے پہنچ کر کچھ بنا لوں۔

میرا داخلہ لندن کے لیے ہوا تو صرف اس شرط کے ساتھ اجازت ملی کہ میں کم از کم منگنی یا نکاح کروا کر جاؤں...... جس قسم کا اندیشہ پہلے پہل والدین کو لڑکوں کی طرف سے ہوتا تھا اب شاید لڑکیوں کی طرف سے بھی ہو گیا ہے اسی لیے ایسی شرط رکھی گئی تھی...... ایک سادہ سی تقریب میں میرا نکاح احمد سے ہو گیا۔ یونیورسٹی میں میرا کورس تین سال کا تھا اس لیے حکم ہوا کہ میں احمد کے لیے شوہر کے طور پر ویزا کی درخواست دے دوں، حکمِ حاکم، مرگِ مفاجات...... میں نے درخواست جمع کروا دی، یوں بھی اس سارے طریقہ کار میں سالوں کا عرصہ لگ جاتا ہے مگر بھلا ہو قسمت کا کہ میری روانگی سے قبل ہی احمد کا ویزا آ گیا اور ایک اور تقریب میں جو انتہائی ایمرجنسی میں منعقد کی گئی میں رخصت ہو کر احمد کے گھر اور اس کے تین دن کے بعد احمد میرے ساتھ رخصت ہو کر لندن آ گیا۔

نئی جگہ...... نئے لوگ اور نئی زندگی کا آغاز...... میں تو سٹپٹا کر ہی رہ گئی، اللہ کا شکر ہے کہ احمد کا ساتھ تھا اور کئی مسائل کس طرح حل ہوئے مجھے علم تک نہ ہوا۔ احمد اور میں کالج میں اکٹھے پڑھتے تھے، اس نے ابھی اپنی تعلیم مکمل کی تھی اور اپنے پاپا کی کمپنی میں نئی نئی ملازمت شروع کی تھی، اس کا وہاں نوکری کا تجربہ کافی نہ تھا اس لیے اسے بھی لندن میں کسی اچھی ملازمت کی امید نہ تھی مگر کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا کہ آخر زندگی کی گاڑی بھی چلانا تھی۔ اسے ایک بڑے سپر اسٹور میں اکاؤنٹ کے شعبے میں ملازمت مل گئی اور وہیں میرے لیے ویک اینڈ پر بھی کوئی نہ کوئی کام مل جاتا تھا جس کی ادائیگی ظاہر ہے کہ گھنٹوں کے حساب سے ہوتی تھی، ویک اینڈ پر ہم دونوں اپنے ہفتے بھر کے رکے ہوئے کام ختم

کرتے اور دوپہر کو گھر سے نکل کر ایک دن کا پاس خریدتے جو بس، ٹیوب اور ٹرین...... سب پر استعمال ہو جاتا تھا، ہم کہیں نہ کہیں گھومنے پھرنے نکل جاتے تھے جو روز کے معمول میں ممکن نہ ہوتا تھا۔

ابھی ہمیں اپنی زندگی بنانا تھی، اس سے قبل ہی ہمیں ایک دوسرے کا ساتھی بنا کر ذمے داریوں میں الجھا دیا گیا تھا، کبھی کبھی تو گھٹن ہونا شروع ہو جاتی تھی مگر احمد کا پیارا سا ساتھ ایک نعمت محسوس ہوتا، ابھی ہم فیملی بھی شروع نہیں کر سکتے تھے کہ اس سے قبل کے کئی مرحلے تھے جو طے کرنا تھے، احمد بھی اپنا تعلیمی معیار بہتر کرنا چاہتے تھے مگر حالات اس بات کی اجازت نہ دیتے سو وہ ملازمت کر رہے تھے اور میں پڑھ رہی تھی۔ ہم دونوں کے والدین ابھی تک ہماری حتی الامکان مالی مدد کر رہے تھے مگر ایسا کب تک چلتا اور یوں بھی کسی مرد کی انا کب ایسا گوارا کرتی ہے۔ رات کے کھانے کے لیے برتن ٹرے میں لگا کر میں نے کمپیوٹر آن کیا اور اسکائپ پر مما سے رابطہ کیا۔ ''کیا ہو رہا ہے، موسم کیسا ہے......'' جیسے معمول کے سوالات کر کے ہر روز کی طرح مما نے احمد کے متعلق پوچھا۔

''احمد بھی بالکل ٹھیک ہیں مما......'' میں نے حسبِ معمول ان سے کہا۔

''میرا مطلب ہے کہ احمد بیٹے کا تمہارے ساتھ رویہ کیسا ہے، اس کا مزاج کیسا ہے؟'' مما کا سوال مجھے عجیب سا لگا، ایسا تو انہوں نے پچھلے چند ماہ میں کبھی نہیں پوچھا تھا۔

''احمد بہت اچھے ہیں مما...... مگر آپ اس طرح کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' میں نے انہیں تسلی دی۔

''اگر کسی قسم کے حالات خراب ہو جائیں تو وہ تمہارا ساتھ تو نہیں چھوڑے گا ناں؟'' مما کا اگلا سوال اور بھی حیران کن تھا۔

''کس قسم کے حالات مما...... کیا ہو گیا ہے، سب خیریت تو ہے ناں؟'' میں نے تین سوال داغے۔

''اس بات کو چھوڑو کہ کس طرح کے حالات...... تم مجھے بتاؤ کہ تم دونوں کے درمیان رشتہ کیسا ہے، میرا مطلب ہے کہ یہ رشتہ ایسا کمزور تو نہیں کہ کسی بات پر خطرے میں پڑ جائے؟'' ان کے لہجے میں ماؤں کی سی مخصوص تشویش تھی مگر میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

''آپ تو مجھے پریشان کیے دے رہی ہیں مما...... سچ بات تو یہ ہے کہ ابھی ہمیں عرصہ ہی کتنا ہوا ہے ایک ساتھ...... کیا کچھ غلط ہونے والا ہے مما...... کیا احمد کے گھر والوں نے کچھ کہا ہے؟ پلیز بتائیں مجھے، کن حالات کی بات کر رہی ہیں آپ؟'' میں گھبرا گئی۔

''اگر میں......'' مما کہتے کہتے رکیں۔ ''میرا مطلب ہے کہ میں نے تمہارے بابا سے خلع لینے کا فیصلہ کر لیا ہے......'' کئی آسمان میرے سر پر آ گرے۔

''مما......'' میرے منہ سے بہ مشکل نکلا، باہر سے دروازے کے لاک میں چابی گھومنے کی آواز سنائی دی۔

''صدف...... کہاں ہو ڈیئر؟'' میں نے احمد کی آواز سنی، مما نے بھی سنی ہو گی۔ احمد کمرے میں داخل ہوئے اور مما کو سلام کیا، میں گم صم تھی، مما نے احمد کی خیریت پوچھی اور میں نے جلدی سے کھانا گرم کرنے کا بہانہ کر کے اسکائپ بند کر دیا۔ کھانا کھاتے ہوئے بھی جانے میں کہاں گم تھی...... احمد نوٹ کیے بنا نہ رہ سکے مگر میں نے تھکاوٹ کا بہانہ کر دیا، بستر پر لیٹی تو نیند آنکھوں سے کہیں دور تھی، مما نے ایسا کیوں کہا تھا؟ اتنا بڑا سوالیہ نشان تھا کہ جس کا جواب مجھے سوائے مما کے اور کوئی نہیں دے سکتا تھا۔

مما سے بات کرنے کے لیے مجھے چوبیس گھنٹے اور انتظار کرنا تھا، ممکن ہے کہ مما نے مذاق کیا ہو، میں نے خود کو تسلی دی، مما اور بابا میں تو اتنا پیار ہے...... وہ تو خاندان کی سب سے اچھی جوڑی کہلاتے ہیں اور ان کے پیار کی سب مثالیں دیتے ہیں۔ یقیناً مما نے مذاق کیا ہو گا، میں نے پورے یقین سے سوچا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ کسی سے اس بارے میں بات بھی نہیں کر سکتی تھی، احمد سے میری جان پہچان سالوں پرانی

سبی مگر ہمارے درمیان میاں بیوی کا ناتا ابھی بالکل نیا تھا۔'اوہ...... 'میرے ذہن میں آیا کہ میں کس سے بات کرسکتی ہوں مگر ظاہر ہے کہ اس وقت نہیں، سوچتے، سوچتے جانے کب میں نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

٭٭٭

''فاطش...... ''میں کتاب پڑھتے، پڑھتے سوگئی تھی، چونک کر جاگی۔ عموماً مما اس وقت سو جاتی تھیں۔ مگر اس وقت وہ جاگ رہی تھیں''کہیں طبیعت خراب نہ ہو'' میں نے سوچا اور کتاب سائڈ ٹیبل پر رکھ کر اٹھی، دروازہ کھولا، مما اپنے سلک کے سیاہ سلیپنگ گاؤن پر سیاہ شال اوڑھے سامنے کھڑی تھیں، ان کی آنکھیں لال انگارہ ہورہی تھیں...... شاید وہ سوتے سے جاگ کر آئی تھیں یا پھر روتی رہی تھیں۔

''کیا بات ہے مما...... سب ٹھیک تو ہے ناں؟'' میں نے اٹھ کر ان کو تھام لیا، ان کا وجود ہولے، ہولے لرز رہا تھا۔''آپ کو سردی لگ رہی ہے کیا؟''میں نے انہیں صوفے پر بٹھا کر اپنا کمبل ان کی ٹانگوں پر ڈالا۔

''اسود سو گیا ہے کیا؟''مما نے سوال کیا۔

''جی مما، کافی دیر پہلے سو گیا تھا، اسے صبح جلدی اٹھنا ہوتا ہے ناں......''میں نے انہیں بتایا۔

''تم نہیں سوئیں ابھی تک......؟''

''سو گئی تھی مما کتاب پڑھتے، پڑھتے......'' میں نے وضاحت کی۔''کل کے ایک لیکچر میں اس کتاب کا حوالہ دینا تھا مجھے مگر پڑھتے، پڑھتے سو گئی تھی......''

''کیا ضرورت ہے ملازمت کی بیٹا...... کئی دفعہ کہا ہے کہ نہ تھکایا کرو خود کو......''انہوں نے پیار سے میرا ہاتھ تھام لیا، اس لمس سے میرے پورے وجود میں ایک مقناطیسی قوت دوڑ گئی۔

''اچھا ہے مما، مصروف رہتی ہوں تو بہت سی ... بے مقصد سوچیں میرے پاس بھی نہیں پھٹکتیں......''

''پھر بھی خود کو تھکانے کے بجائے یہی وقت اسود کو دیا کرو...... تمہیں ملازمت کی ضرورت تو تب ہو جب ہم اس قابل نہ ہوں...... تمہارے پپا ہیں ناں بیٹا، تمہارا

اور اسود کا خیال رکھ سکتے ہیں اور پھر اسود کا باپ بھی تو ہے..... اس کا خرچہ تو اس کے ذمے ہے ناں!"

"میں خود کو کسی چیز میں مصروف کر کے خود کو یہ یقین دلانا چاہتی ہوں مما کہ میں بیکار نہیں ہوں۔" میں نے آہ بھر کر کہا، میرے دل میں ایک کسک جاگی تھی جب مما نے اسود کے باپ کا حوالہ دیا تھا۔ جن حالات میں اور جس دل سے وہ اسود کا خرچہ دے رہا تھا وہ میں ہی جانتی تھی اور ماں باپ پر خود کو بوجھ نہیں بنانا چاہتی تھی۔ "آپ اس وقت تک کیوں جاگ رہی ہیں مما.....؟"

"نیند نہیں آ رہی تھی بیٹا!"

"پاپا میٹنگ اور ڈنر سے واپس لوٹے کہ نہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ابھی نہیں....." انہوں نے بے دھیانی سے جواب دیا۔

"کوئی پریشانی ہے مما؟"

"یہی سمجھ لو!" انہوں نے آہستگی سے کہا۔ "یا شاید نہیں بھی۔"

"کیا بات ہے مما؟ مجھے بتائیں کیا مسئلہ ہے، کوئی کاروبار کا مسئلہ ہے پاپا کا یا کچھ اور..... میں کچھ مدد کر سکتی ہوں اس میں؟" میں نے اپنا سر مما کی گود میں رکھ دیا، میری مہربان ماں کی نرم گود، گرم گود.....

"مسئلہ....." انہوں نے جیسے بے دھیانی سے کہا، ان کی انگلیاں میرے بالوں میں مساج کرنے لگیں۔ "تم خوش ہو ناں بیٹا....."

"خوش مما.....؟" یہ کیسا سوال تھا، خوشی کا یہاں کیا ذکر، میں تو زندگی گزار رہی تھی، زندگی مجھے گزار رہی تھی مگر انہیں پریشان کرنے کا کیا فائدہ تھا کہ اس زندگی کا انتخاب تو میں نے خود کیا تھا مما کی ہزار مخالفت کے باوجود..... "خوش ہی ہوں مما..... جتنا خوش مجھے ہونا چاہیے..... اپنے ہی کیے گئے ایک غلط فیصلے کا انجام بھگت کر۔" مما نے کتنی مخالفت کی تھی میرے انتخاب کی جب میں نے اشعر کو ان کے سامنے اپنا انتخاب بنا کر پیش کیا تھا، پپا نے مما کو اس بات پر قائل کیا کہ میری بات مان لی جائے۔ حالانکہ مما، اشعر سے تفصیل سے ملی بھی نہ تھیں، میرے یونیورسٹی کے سینئر کی حیثیت سے اسے جانتی تھیں اور اس وقت مما کے خلاف میرے دل میں کدورت تھی اور پپا مجھے دنیا کے سب سے اچھے باپ لگے تھے جنہوں نے مما کو منا کر اس شادی کو عدالتی شادی بننے سے بچا لیا تھا۔

مما نے اگر اس وقت اس شادی کی مخالفت کی تھی تو اس سے بڑھ کر بعد ازاں..... میرے اشعر کو چھوڑنے کے فیصلے کی مخالفت کی تھی کہ اس وقت تک ہمارا بیٹا اسود دنیا میں آ چکا تھا۔ مگر میں اس وقت بھی تل گئی تھی کہ مجھے ایک بدکردار شخص کے ساتھ زندگی نہیں بتانا تھی، مما نے اس وقت کہا کہ مجھے قربانی دینی چاہیے کہ یہ معصوم اس کا خمیازہ بھگتے گا مگر میرا فیصلہ اٹل تھا، اب بھی کبھی کبھار اس کی کسک باقی ہے کہ مما کہتی تھیں وہ معافی مانگتا ہے تو اسے معاف کر دو اور آئندہ کے لیے وعدہ کرتا ہے تو اس پر یقین کر لو، اسے اصلاح کا ایک موقع دے کر تو دیکھو کہ کل کلاں کو تمہارا بیٹا جوان ہو کر تم سے جواب وہی کرے تو تمہارے پاس اسے بتانے کو کچھ تو ہو کہ اس کا باپ کئی بار کی کوششوں کے بعد بھی نہیں بدل سکا تھا..... مگر میں نے سب در بند کر دیے..... اپنے کان، آنکھیں اور منہ سب کچھ بند کر لیا، ایک ہی اٹل فیصلہ تھا، وہ بھی دماغ کا نہیں دل کا تھا۔ مما کہتی تھیں کہ قصوروار مرد جب اپنا قصور مان لے تو عورت کا دل بڑا ہو جاتا ہے اور وہ اسے معاف کر دیتی ہے مگر میری نہ کسی طور ہاں میں نہ بدلی.....

"یوں تو نہ کہو میری جان....." مما نے میرے ماتھے کا بوسہ لیا۔ "یہ شادی ہونا اور اس کے نتیجے میں اس معصوم کا اس دنیا میں آنا تو اللہ کی طرف سے مقرر تھا..... پھر ہزار چاہنے کے باوجود اس شادی کا ٹوٹ جانا بھی امرِ ربی تھا، ہم انسانوں کی کیا مجال کہ خدائی فیصلوں کو بدل سکیں..... اس وقت میں سوچتی تھی کہ تم نے اسود کا بھی نہ سوچا اور بہت غلط فیصلہ کیا مگر اب....." مما نے گہری

سانس لی۔ ''اب سوچتی ہوں کہ تمہارا فیصلہ ٹھیک تھا، تم نے اچھا کیا، عمر بھر کے لیے ایک ناپسندیدہ رشتے کا طوق گلے میں لٹکا کر جینے سے بہتر ہے کہ اس اکلوتی زندگی کو اپنے انداز سے جیا جائے......''

''یہ بات آپ کہہ رہی ہیں مما......؟'' میں نے حیرت سے ان کا چہرہ دیکھا، انہوں نے سختی سے ہونٹ بھینچ رکھے تھے جیسے کسی بات کو منہ سے نکلنے سے روکنا چاہتی ہوں۔ ''آپ کہہ رہی ہیں کہ میں نے ٹھیک کیا، آپ......؟ جنہوں نے اس وقت میری اتنی مخالفت کی تھی کہ مجھے احساس ہونے لگا تھا کہ آپ میری سگی ماں ہی نہیں ہیں......''

''ہاں میری جان...... میں جانتی ہوں کہ نارسائی کا دکھ کیسا ہوتا ہے، میں نے پوری عمر سمجھوتوں میں گزار دی کہ میرے اردگرد اپنی بیٹیوں کی محبت کی زنجیر تھی، تم لوگوں کے مستقبل کے بارے میں سوچتی تھی...... مگر اب میں تھک گئی ہوں، میں نے بھی یہ طوق اتار دینے کا فیصلہ کرلیا ہے، میں نے دیکھا ہے کہ تم بے سکون تو ہوتی ہو...... ناخوش تو ہو مگر تمہیں کسی ناپسندیدہ رشتے کا ساتھ تو نہیں نبھانا پڑ رہا، میں نے بھی تمہاری طرح آزادی کا فیصلہ کرلیا ہے فاطش......'' مما کے چہرے پر اپنی بات پوری کرتے ہی ایک سکون کی کیفیت آگئی تھی، میں نے ان سے پوچھنا چاہا مگر میرے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا، حیرت کی زیادتی نے میرے منہ کو جکڑ لیا تھا۔ کس رشتے سے آزادی کا فیصلہ کیا ہے مما نے؟ میری ناقص عقل میں یہ بات ہی نہ آئی تھی۔

''تم سو جاؤ اب......'' انہوں نے میرا سر تھپتھپا کر کہا اور میرے کمرے سے نکل گئیں اور میں ان کی پشت دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆
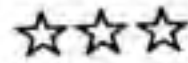
عشق کا جادو جب سر چڑھ کر بولتا ہے تو سارے حواس مختل کر دیتا ہے، یہی میرے ساتھ ہوا تھا اور جب اشعر کے عشق کے جادو نے میرے دماغ میں اپنا سحر پھونکا تو مجھے اپنے سارے برے لگنے لگے تھے...... مما نے خود مجھے سمجھایا، پاپا سے کہا کہ مجھے سمجھائیں، رانیہ اور صدف نے کالیں کر کر کے مجھے سمجھانے کی کوشش کی کہ والدین اولاد کا برا نہیں سوچتے، مجھے ان کی بات مان لینی چاہیے مگر میرے سر پر تو اشعر کی محبت کا بھوت سوار تھا اور مجھے اس کے سوا ساری دنیا بری لگتی تھی۔ پاپا نے ہی غالباً مما کو قائل کیا ہوگا کیونکہ میں نے پاپا سے کہا تھا کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہ تھی سوائے اس کے کہ وہ اپنی خوشی سے میری شادی میں شامل ہو جائیں کیونکہ شادی تو...... بہرحال مجھے اشعر سے ہی کرنا تھی...... اشعر کی محبت نے ہی مجھے اتنی ہمت دے دی تھی کہ میں اپنے اتنے پیار کرنے والے باپ کے روبرو کھڑی ہوگئی تھی۔

''میں نے تو کبھی اس انداز سے سوچا بھی نہ تھا کہ میرا کوئی بیٹا نہیں...... ہمیشہ یہی سوچتا تھا کہ بیٹوں اور بیٹیوں میں بھلا کیا فرق ہوتا ہے...... مگر آج علم ہوا ہے کہ جب کوئی بیٹی بغاوت پر اترتی ہے تو وہ اپنے باپ کی پگڑی پیروں تلے رول دیتی ہے......'' پاپا نے بس یہی کہا تھا، میں نے جواً ان سے کہہ دیا تھا کہ اگر آپ لوگ نہ مانے تو ہم کورٹ میں شادی کرلیں گے...... پھر پاپا نے مما کو منالیا اور چند ماہ کے بعد کی شادی کی تاریخ رکھ دی گئی۔ رانیہ اور صدف بھی چند دنوں کے لیے آئیں اور میں اپنی خوشی اور والدین کی بادل ناخواستہ رضامندی کے ساتھ بیاہ کر اشعر کے گھر چلی آئی...... اپنی مرضی سے عشق رچا کر، دھڑلے سے شادی کرنے والی لڑکی کی جو عزت سسرال میں ہو سکتی ہے، اتنی ہی ''عزت افزائی'' میری ہوئی۔ بات بے بات مجھے آوارگی اور بے حیائی کے طعنے ملتے، جلد ہی اشعر کو بھی احساس ہونے لگا کہ اپنے گھر والوں کی خوشی سے شادی نہ کر کے اس نے ان کی عمر بھر کی ناراضی مول لے لی تھی۔

اسے باپ بننے کی نوید نے تو اور بھی پریشان کر دیا...... ''ابھی تو میرے ماں باپ اور بہن بھائی تمہیں ہی قبول نہیں کر پائے اب اس نئے رشتے کو کون خوش آمدید کہے گا...... کچھ ہو نہیں سکتا؟'' اس نے میری

طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور میں نے اس کی طرف، میں سمجھی نہیں تھی کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا۔ ”ابھی بچے کی جلدی کیا ہے؟“

”بچے کی جلدی......؟“ میں نے حیرت سے کہا۔ ”مجھے کیا جلدی ہے...... جو اللہ کی رضا اور پھر ویسے بھی اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔“

”کچھ نہ کچھ حل تو ہوتا ہوگا ناں......“ اس نے گول مول الفاظ میں کہا۔

”ہرگز نہیں......“ میرا لہجہ اٹل تھا۔ ”یہ ہم دونوں کا بچہ ہے اور ہم شادی شدہ ہیں اور ہر شادی کا مقصد نسلِ انسانی کی افزائش ہی ہوتا ہے اشعر...... مجھے یقین ہے کہ اس بچے کے آنے سے تمہارے گھر والوں کے دلوں میں نہ صرف اس کے لیے بلکہ میرے لیے بھی نرم گوشہ پیدا ہوگا۔“

”تمہاری مرضی......“ اس نے کندھے اچکائے تھے، آنے والے وقتوں نے اسے ایک کمزور ترین شوہر ثابت کر دیا تھا، میں نے یہ سب بھی برداشت کر لیا تھا اس امید پر کہ بچے کی آمد سے سب کے دل پسیج جائیں گے۔ اس کی پیدائش سے ایک ماہ قبل میں مما کے ہاں اٹھ آئی اور اسود کی پیدائش یہیں ہوئی...... اطلاع دینے کے باوجود سسرال سے کوئی اور تو کیا آتا، اشعر ہی چوتھے دن آیا۔ میں نے عہد تو کیا تھا کہ اس سے بات نہ کروں گی مگر اسے کوئی اور بہانہ فراہم نہیں کرنا چاہتی تھی، غلطی تو ہو چکی تھی مگر اپنے ماں باپ کی نظر میں سرخرو رہنے کے لیے اس غلطی کو نبھانے کی پوری کوشش کر رہی تھی...... اب صبر آزمائی بہت ہو چکی تھی۔

اسود ایک ماہ کا ہوا تو میں واپس سسرال لوٹی، سب گھر والوں کے مزاج حسبِ معمول تھے، کوئی اسود کو پیار سے دیکھتا تک نہ تھا، کیسے کٹھور لوگ تھے، کبھی میں اپنی ساس یا نندوں کو اسود کا خیال رکھنے کا کہتی تو وہ اپنی مصروفیت کا بہانہ پیش کر دیتیں۔ ایسے پتھر دل لوگ تھے کہ معصوم بچے پر انہیں پیار نہ آتا تھا، جانتے ہوئے بھی کہ ان کے بیٹے کی اولاد ہے...... میں نے پہلے پہل تو مما اور پاپا سے سب کچھ چھپائے رکھا مگر اب صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ اشعر میری اور اسود کی بنیادی ضروریات کے لیے بھی رقم نہ دیتا، اس پر بھی میں صبر کرتی اور اپنی ہر ضرورت اپنی رقم سے پوری کرتی جو پاپا ہر ماہ میرے اکاؤنٹ میں جمع کرواتے تھے۔ پھر مجھے اس کے بارے میں اڑتی، اڑتی الٹی سیدھی خبریں ملنے لگیں تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا...... میں مما کے سامنے رو پڑی۔

”اب صبر کرو اور برداشت کرو......“ مما نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔ ”اولاد بہت بڑی مجبوری ہوتی ہے، عورت کے پیروں میں بندھی زنجیر...... جس کی لمبائی گھر کی چار دیواری تک ہوتی ہے اس زنجیر میں جکڑی عورت اپنے جوگی نہیں رہتی بیٹا...... اسی محبت نے تمہارے پیروں میں زنجیر باندھ دی ہے۔ تم نے اس کی دوستی تھی...... شادی کی تو اس کا دل بھر گیا، مرد کو جب باہر منہ مارنے کی عادت ہو جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لو...... برداشت کرو اب اسود کی خاطر......“

”ہرگز نہیں مما......“ بلا کی ضدی تو میں تھی ہی جو اپنی ہر ضد منوا لیتی تھی۔ ”میں اسے ناکوں چنے چبوا دوں گی۔“ میں نے کہا تھا۔ جب اسے ہی زندگی سے نکال دینے کا سوچ لیا تھا تو اس سے کوئی ضرورت وابستہ رہی نہ مفاد...... وہ میری زندگی برباد کرے اور میں اسے یوں ہی جانے دیتی ہرگز نہیں...... بھاری رقم کے حق مہر کا مطالبہ اور اسود کے ماہانہ خرچ کے لیے میں نے اس پر مقدمہ کر دیا اور اسے مالی طور پر کنگال کر دیا۔ اس کی ملازمت بھی اچھی تھی...... سو اس کی آمدن کے لحاظ سے اسود کا خرچہ مقرر ہوا تھا جسے وہ لاکھ حیلے تاویلیں کر کے دیتا تھا مگر چونکہ عدالتی فیصلہ تھا اس لیے اس کی مجال نہ تھی کہ انکار کر سکتا۔

اسے زندگی سے نکال دیا تو ایک دن بھی ملال نہ ہوا، دکھ تو یہ ہوتا تھا کہ اپنے ماں باپ سے بغاوت کی، ان پر اعتماد نہ کیا، وہ اپنے تجربے کی روشنی میں مجھے سمجھاتے تھے اور میں اس وقت انہیں اپنا دشمن سمجھتی تھی۔

پاپا تو اس حق میں ہی نہ تھے کہ اشعر سے ایک پائی بھی قبول کی جاتی مگر یہ میری ضد تھی کہ میں اسے اس حد تک کنگال کر دیتی کہ اسے اپنی ضروریات کے لیے بھی رقم کم پڑتی پھر میں دیکھتی کہ وہ باہر عورتوں سے دوستیاں کیسے نبھاتا ہے اور اس کے گھر والوں نے اتنا عرصہ جس اذیت میں مجھے رکھا تھا میں انہیں یونہی کیسے جانے دیتی۔ میں نے کم از کم انہیں مالی پریشانی میں مبتلا تو کر دیا تھا ناں...... عورت کو کمزور سمجھ لیا جاتا ہے مگر میں اس رشتے کے ختم ہو جانے پر اور بھی مضبوط ہو گئی تھی۔ مما کی خواہش تھی کہ میں کسی اور سے شادی کر لوں، اسود کو وہ پال لیں گی مگر میرا ذہن اس بات کو قبول ہی نہ کرتا تھا۔ میں نے مما اور پاپا کے منع کرنے کے باوجود کالج میں لیکچرار کی ملازمت کر لی تھی، اب تو اسود بھی اسکول جانے لگا تھا، مما اور پاپا کی ہتھیلیوں کا چھالا اسود......

☆☆☆

''اماں ......'' میں نے قرآن پاک سے نظر ہٹا کر سر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑی ببلی کو دیکھا۔ ''بڑی اماں بلا رہی ہیں آپ کو......'' اس نے میری ساس کا پیغام دیا، میں نے قرآن پاک کو بند کر کے اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا، اس نے اسے سامنے والی الماری کے اوپر رکھ دیا۔

''سب خیریت تو ہے ناں بیٹا؟'' میں نے ان کے اس بے وقت بلاوے پر حیرت سے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ پھپو کی کال تھی، میں نے ہی فون ان کو دیا تھا، کال ختم ہوتے ہی انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کو بلا کر لاؤں......''

''چلو......'' میں نے اپنے کپڑوں پر پڑی سلوٹیں ہاتھ سے دور کرنے کی کوشش کی، ابھی تو میں نے رات کا لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا مگر اس وقت بجلی بھی نہ تھی کہ استری کروا کر تبدیل کرتی اور یوں بھی وہ بزرگ تھیں اور ان کے بلاوے پر مجھے فوراً جانا تھا، یہی ہمارے ہاں کا اصول تھا۔ ''کیا بات ہو سکتی ہے...... بڑی اماں کسی پر ناراض تو نہیں تھیں؟'' میں نے راستے میں ببلی سے پوچھا۔

''نہیں فون کے بعد تو وہ خوش تھیں اماں!'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''جی اماں؟'' میں نے ان کے سامنے سر جھکایا اور انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ''آپ نے بلوایا تھا'' ...... میں ان کے پلنگ کی پائنتی پر بیٹھنے لگی تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

''تم جاؤ ببلی یہاں سے......'' انہوں نے ببلی سے کہا اور میری خیریت دریافت کی۔

''کچھ کھایا پیا تم نے کہ نہیں؟'' انہوں نے سوال کیا۔ ''عمر کہاں ہے؟''

''جی وہ سو رہے ہیں، جاگیں گے تو ان کے ساتھ ہی ناشتا کریں گے سب لوگ، ابھی تو میں قرآن مجید پڑھ رہی تھی۔''

''ناہید کا فون آیا تھا، وہ اگلے ماہ پاکستان آ رہی ہے اور اس کا ارادہ نبیل (ناہید کا بیٹا) کی شادی کا ہے اور سجاد بھی اس کے ساتھ ہی آئے گا......'' ناہید میری نند اور سجاد چھوٹا دیور تھا جس کی اپنی بیوی سے علیحدگی کے بعد سے وہ امریکا چلا گیا تھا اور اس کے بعد اس نے شادی نہ کی تھی کہ اسے عورت ذات پر اعتبار نہ رہا تھا۔ ناہید نے نبیل کی منگنی اپنی نند کی بیٹی کے ساتھ کر رکھی تھی، ایک بیٹی اور بیٹا اس نے امریکا میں ہی بیاہے تھے، اب نبیل اس کا ایک ہی بیٹا بچا تھا، اس کی شادی طے تھی کیونکہ ناہید ایک بہو پاکستان سے لے کر جانا چاہتی تھی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے اماں......'' میں نے انہیں مبارک باد دی۔

''میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ اس کی نند کی بیٹی نے نبیل سے شادی سے انکار کر دیا ہے کیونکہ وہ اپنے کسی کلاس فیلو سے شادی کرنا چاہتی ہے...... اب ناہید نے مجھ سے ببلی کا ہاتھ مانگا ہے......'' انہوں نے جب یہ کہا تو میں حیران رہ گئی۔ ''میں جانتی ہوں کہ عمر کی بڑی خواہش تھی کہ وہ نبیل کو داماد بنائے اور

اسی مقصد کے لیے دو برس پہلے ناہید پاکستان آئی تھی مگر یہاں آ کر نبیل کو اپنی پھوپھی زاد بھا گئی تھی اور ہماری لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ بلی کے لیے مان کر نہیں دیا تھا......"

"مگر اب......؟" میں نے ہچکچا کر پوچھا۔

"اب اس نے کال کر کے کہا ہے کہ میں عمر سے بات کروں اور اسے مناؤں......" اماں نے کہا۔ "اس کی پہلے بھی بھائی کے ہاں رشتہ جوڑنے کی خواہش تھی اور آج بھی ہے۔"

"آپ کو معلوم ہے اماں کہ عمر نہیں مانیں گے......" میں نے ہچکچا کر کہا۔ "نبیل ایک بار بلی کو ٹھکرا چکا ہے اور اب تو بلی کا رشتہ تقریباً طے ہو ہی چکا ہے۔"

"سب جانتی ہوں نیلم......" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اور یہ بھی جانتی ہوں کہ عمر تمہاری ہر بات مانتا ہے...... تمہاری کوئی بات نہیں ٹالتا۔"

"وہ بات اپنی جگہ اماں مگر میں نے کبھی ان سے کوئی غلط مطالبہ نہیں کیا آج تک۔" میں نے وضاحت کی۔

"میں نے تم سے کوئی غلط بات منوانے کو نہیں کہا نیلم......" اماں نے تحمل سے کہا۔ "ناہید میری بیٹی ہی نہیں عمر کی اکلوتی بہن بھی ہے اور تم سے بہت پیار کرنے والی نند بھی، عمر نے اس گھر میں جو درجہ اپنی چار بچیوں کی ماں ملیحہ کو نہیں دیا تھا، وہ تمہیں حاصل ہے...... بغیر کسی بچے کو جنم دیے تم ان چار بچوں کی ماں کہلاتی ہو۔"

"میں ان بچوں سے ماں کی طرح ہی پیار کرتی ہوں اماں۔" میں نے سسکی لی۔ "میں نے انہیں کب ماں کی کمی محسوس ہونے دی ہے؟"

"کیا میں نے اس بات کا شکوہ کبھی کیا؟" اماں کا لہجہ فوراً بدلا۔ "میں نے ہی عمر کا جھکاؤ تمہاری طرف دیکھ کر اس سے التجا کی تھی کہ ملیحہ کو فارغ کر دے تاکہ وہ اس رشتے کا بوجھ نبھاتے، نبھاتے خواہ مخواہ ایک... ناپسندیدہ رشتے کی ڈور میں بندھی رہے...... اچھا ہے کہ وہ کسی اور کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی گزار رہی ہے اور عمر تمہارے ساتھ۔"

ان کا کہنا تو آسان تھا مگر جس تن لاگے سو تن جانے......

"میں کوشش کروں گی اماں......" میں نے ہولے سے کہا، میرے دل میں بھی کئی خواہشات تھیں اور کئی ادھورے سپنے، جن میں سے اہم تو یہی تھا کہ میں ان بچوں کی ماں کہلاتی تھی جنہیں میں نے جنم نہیں دیا تھا اور اس کے صلے میں مجھے اپنی اولاد سے محرومی ملی تھی کیونکہ عمر نے اول روز ہی کہہ دیا تھا کہ انہیں مزید اولاد نہیں چاہیے تھی۔

"کوشش نہیں نیلم...... تمہیں عمر سے بات منوانے کے سب گر آتے ہیں، مجھ سے کچھ چھپا نہیں ہے......"

کاش وہ جانتیں کہ میں تو ان سے کچھ نہیں منوا سکتی تھی، وہ مجھ سے سب کچھ منوا لیتے تھے۔ میں مرے، مرے قدموں سے ان کے کمرے سے باہر نکلی تو عمر اپنے کمرے سے نکل رہے تھے۔

"کہاں ہو نیل...... یار تمہارے فون پر کال آ رہی ہے آنٹی کی۔" انہیں اپنی نیند میں فون سے مخل ہونے پر ناراضی تھی۔

"تو آپ اٹھا لیتے ناں فون......" میں نے فوراً فون پکڑ کر اس کا بٹن دبایا اور مما کو سلام کیا، عمر مڑ کر واپس کمرے میں چلے گئے، اپنے ادھورے سپنوں کا سلسلہ وہیں سے جوڑنے...... چھٹی کے روز وہ اسی طرح سست ہو جاتے تھے، دن چڑھے تک سوتے رہتے، کبھی کبھار ناشتا کر کے دوبارہ سو جاتے تھے۔

"کیا حال ہے میری جان نیلی، کہاں تھیں...... اتنی دیر سے فون بج رہا ہے اور تم اٹھا ہی نہیں رہی تھیں......" مما نے شکوہ کیا۔

"وہ میں اماں کے کمرے میں تھی مما اور عمر سو رہے تھے......" میں نے ہولے سے جواب دیا، دل ابھی تک بھاری سا ہو رہا تھا۔

"صبح سویرے اماں کے کمرے میں کیوں تھیں، خیریت تو ہے ناں میری بیٹی؟" انہیں تشویش ہوئی۔

"ہاں مما...... سب خیریت ہے......" انہیں کوئی

کام تھا تو انہوں نے بلوایا تھا......'' میں نے جواب دیا۔ ''آپ سنائیں...... پاپا تو ٹھیک ہیں ناں؟''

''تمہارے پاپا ٹھیک نہیں ہو سکتے نیلم......'' مما کا لہجہ ٹوٹ رہا تھا، میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا....

''کیا ہوا پاپا کو مما؟'' میں تقریباً چیخی۔

''تم تو جانتی ہو نیلم...... جو میں تمہیں کہہ رہی ہوں، اس لیے میں نے ان سے خلع لینے کا فیصلہ کرلیا ہے بیٹی......'' مما نے میرے سر پر بم پھوڑا۔

''کیوں مما...... اب کیا ہوا؟'' میری آواز بلند ہوگئی۔

''ناشتے میں کیا دیر ہے نیل؟'' عمر کمرے سے نکل آئے تھے۔ ''سب خیریت تو ہے ناں؟'' عمر کمرے سے نکلے تو میں گھبرا گئی۔

''میں آپ کو فارغ ہو کر کال کرتی ہوں مما......'' میں نے فون فوراً بند کیا اور باورچی خانے کی طرف...... چل دی۔ پورا دن گزر گیا اور مجھے تنہائی ہی میسر نہ آئی کہ میں انہیں کال کرتی۔ ''مجھے مما سے ملنے جانا ہوگا، شاید اداس ہو رہی ہوں گی اس لیے اس طرح کی بات کی ہے......'' میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

☆☆☆

میرا نام نیلم ہے، اپنے ماں باپ کی پہلی اولاد...... ان کی چار بیٹیوں میں سے پہلی بیٹی...... اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا، پُراعتماد، ذہین، استادوں کی پسندیدہ اور ہر میدان میں سب سے آگے۔ اس روز بھی سودی نظام بینکاری کے موضوع پر انٹر کالجز کے ایک تقریری مقابلے میں ایک بھرپور اور پُرزور تقریر کے بعد داد کے ڈونگرے سمیٹتی ہوئی جب میں اپنی ٹرافی لینے کے لیے مہمانِ خصوصی کے سامنے کھڑی تھی تو دودھیا رنگت اور بھورے بالوں اور شربتی آنکھوں والے چیمبر آف کامرس کے صدر کی نظر میں اپنے لیے ستائش دیکھی اپنے عہدے کے حساب سے کافی ینگ تھے۔ ٹرافی وصول کرتے ہوئے میں نے ان کا شکریہ ادا کیا، انہوں نے اپنی جیب سے اپنا کارڈ نکالا اور میرے ہاتھ میں دے دیا۔ ''میں واقعی تم سے بہت متاثر ہوا ہوں......'' میں نے مسکرا کر ان کا پھر شکریہ ادا کیا۔

''آپ یقیناً میری تقریر سے متاثر ہوئے ہیں سر۔'' میں نے اپنے پورے اعتماد سے اس کی تصحیح کی۔

''میں تم سے متاثر ہوا ہوں نیلم......'' انہوں نے ہولے سے کہا، میں ہولے سے سر جھٹک کر نخوت سے ناک سکوڑ کر اسٹیج سے اتر آئی، شکر ہے کہ ان کی اور میری اس گفتگو کو کسی نے نہیں سنا کہ اتنے ہولے سے سب کچھ ہوا تھا مگر میں صبا سے یہ سب کہے بغیر نہ رہ سکی۔ مقابلے کے اختتام پر چائے کا اہتمام کیا گیا تھا، جہاں پر مہمانِ خصوصی کے کہنے پر سب شرکاء کو خصوصی

طور پر چائے کے لیے بلوا لیا گیا تھا، میں نے خود کو مہمانِ خصوصی سے دانستہ دور رکھا مگر اس کی نظروں سے دور نہ رہ سکی۔

بی کام کا امتحان ختم بھی نہ ہوا تھا کہ مما کی طرف سے مجھے اطلاع ملی کی کچھ لوگ مجھے دیکھنے کے لیے آنا چاہتے ہیں۔ ''مما...... میں ابھی پڑھ رہی ہوں۔'' میں نے احتجاج کیا۔

''ایک نہ ایک دن تو سب بیٹیوں کو بیاہ کر اپنے گھر جانا ہی ہوتا ہے بیٹا، ابھی کون سا شادی ہو رہی ہے...... جانے ہمیں یہ لوگ پسند آتے بھی ہیں یا نہیں...... یا ہم انہیں پسند نہ آئیں۔'' مما نے مسکرا کر کہا، میرے پیچھے تین اور لائن میں لگی تھیں، سب سال دو سال کے وقفے سے جوانی کی دہلیز کو چھو رہی تھیں۔ جانتی تھی کہ یہ وقت تو آنا ہی تھا، ماں باپ کا گھر چھوڑنے کا خیال دل کو ہولاتا تھا تو نئی زندگی کے خیالات دل کو گدگداتے بھی تھے۔ شام کو جب میں ڈرائنگ روم میں دھڑکتے دل کے ساتھ داخل ہوئی تو مہمانوں کو دیکھ کر چونک گئی، وہی چیمبر آف کامرس کا صدر اور اس کے گھر والے......

''آئیں نیلم......'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے، میرے گھر والوں نے چونک کر اب میری طرف دیکھا تھا۔

''آپ نیلم کو کیسے جانتے ہیں بیٹا؟'' مما پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

''ارے آنٹی...... زیادہ نہیں جانتا، بس ایک بار دیکھا تھا......'' اس کے کہنے پر میں نے اسے دیکھا، اس کے چہرے پر اس وقت لکھا تھا، 'ایک بار دیکھا تھا، بار بار دیکھنے کی ہوس ہے......'

''اچھا...... مگر کہاں؟'' مما نے پوچھا۔

''وہ مما......'' میں نے مداخلت کی۔ ''میرا خیال ہے کہ پچھلے مہینے یہ انٹر کالجز ڈیبیٹ مقابلے کے مہمانِ خصوصی تھے۔'' میری وضاحت پر عمر صلاح الدین نے مسکرا کر تائید کی۔

''بہت ذہین ہیں نیلم...... اور آنٹی ذہین لوگ میری کمزوری ہیں......'' عمر میرے چہرے کی طرف دیکھ کر بولے تو میرے گال تمتمانے لگے۔

مما اور پاپا کو کوئی اعتراض نہ تھا، ان سے پہلی ملاقات کے بعد میری بہنیں بھی عمر کی وجیہہ شخصیت سے مرعوب ہو گئی تھیں، رات کھانے کی میز پر بھی انہی کی باتیں ہوتی رہیں، جاتے سمے وہ مما اور پاپا کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دے گئے تھے...... وہ مستقبل کے پلان بنا رہے تھے اور میرا دل اچھل چھل ہو رہا تھا۔ رات سونے کو بستر پر لیٹی تو ایک انجان نمبر سے پیغام آیا۔

''براہ مہربانی میری کال اٹینڈ کریں اگر آپ تنہا ہیں اور اگر نہیں تو میری کال کو نظر انداز کریں...... عمر!'' میں فون کی اسکرین کو دیکھ رہی تھی...... ساتھ ہی گھنٹی بجنے لگی، میں نے سوچا کہ نظر انداز کردوں مگر میرے دماغ کو سوچنے کا موقع ہی نہ ملا اور انگلی دل کی تال سے ہم آہنگ ہو کر فون کی اسکرین پر سبز نشان پر جا لگی۔

''نیلم......'' اتنے پیار سے کسی نے کب میرا نام پکارا تھا پہلے...... ''آپ جاگ رہی تھیں ناں؟ میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' جواب سوچ ہی رہی تھی کہ سوتی سی آواز نکالوں اور وہ کال بند کردے...... مگر دل کو کیا ہوا تھا۔ ''لگتا ہے اب سو گئی ہیں، میری آواز نے لوری کا کام تو نہیں کر دیا؟'' مجھے کوئی جواب نہ سوجھا۔ ''میں اسی مقررہ نیلم سے بات کر رہا ہوں ناں جس نے سودی نظام بینکاری کے خشک موضوع پر تقریر کرتے ہوئے بھی میرے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا تھا!''

''جی، نیلم بول رہی ہوں۔'' میں نے تھوک نگل کر کہا، میں اتنا گھبرا کیوں رہی تھی، تقریری مقابلوں میں مخالفین کے چھکے چھڑا دینے والی نیلم کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔

''نیل......'' میری کئی دھڑکنیں مس ہو گئیں...... ''تمہیں برا تو نہیں لگا میرا اپنے گھر والوں کے ساتھ تمہارے گھر آنا؟''

''ہوں......'' میں نے سینے کی گہرائی سے سانس کھینچی۔ ''زیادہ نہیں!''

"تھوڑا سا برا کیوں لگا؟"

"میں توقع نہیں کر رہی تھی......"

"میں کیا توقع کروں اب؟"

"میرے والدین کو علم ہوگا، ہمارے ہاں اہم فیصلے ماں باپ کرتے ہیں۔"

"مگر میں جاننا چاہوں گا کہ جو مجھے اتنا پیاری اور اچھی لگی ہے، اسے میں کیسا لگا ہوں؟"

"میں آپ کو کیوں اچھی لگی ہوں؟"

"کیونکہ تم ہو ہی اچھی۔"

"ایک ادھوری سی ملاقات نے آپ کو بتا دیا کہ میں کتنی اچھی ہوں؟" میں ہنسی۔

"تم ہنستی بھی بہت اچھا ہو......" عمر نے کہا۔

"کسی کو جاننے کے لیے بسا اوقات ایک لمحہ ہی کافی ہوتا ہے اور کئی بار ساتھ، ساتھ رہتے ہوئے بھی انسان ایک دوسرے سے فاصلوں پر ہوتے ہیں۔" فلسفہ جھاڑا گیا۔

"اتنی ثقیل گفتگو کرتے ہیں آپ!"

"ہلکی پھلکی گفتگو بھی کر لیتا ہوں......" ہنس کر کہا گیا۔ "ہم کہیں مل سکتے ہیں باہر نیل؟"

"ہم گھر پر تو مل لیے ہیں......" میں نے فوراً کہا۔

"اب آئی ہوناں اپنی جون میں...... مجھے تم سے باہر ملنا ہے اور کچھ بہت اہم باتیں کرنا ہیں......"

"میں اپنی مما سے بات کروں گی اور اجازت لوں گی۔"

"وہ تمہیں اجازت دے دیں گی؟" بے تابی سی بے تابی تھی۔

"ممکن ہے کہ ہاں...... اور ہو سکتا ہے کہ نہیں۔" میں نے غیر مبہم سی بات کی۔

"یہ کیا بات ہوئی......" وہ جھنجلایا۔ "بہت ضروری ہے ملنا۔" وہ رکا۔ "کیا تم ان سے پوچھے بغیر نہیں مل سکتیں مجھ سے؟"

"نہیں......" میں نے کہا۔ "ہرگز نہیں، ان کی اجازت کے بغیر ہرگز نہیں...... اور ڈریں نہیں، ان کی رائے آپ کے بارے میں بہت اچھی ہے۔" میرے کہنے پر اس کے سینے سے سکون کی سانس خارج ہوئی ہوگی۔

☆☆☆

"میں نے کہا تھا ناں نیل کہ کبھی ہم کسی کے ساتھ سالوں اکٹھے رہ کر بھی دور ہوتے ہیں اور کبھی ایک لمحہ ایک دوسرے کو جاننے کے لیے کافی ہوتا ہے......" جوس کا چھوٹا سا گھونٹ لے کر میں نے اس کے شربتی آنکھوں والے چہرے کو دیکھا۔ "میں نے تمہیں ایک نظر دیکھا اور مجھے لگا کہ میری تلاش ختم ہوگئی ہے اور ایک وہ ہے......"

"کون وہ؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"جس کے ساتھ میں آٹھ سال سے رہ رہا ہوں۔"

اس کی بات واضح نہ تھی۔

"کس کے ساتھ؟" رہ تو وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ ہی رہا تھا۔ "میں سمجھی نہیں؟"

"نیل...... میں تمہیں کیسا لگا ہوں؟" وہ بات کا جواب گول کر گیا، اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔

"جھوٹ نہ بولنا پلیز......!" میں نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا، ان نظروں میں جانے کیا تھا، دل کی بے ترتیب دھڑکنیں نظروں سے واضح ہو رہی تھیں، کچھ بولنا چاہا مگر بول نہ سکی...... "بتاؤ ناں نیل......" ایسے پیار سے کب کسی کے لبوں سے میرا نام نکلا تھا بھلا۔ "میرا ساتھ دو گی...... میرا ہاتھ تھامو گی، میرا ساتھ قبول کرو گی؟ زندگی بتانا چاہو گی میرے ساتھ؟" مجھے لگ رہا تھا کہ میں کوئی انتہائی رومانوی فلم دیکھ رہی تھی مگر وہ سب حقیقت تھی اور میں اس رومانوی کہانی کا ایک کردار...... میرے دل کے دروازوں پر پہلی، پہلی دستک۔

"پلیز......" میں نے احتجاج کیا، میں اس کے سامنے بیٹھ کر کب اقرار کر سکتی تھی کہ وہ میرے دل کے بند دروازوں کے کواڑ توڑ کر اندر پہنچ گیا تھا۔ "میں کچھ نہیں کہہ سکتی......"

"شرما رہی ہو یا...... میں اسے انکار سمجھوں؟"

"شرما رہی ہوں......" میرے کان بھی گرم ہو گئے تھے...... وہ زور سے قہقہہ لگا کر ہنسا، میں اس کے

انداز سے اور بھی شرما گئی۔

''اگر مجھ میں کوئی کمی ہوگی تو بھی مجھے قبول کرلو گی تم؟'' اس کے کہنے پر میں نے چونک کر اسے دیکھا، بظاہر تو مجھے اس میں کوئی کمی نہیں لگ رہی تھی...... کوئی ایسا عیب بھی نہیں نظر آ رہا تھا، اس کے گھنگرالے بال، سرخ و سفید چہرہ، موتیوں جیسے لڑی میں پروئے ہوئے دانت اور ان سب پر وہ مسکراتی ہوئی شربتی آنکھیں......

''کیسی کمی؟'' میں نے سوال کیا۔

''پہلی ملاقات کا لطف خراب نہیں کرنا چاہتا......'' کھانا آ گیا تھا۔ ''اگلی بار ملوں گا تو بتاؤں گا، میں نے تمہارے والدین سے کہا ہے کہ میں پہلے تمہیں جاننا چاہوں گا اور چاہوں گا کہ تم بھی میرے بارے میں بہت کچھ جان لو اس کے بعد ہم اس سے آگے بڑھیں گے۔''

کھانا کھاتے ہوئے بھی میں کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہی تھی، مہذب انداز، دلچسپ باتیں...... میں یادوں کے ذخیرے میں کئی موتی سمیٹ کر لے آئی تھی، رات بستر پر لیٹی تو وہ سب موتی جیسے میری مٹھیوں میں تھے اور میں خود کو دنیا کی امیر ترین لڑکی سمجھ رہی تھی۔ چند ملاقاتوں کے بعد اس نے انکشاف کیا کہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے...... آٹھ سال سے وہ ایک ناپسندیدہ رشتے کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھا، خود سے پانچ سال بڑی...... اپنی ایک کزن کے ساتھ...... خاندان کی روایات اور مجبوریوں کا طوق پہنے ہوئے...... میرا وجود زلزلوں کی زد میں آ گیا تھا، کتنا بڑا جھوٹ اور کس قدر بڑا دھوکا میرے ساتھ ہونے جا رہا تھا۔

''مجبوری کے رشتوں میں چار بچے بھی ہو جاتے ہیں عمر؟'' میرے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔ ''جو بات آپ کو مجھے پہلی ملاقات میں بتانا چاہیے تھی وہ آپ مجھے اب بتا رہے ہیں؟'' میں پھوٹ، پھوٹ کر رو دی...... میرے ہاتھوں سے سارے خواب چھوٹ کر زمیں بوس ہو گئے تھے، ان کی کرچیاں میرے سارے وجود کو زخمی کر رہی تھیں۔

''میں عمر بھر اسی رشتے کا طوق گلے میں ڈال کر رہتا...... کبھی کسی اور کی خواہش بھی نہ کرتا نیل...... مگر تم پہلی نظر میں دھڑ دھڑاتی ہوئی میرے دل میں داخل ہو گئی ہو، تم نے مجھے تسخیر کر لیا ہے، تمہارے ساتھ کی خواہش زندگی کی ہر خواہش پر حاوی ہو گئی ہے...... اتنا جانتا ہوں کہ تم نہ ملیں تو تمہیں کسی اور کا ہوتا ہوا بھی نہ دیکھ پاؤں گا اور نہ ہی تمہارے بنا جی پاؤں گا...... دل لگی نہیں چاہتا، تم سے شرعی رشتہ قائم کرنا چاہتا ہوں...... اماں کو انکار ہے نہ ملیحہ کو......'' تو گویا ملیحہ نام تھا اس کا...... ''ایک بات سن لو دھیان سے نیل، تم انکار کرو گی تو میری زندگی کا مقصد ختم ہو جائے گا...... تم کسی اور کی ہونا چاہو گی تو ایسا بھی نہیں ہونے دوں گا، دھمکی نہیں دے رہا، حقیقت بتا رہا ہوں تمہیں...... ہاں ایسی ہی محبت ہو گئی ہے تم سے اور اتنی ہی شدت سے چاہت ہے تمہاری۔'' اس نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا...... اس میں سے ایک سیاہ مخملیں ڈبیا نکالی، اسے اپنی ہتھیلی پر رکھا، اسے کھولا، اس میں سے نکلنے والی انگوٹھی کے ہیرے کی چمک پر میری نظر مرکوز ہوئی، اس کی چمک سے میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔

اس نے دوبارہ جیب میں ہاتھ ڈالا، باہر نکالا مگر اس ہاتھ کو اپنی گود میں رکھ لیا...... ''نیل! جتنا میں تمہیں چاہتا ہوں، اگر تم مجھے اس سے کم بھی چاہتی ہو مگر میرا ساتھ قبول کرنے کو تیار ہو تو میرے نام کی یہ انگوٹھی پہن لو...... اگر تمہیں مجھ سے پیار نہیں، تم میری محبت کی پزیرائی نہیں کر سکتیں تو یہ لو اور اپنے ہاتھوں سے ہاں اپنے ہاتھوں سے مجھے ختم کر دو......'' اس نے اپنا دوسرا ہاتھ گود سے اٹھا کر میز پر رکھا، اس کی اس ہتھیلی پر سیاہ چمکدار چھوٹا سا ریوالوار تھا، مجھے اپنی چیخ پر اختیار نہ رہا...... ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے کئی لوگوں کی نظریں ہم پر جم گئی تھیں۔

(باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ)

میری جگہ کوئی اورلڑکی بھی ہوتی تو عمر کی ہتھیلی پر رکھی ہوئی انگوٹھی اور ریوالور میں سے ریوالور نہ اٹھاتی...... میں عمر کی محبت کی شدت سے متاثر صرف متاثر ہی نہیں ہوئی بلکہ ڈر گئی تھی، ان کی اتنے دھڑلے اور دھونس کی محبت کا اور بھلا کیا نتیجہ نکل سکتا تھا...... مجھے عمر کے جذبوں کی سچائی کو ماننا پڑا...... اس کے بعد کا مرحلہ سب سے اہم تھا یعنی اس بات کا انکشاف میرے پاپا اور مما کے سامنے کرنا اور انہیں منانا۔ عمر کو اپنے

جذبوں کی صداقت پر یقین تھا اور وہ کہتے تھے کہ میری رضا کو اپنی رضا میں شامل کرنا ان کے لیے مشکل ترین مرحلہ تھا، میرے ماں باپ کو وہ اسی طرح منالیں گے جس طرح وہ اپنی اماں سے بحث و تمحیص کر کے انہیں منا چکے تھے...... جانے کہاں، کہاں سے رابطے ڈھونڈ نکال کر انہوں نے میرے پاپا کو کہلوایا اور اپنے لیے بات کرنے کی راہ ہموار کی۔

کاروباری حلقوں میں اگر پاپا کا بڑا نام تھا تو عمر بھی کچھ کم نہ تھے، وہ تو چیمبر آف کامرس کے صدر بھی تھے اور اتنی سی عمر میں ان کی کامیابیاں کاروباری حلقوں میں بہت رشک سے دیکھی جاتی تھیں۔ عمر نے اپنے انہی دوستوں اور کاروباری حلقوں کے روابط کو استعمال کیا تھا اور پاپا تک اپنا مسئلہ ان دوستوں کے ذریعے پہنچایا تھا۔ پاپا کے دل میں یہ خیال تھا کہ شاید وہ مجھ پر ظلم کر رہے ہیں مگر میرا عندیہ دریافت کیا تو میں نے اپنی رضامندی دے کر ان کے سر سے ایک بڑا بوجھ اتار دیا تھا۔ یہ شہر کی ایک بڑی کاروباری شادی تھی۔ دو بڑے بزنس ٹائیکون آپس میں نئے رشتے میں بندھ رہے تھے، برسوں تک لوگوں نے اس شادی کو یاد رکھا تھا، سسرال میں بھی مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا۔

عمر سے میری بات طے ہونے اور ہماری شادی کے درمیان بہت تھوڑا عرصہ تھا، میری رخصتی سے پہلے ہی عمر نے اماں کے کہنے پر ملیحہ کو فارغ کر دیا تھا، انہوں نے عمر سے کہا تھا کہ ملیحہ اس گھر میں یوں بھی فالتو سامان کی طرح پڑی رہتی تھی، عمر کی نئی شادی کے بعد اس کی حیثیت اور بھی کم تر ہو جاتی، عمر شرعی طور پر دو شادیاں تو کر سکتے تھے مگر دل کے ہاتھوں مجبور تھے کہ دو بیویوں کے ساتھ ایک سا سلوک روا نہیں رکھ سکتے تھے...... اس ناانصافی کے لیے انہیں اللہ کے روبرو جواب دہ ہونا ہوگا اس لیے بہتر ہے کہ ملیحہ کو اس کی زندگی اپنے ڈھب سے جینے کا اختیار دیا جائے۔ ماں تھی ناں...... قطعی نہیں چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا آخرت میں بھی اپنے کسی کیے کے ہاتھوں خدا کے حضور شرمندہ کھڑا ہو۔ ہماری شادی کے چند ماہ کے بعد ملیحہ کی اپنے خاندان میں ہی ایک امیر رنڈوے سے شادی ہو گئی تھی، بچے پہلے ہر ہفتے ماں سے ملنے جاتے تھے مگر آہستہ، آہستہ اس میں وقفہ بڑھنے لگا تھا، ہفتے، مہینے میں اور مہینہ کئی مہینوں میں بدل گیا۔

شادی کی پہلی رات ہی عمر نے اپنی وارفتگیوں کے اظہار کے ساتھ مجھے بتا دیا تھا کہ مجھے ان کی ہم سفر اور ہمنوا بن کر رہنا ہے اور مزید بچوں کی خواہش نہیں کرنی، ان کے ملیحہ سے چار بچے تھے اور اسی گھر میں رہتے تھے، بڑی بیٹی ہادیہ جسے سب بیلی کہتے تھے اور اس کے بعد تین بیٹے...... سکندر، حاشر اور خضر تھے، خضر سب سے چھوٹا بھی ہماری شادی کے وقت پانچ برس کا تھا، مزید بچوں کی انہیں خواہش نہ تھی۔ اس وقت تو میں بھی عمر کے اس حصے میں تھی کہ ایک پیار کرنے والا جیون ساتھی پا کر یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ دنیا میرے قدموں میں ڈھیر ہو گئی...... اس لیے عمر کا مطالبہ مجھے نہ اتنا اہم لگا اور نہ ہی بے جا۔

محبت کا نشہ سر چڑھ کر بول رہا تھا، عمر نے کوئی خواہش میرے منہ سے نکلنے دی نہ دل میں پنپنے، اس سے پہلے ہی سب کچھ میرے قدموں میں ڈھیر کر دیتے تھے، کوئی عورت اور کیا خواہش کر سکتی ہے...... انہیں محبت کے سارے ڈھنگ آتے تھے۔ جو مجھ سے کوئی پوچھتا کہ میری کوئی ادھوری خواہش تو میرے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوتا، دنیا کی کون سی خوب صورت جگہ ہے جہاں عمر مجھے لے کر نہیں گئے...... رانیہ کے بیٹے مصطفیٰ کی پھیپھڑوں کی سرجری تھی تو وہ مجھے اپنے ساتھ کینیڈا لے کر گئے، جب تک رانیہ اسپتال میں رہی ہم دونوں ایک ہوٹل میں رہے، دن بھر میں رانیہ کے ساتھ وقت گزارتی اور رات کو ہم واپس لوٹ آتے...... مصطفیٰ اسپتال سے فارغ ہوا تو ہم سیر و تفریح کے لیے نکلے اور کئی ملکوں سے گھومتے گھامتے واپس وطن لوٹے تھے۔

میری بہنوں کی شادیوں پر عمر نے بڑے بھائی کی کمی پوری کر دی، پاپا کے ساتھ وہ ہر کام میں پیش پیش ہوتے بلکہ پاپا کو آرام کرنے کا کہتے اور خود کام کرتے۔ مما اور پاپا کو اپنے فیصلے پر اگر کوئی کسک تھی بھی تو عمر کے رویے نے انہیں سب کچھ بھلا دیا۔ میں خوش تھی، عمر میری خوشی کا خیال کرتے تھے تو بدلے میں مجھے ان کا، ان کی اماں کا اور ان کے بچوں کا خیال رکھنا تھا۔ بچوں سے میری دوستی ہو گئی تھی، عمر نے ہماری شادی سے قبل اپنے بچوں کو بھی اعتماد میں لیا تھا...... عمروں میں کم مگر ماں باپ کے حالات کی وجہ سے وقت نے انہیں پہلے ہی سمجھدار بنا دیا تھا اور میں نے بھی ان سے کبھی سوتیلی ماں کی طرح برتاؤ نہیں کیا تھا بلکہ مجھے ان پر ترس آتا تھا کہ ماں اور باپ دونوں نے دوسری، دوسری شادی کر لی تھی، انہیں پیار کی ضرورت تھی۔ میں ماں نہیں بنی تھی مگر میرے اندر مامتا تو تھی سو میں ان پر لٹاتی۔

میری ساس بھی مجھ سے خوش تھیں۔ ساس، بہو کے مسائل وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں غالباً مالی مسائل ہوتے ہوں گے، اس گھر میں ہر چیز وافر تھی اس لیے کسی کو کسی سے بغض تھا نہ اختلاف۔ ہاں گھر میں اگر ملیحہ بھی ہوتی تو چاہے وہ گھر میں کسی فالتو چیز کی طرح پڑی ہوتی مگر اس کا وجود غالباً مجھے مانند خار کھٹکتا رہتا کہ بچوں کی ماں ہونے کی حیثیت سے اس کی اہمیت تو بہر طور قائم رہتی اور بچوں کی زندگیوں کے بارے میں فیصلے کرتے وقت اس کی رائے کو اہمیت دی جاتی۔ عمر نے زندگی کو بہت اعتدال میں رکھا تھا، ماں کی رضا سے خاندان میں شادی کر کے اولاد بھی پیدا کر لی تھی اور بعد میں ان کی رضا حاصل کر کے مجھ سے شادی کر لی تھی جس سے ان کے اپنے دل کی مراد بھی پوری ہو گئی تھی اور ان کے بچوں کو ایک پڑھی لکھی ماں مل گئی تھی۔

مما ان دنوں صدف کی اچانک طے پا جانے والی شادی کے لیے پریشان ہو رہی تھیں تو میں ان کی مدد کے خیال سے وہاں چلی گئی۔ تانیہ خالہ بھی ملتان سے آئی ہوئی تھیں، میری اور خالہ کی عمروں میں چند ایک سال کا تفاوت ہی تھا، مما سب سے بڑی بہن تھیں پھر چار بھائیوں کے بعد تانیہ خالہ اس وقت پیدا ہوئیں جب مما جوان ہو چکی تھیں اور ان کی شادی کی تاریخ بھی طے ہو چکی تھی...... مما نے تانیہ خالہ کو اس طرح پیار دیا اور پالا تھا جیسے وہ ان کی بیٹی ہوں۔ خالہ اور میں نے مل کر صدف کی شادی کی تیاری کے سلسلے میں مما کی مدد کی تھی۔ پاپا کاروباری سلسلے میں ملتان گئے تھے تو واپسی پر خالہ کو لے آئے تھے...... مما کے لیے کام ڈھیروں کام تھا، رانیہ پاکستان نہیں آ سکتی تھی، صدف اپنے ویزے کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہی تھی اور فاطش اپنی پڑھائی میں مصروف......

پڑھائی میں مصروف فاطش کی کتابوں اور کاپیوں کے بیچ ...سارا دن اس کے موبائل پر ٹنگ، ٹنگ کی آواز آتی رہتی، میں نے اس سے پوچھا بھی مگر اس نے سنی ان سنی کر دی۔ ہم نے تو اپنی زندگی ماں باپ سے ڈر کر، ان کے احترام میں اور ان کی عزت کا پاس کرنے میں گزاری تھی مگر اب یہ موبائل ٹیلی فون جانے کس طرح کا روگ ہے جو ہماری پوری نسل کو برباد کر رہا ہے۔

''اپنی دوستوں سے پڑھائی کے سلسلے میں ہی دن بھر کچھ نہ کچھ پوچھنا پڑتا ہے یار، تم کیوں پریشان ہوتی ہو......'' اس نے مجھے بہلا دیا مگر میں اس کے بدلتے انداز دیکھ رہی تھی۔ میری اور رانیہ کی شادیوں کی نسبت، صدف کی شادی تو بالکل سادگی سے ہوئی تھی، اس کا لندن میں داخلہ ہو گیا تھا جہاں مما بالخصوص اسے تنہا نہیں بھیجنا چاہتی تھیں، احمد سے اس کی منگنی تو بہت سال پہلے ہو چکی تھی، دونوں کزن ہی نہیں، کلاس فیلو بھی تھے سو فوراً نکاح اور رخصتی کا پلان بنا اور نکاح کی تقریب کے تین دن کے بعد وہ دونوں لندن روانہ ہوئے۔ میں نے اس دوران فاطش کا عجیب و غریب سا رویہ دیکھا، پاپا کے ساتھ، مما کے ساتھ اور خالہ کے ساتھ بھی۔

خالہ اپنا گھر بار چھوڑ چھاڑ کر مما کی مدد کے خیال سے اپنا سب کچھ بھلا کر ہمارے ہاں اٹھ آئی تھیں اور

فاطش ان سے اتنی بدمزاجی سے بات کرتی تو مجھے دل سے دکھ محسوس ہوتا، وہ کیا سوچتی ہوں گی، مجھے خیال آتا مگر فاطش کی کڑوی کسیلی باتوں کے جواب میں خالہ کے ماتھے پر بل بھی نہ آتا۔ خالہ کو تو اللہ نے اولاد کی نعمت سے بھی محروم رکھا تھا...... ان کا دکھ کون سمجھ سکتا تھا، میں اب خود بھی اپنی اس محرومی کو بہت بری طرح محسوس کرتی تھی، اس لیے میں خالہ کی دلی کیفیت کو محسوس کر سکتی تھی۔

صدف اور احمد کے نکاح کے اگلے روز ہی عمر نے مما، پاپا اور احمد کے گھر والوں کی ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں شاندار دعوت کی تھی۔ میرے خاندان کے سب لوگ عمر کی عادات اور اخلاق کے گرویدہ تھے، ان میں صلاحیت بھی تھی دوسروں کے دل جیتنے کی...... میرا دل بھی تو انہوں نے اسی طرح جیتا تھا۔ کھانے کے دوران فاطش میرے ساتھ ہی بیٹھی تھی، وہاں بھی میز کے نیچے اس کا موبائل فون اس کے ہاتھ میں تھا اور اس پر مسلسل ٹک، ٹک ہو رہی تھی۔ "مما سے بات کرنی پڑے گی، یقیناً فاطش بھی کسی چکر میں مبتلا ہو گئی ہے، یونیورسٹی میں پڑھتی ہے، ممکن ہے کہ کسی لڑکے کے جال میں پھنس گئی ہو۔" مجھ میں اور اس میں عمروں کے تفاوت کے باعث ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کے برابر تھی کیونکہ میں سب سے بڑی اور وہ سب سے چھوٹی...... صدف کو لندن چلے جانا تھا۔ "جانے کون فاطش سے باز پرس کر سکتا ہے۔ مما!" میں نے سوچا۔ "ہاں...... مما کو بتانا پڑے گا کہ انہیں فاطش پر نظر رکھنی چاہیے، اس کی سرگرمیوں پر اور اس کے فون کے استعمال پر بھی۔"

☆☆☆

"رانیہ آپی!" پیغام کی ٹون بجی تو میں نے فون آن کیا، صدف کا پیغام تھا۔ "جاگ رہی ہیں؟" عابد نے اگلے ہی دن میری سم اپنے ایک پرانے فون سیٹ میں ڈال دی تھی مگر پہلا فون دھل جانے کے باعث مجھے سارے فون نمبرز ایک، ایک کر کے اس میں محفوظ کرنا تھے یا پھر وقت ملتا تو کمپیوٹر سے اس میں سارا ڈیٹا منتقل کرتی، پہلے مرحلے میں، میں نے گھر والوں کے فون نمبر اس میں ڈالے اور باقی کام میں نے کسی اور وقت کے لیے چھوڑ دیا۔

"تمہارے تو رات کے دو بجے ہیں، تم کیوں جاگ رہی ہو ابھی تک......؟" میں نے بستر چھوڑتے ہوئے سوال لکھا۔

"بس پریشانی میں نیند ہی نہیں آئی آپی......"

"خیریت ہے میری جان؟" میں گھبرا گئی۔ "سب ٹھیک تو ہے ناں، احمد ٹھیک ہے؟"

"میں اور احمد تو ٹھیک ہیں آپی، مما کی طرف سے پریشانی ہے......" اس نے کہا تو میں نے گہری سانس لی۔

"ہم م م......" میں نے کچھ سوچ کر پیغام ٹائپ کیا۔ "کیا ہوا مما کو؟"

"مما نے ایک عجیب سی بات کی ہے آپی!" اس نے جواب دیا۔ "ممکن ہے کہ انہوں نے آپ سے بھی وہ بات کی ہو، اگر نہیں بھی کی تو بھی مجھے سب سے پہلے خیال آیا کہ میں آپ سے بات کروں......"

"کیا عجیب بات کی ہے مما نے؟" تو گویا جو کچھ مما نے مجھ سے کہا تھا وہ صدف سے بھی کہا تھا، اس کا مطلب ہے کہ یہ مذاق نہیں ہو سکتا...... مگر پھر بھی میں صدف سے پوچھ کر تصدیق کرنا چاہ رہی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مما نے اسے کوئی اور پیغام بھیجا ہو۔

"مما نے......" وہ کچھ کہتے، کہتے رکی۔ "عابد بھائی کہاں ہیں؟"

"عابد چلے گئے ہیں اور میں بھی تھوڑی دیر میں نکلنے والی ہوں......"

"کوئی اور تو پاس نہیں آپ کے...... فون کا اسپیکر تو آن نہیں؟"

"بے فکر ہو کر بات کرو صدف، کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"مما نے میرے ساتھ بات کی تھی کل اسکائپ پر...... اچانک کہنے لگیں کہ انہوں نے پاپا سے خلع لینے کا فیصلہ کر لیا ہے......" بات کرتے ہی وہ دھواں دار

رونے لگی جبکہ میرے خاموش ٹوٹے آنسوؤں کی صورت میرے گالوں پر پھسل رہے تھے۔

"آیا تھا مجھے بھی مما کا پیغام......" میں نے آنسو ہاتھ کی پشت سے مسل کر صاف کیے، برش پر ٹوتھ پیسٹ لگایا۔ "میں دفتر پہنچ کر تم سے بات کروں گی جب تمہارے صبح کے سات بجیں گے، تم یونیورسٹی نہیں جا رہی ہو کیا؟"

"ہاں مجھے جانا ہے، اس وقت میں ٹیوب میں ہوں گی......" اس کا جواب آیا۔ "مگر میں کوئی بہانہ کر کے آج احمد سے فون لے جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے اب تم سونے کی کوشش کرو، مجھے بھی تیار ہونا ہے......" میں نے کہا۔ "لو یو میری جان!"

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے آپی، نیند بھی نہیں آ رہی۔" وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"احمد کہاں ہے؟" میں نے پوچھا، حیران تھی کہ وہ کس طرح بات کر رہی ہے، کیا وہ احمد کے سامنے ہی بات کر رہی تھی۔

"احمد کی آج رات کی ڈیوٹی ہے، صبح چار بجے آ جائے گا۔"

"درود شریف پڑھو اور کوشش کرو تو نیند آ جائے گی۔" میں نے کہہ کر فون بند کیا اور ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے آئینہ دیکھنے لگی۔ 'آخر ایسا کیوں کہا مما نے؟' میں نے دل میں سوچا۔ 'اس وقت تو شام ہو گی وہاں اور پاپا بھی گھر پر ہوں گے، کیا انہیں فون کر کے پوچھوں...... نہیں، شام کو کروں گی جب ان کی صبح ہو گی۔'

"مجھے واپسی پر نہ لینے آئیے گا عابد، مجھے کسی کولیگ کے ساتھ کافی پر جانا ہے، وہی مجھے گھر پر چھوڑ دے گی۔" میں نے عابد کو پیغام بھیجا۔

"تم وقت بتا دو اور کہاں سے لینا ہے، میں تمہیں لے لوں گا، کسی اور کو کیوں زحمت دیتی ہو۔" ان کا جواب آیا۔

"نہیں، آپ مصطفیٰ کو لے کر پھر گھر پر ہی رہیں، اسے سردی میں بار، بار باہر نہ نکالیں۔" میں نے گھر لاک کر کے باہر نکلتے ہوئے پیغام بھیجا۔ میں نے سوچا تھا کہ کہیں باہر سے مما کو کال کروں گی جس وقت پاپا گھر پر نہ ہوں...... فاصلوں اور اوقات کے فرق نے ایک مسئلے پر بات کرنے کو بھی مشکل بنا دیا تھا۔

اپنے دفتر پہنچ کر فون کی گھنٹی کی آواز بند کی تا کہ معمول کے دفتر کے کام کا آغاز کر سکوں، فون بیگ میں رکھا تھا، گیارہ بجے کافی کا وقفہ ہوا تو مجھے فون کا خیال آیا کہ مجھے تو صدف کو فون کرنا تھا، فون باہر نکالا تو اس پر نیلم کی کئی مسڈ کالیں تھیں اور فاطش کا پیغام...... "آپی آپ سے کس وقت بات کی جا سکتی ہے؟" تو گویا معاملہ بہت سنجیدہ تھا، میں نے مما سے جلد ہی بات کرنے کا سوچا اور پہلے صدف کا نمبر ملانے لگی، کئی بار گھنٹی بجتی رہی مگر اس نے فون نہ اٹھایا، میں نے وقت دیکھا، اس وقت تو یقیناً وہ اپنی کلاس میں ہو گی...... بعد میں کال کرنے کا سوچ کر میں کافی ختم کر کے اپنے کام پر لگ گئی۔

☆☆☆

"عمر مجھے مما کی طرف جانا تھا......" میں نے آہستگی سے کہا۔

"خیریت؟" انہوں نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"خیریت ہی ہے......" میں مسکرائی، اس مسکراہٹ نے کتنے ہی آنسوؤں کو اپنے قدموں تلے روندا تھا۔ "مما اداس ہو رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ میں چکر لگا لوں ان کی طرف۔"

"ان کے یہاں آنے پر پابندی تو نہیں...... میں انہیں واپسی پر لیتا ہوا آؤں گا۔" چائے کا کپ رکھ کر انہوں نے کہا۔

"نہیں، نہیں......" میں نے فوراً کہا۔ "وہ نہیں آئیں گی۔" ان کے یہاں آنے پر کوئی پابندی تھی نہ انہیں آنے پر کوئی اعتراض ہوتا، عمر جاتے تو وہ انہیں انکار بھی نہ کرتیں...... مگر مسئلہ یہ تھا کہ نہ تو مما نے کال کر کے مجھے آنے کو کہا تھا اور نہ ہی ان کے میرے گھر آنے پر میں ان کے ساتھ کھل کر اس مسئلے پر بات کر سکتی تھی۔

’’تمہیں معلوم ہے ناں کہ کل ناہید آرہی ہے؟‘‘ عمر نے سوال کیا۔

’’ہاں ...... بتایا تھا اماں نے مجھے...... اسی لیے سوچ رہی ہوں کہ جا کر مما کو مل آؤں کہ اس کے بعد چند دن تک نکلنا مشکل ہوگا۔‘‘

’’چلو پھر فوراً تیار ہو جاؤ تو میں تمہیں چھوڑتا ہوا چلا جاتا ہوں۔‘‘

’’آپ کو دیر ہو جائے گی، میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی اور مجھے ابھی اماں سے اجازت بھی لینی ہے۔‘‘

’’اماں سے میں بات کر لیتا ہوں اور ڈرائیور میرے ساتھ جا رہا ہے اس لیے تم تیار ہو جاؤ جلدی سے۔‘‘ عمر کے اصرار پر مجھے کوئی بہانہ نہیں سوجھ رہا تھا۔ ’’میری بھی ملاقات ہو جائے گی انکل اور آنٹی سے، آخر وہ میرے لیے بھی تو اداس ہوں گی ناں۔‘‘ میرے پاس کوئی راہِ فرار نہ تھی سو تیار ہونے چل دی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی مجھے یاد آیا کہ چند روز قبل اماں نے مجھ سے کہا تھا کہ ناہید کے بیٹے نبیل کے متعلق عمر سے بات کروں، مجھے یہ وقت اور موقع مناسب لگا......

’’عمر آپ کو علم ہے کہ ناہید آپی کیوں آرہی ہیں؟‘‘ میں نے انگریزی میں سوال کیا کیونکہ عقبی نشست پر ڈرائیور بھی بیٹھا تھا۔

’’ہاں...... نبیل کی شادی کرنے کے لیے آرہی ہوں گی!‘‘ عمر کا لہجہ اور انداز دونوں سرسری تھے۔

’’اماں نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کی خواہش تھی کہ ناہید آپی نبیل کے لیے بیلی کا رشتہ لیتیں؟‘‘ میری بات ختم ہوتے ہی عمر نے سر گھما کر میری طرف دیکھا، ان کے چہرے پر تناؤ تھا۔

’’تم میری محبت، میری چاہت اور میری من پسند بیوی سہی مگر مجھے اچھا نہیں لگا کہ اماں نے تم سے اس مسئلے پر بات کی اور تمہیں بتایا کہ......‘‘ میرے دل پر گھونسا سا لگا۔

’’کیوں؟ اس میں کیا قباحت ہے......؟ کیا میں اس گھر کی فرد نہیں یا میں اس قابل نہیں کہ مجھ سے آپ اپنے بچوں کے بارے میں بات کریں...... اتنے سال سے میرا اور آپ کا ساتھ ہے، کیا میرے کسی عمل سے آپ کو ایسا لگا کہ میں ان بچوں کو اپنے بچے نہیں سمجھتی؟‘‘ میرے آنسو تو اتر سے بہنے لگے۔

’’ایسی کوئی بات نہیں نیل پیاری......‘‘ عمر نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ’’مجھے اچھا نہیں لگتا کہ کسی کو یہ علم ہو کہ میں نے خود بول کر ناہید سے اپنی بیٹی کا رشتہ دینے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور خود میں نے اماں سے کہلوایا تھا۔ ناہید کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوا اور وہ خوشی، خوشی پاکستان آئی، ارادہ تھا کہ نبیل اور بیلی کی منگنی کر دیں گے، ہم دونوں بہن بھائی سارا پروگرام طے کر چکے تھے، منگنی کی تاریخ تک مقرر ہو چکی تھی...... اسی دوران وہ اپنے سسرال والوں سے ملنے کے لیے گئی اور وہاں جا کر اس کے بیٹے کو......‘‘

’’جانتی ہوں سب عمر......‘‘ میں نے انہیں ٹوکا۔ ’’اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ اگر آپ نے اپنی طرف سے خواہش کا اظہار کر دیا؟‘‘

’’بیٹیوں کے باپ اپنے منہ سے بھلا کب کہتے ہیں ایسی بات؟‘‘ عمر نے فوراً کہا۔

’’آپ کو معلوم ہے ناں عمر...... کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کو شادی کا پیغام حضرت خدیجہؓ نے خود بھجوایا تھا، وہ ان سے شادی کی خواہش مند تھیں، کہیں ایسا نہیں لکھا ہوا ہے کہ لڑکی کی طرف سے شادی کا پیغام نہیں دیا جا سکتا...... ایک رواج بن گیا ہے ہمارے ہاں مگر لڑکی والوں کی طرف سے شادی کی خواہش کا اظہار کرنا کوئی گناہ تو نہیں۔‘‘

’’اب گڑے مردے اکھاڑنے کا کیا فائدہ......‘‘ عمر نے بے دلی سے کہا۔ ’’اب تو وہ نبیل کی شادی کرنے کے لیے آرہی ہے سو آئے، کرے، اور واپس جائے...... اسے غالباً ہمارے گھر میں رہ کر ہی شادی کرنا پڑے گی کیونکہ اس کی سسرال کا گھر چھوٹا ہے اس کے علاوہ اس میں اس کی سسرال کے ڈھیروں لوگ

رہتے ہیں اور اس کا اپنا کوئی گھر یہاں نہیں ہے سو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میری بیٹی کے نصیب اس گھر میں نہ تھے تو کیا ہوا۔ اللہ نے اس کے لیے کچھ بہت اچھا رکھا ہوگا، تم اس کی ماں ہو دعا کیا کرو۔‘‘ عمر کے کہنے پر میرا سیروں خون بڑھ گیا تھا۔

’’کیا معلوم کہ ہماری بیٹی کے نصیب کتنے اچھے ہوں۔‘‘ میں نے مسکرا کر کہا۔ ’’کیا معلوم کہ اللہ کو آپ کی کون سی ادا پسند آگئی کہ اس نے آپ کی خواہش کو پورا کرنے کے اسباب پیدا کر دیے۔‘‘

’’میں سمجھا نہیں...... کیا اماں نے بیلی کے لیے کوئی رشتہ ڈھونڈا ہے جس کا مجھے علم نہیں؟‘‘

’’آپ کی خواہش تھی ناں کہ بیلی کا رشتہ نبیل سے ہو......‘‘ میں رکی۔ ’’تو اللہ نے آپ کی سن لی ہے اور ناہید آپی اسی لیے پاکستان آرہی ہیں کہ آپ کے سامنے بیلی کے لیے دوبارہ دستِ سوال دراز کریں۔‘‘ گاڑی کے ٹائر چرچرائے اور پوری قوت سے بریک لگا کر عمر نے گاڑی روکی۔

’’کیا کہا تم نے؟‘‘ عمر نے نہایت حیرت سے پوچھا۔

’’ہاں نبیل...... وہی کہا ہے میں نے جو آپ نے سنا ہے۔‘‘ میں نے آہستگی سے کہا۔ نبیل نے ڈرائیور کو گاڑی سے باہر نکلنے کو کہا، وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

’’آج کے بعد دوبارہ کبھی نہیں۔‘‘ انہوں نے اپنے ہاتھ کی انگلی اٹھا کر مجھے تنبیہ کی۔ ’’دوبارہ اس گھر میں اس موضوع پر کوئی اور بات نہ کرے...... ایسا مذاق مجھے بالکل پسند نہیں!‘‘

’’میں مذاق نہیں کر رہی عمر!‘‘ میں نے بہ مشکل تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

’’مذاق نہیں تو پھر بھی اس موضوع کو یہیں بند کر دو!‘‘ اس کے بعد انہوں نے اپنے لب سختی سے بھینچ لیے، گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی ڈرائیور سے اندر بیٹھنے کو کہا اور مجھے مما کے گھر کے گیٹ کے سامنے باہر ہی اتار کر چل دیے، میں بھی چاہتی تھی کہ وہ اس غصے کی

حالت میں اندر نہ آئیں۔

’’پاپا گھر پر نہیں ہیں کیا؟‘‘ میں نے گیٹ کھلنے پر پاپا کی گاڑی وہاں نہ پا کر چوکیدار سے پوچھا۔

’’وہ شہر سے باہر گئے ہیں بٹیا!‘‘

’’آج ہی گئے ہیں کیا؟‘‘ میں نے پوچھا۔

’’دو تین دن ہو گئے ہیں بیٹا!‘‘ میری اس روز مما سے بات ہی نہ ہوئی تھی نہ ہی مما نے بتایا تھا کہ پاپا گھر پر نہیں ہیں۔ گھر کے اندر داخل ہوئی تو مما لاؤنج میں اسود کو گود میں لیے بیٹھی تھیں۔

’’اسود سکول نہیں گیا مما؟‘‘ میں نے پوچھا۔ ’’طبیعت تو ٹھیک ہے اس کی؟‘‘

’’اسے بخار ہے بیٹا، فاطش کا کالج جانا بہت ضروری تھا، اس کا کوئی اہم لیکچر تھا، جلدی واپس آجائے گی۔‘‘ مما نے آہستہ سے کہا۔ ’’کیسی ہو تم، کیسے آنا ہوا یوں صبح سویرے؟‘‘

’’آپ ٹھیک ہیں مما، مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں؟‘‘ میں نے ان کے پاس بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

’’میرے ساتھ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے بیٹا، ٹھیک ہو بھی نہیں سکتا۔‘‘ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں...... میں نے انہیں ایسا کمزور اور بے بس کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

’’میں آپ سے ملنے کو بہت بے چین تھی مما، آپ کے فون نے میری نیندیں اڑا دیں ہیں مما...... ایسا کیا ہو گیا ہے اچانک آپ کی پُرسکون زندگی میں؟‘‘

’’میری زندگی تو طوفانوں کا مجموعہ ہے بیٹا، اس میں سکون نام کی کوئی چیز نہیں ہے، میں نے ہر طوفان کو اپنے وجود کی گہرائیوں میں ہمیشہ چھپا چھپا کر رکھا بیٹا مگر برداشت کا بھی ایک نکتۂ انتہا ہوتا ہے، پیمانہ حد سے زیادہ بھر جائے تو لبریز ہو کر چھلکنے لگتا ہے، میں نے بھی عمر بھر خود پر سب جھیلا اور برداشت کیا ہے مگر اب سوچا ہے کہ اپنی زندگی کو اپنے لیے جیوں، اس کے لیے مجھے تم سب کو اپنا فیصلہ بتانا پڑا، تم سب اب سمجھدار ہو، شادی شدہ ہو...... اب تم لوگ میری زندگی کے

معاملات کی نزاکت کو سمجھ سکو گی۔'' انہوں نے اپنا سر صوفے کی بیک سے لگا لیا اور خاموش ہو گئیں، میں نے انہیں کچھ نہ کہا، میں چاہتی تھی کہ وہ اپنا دل خود کھول کر میرے سامنے رکھیں۔

☆☆☆

لنچ بریک کے بعد میں نے دوبارہ نمبر ملایا تو صدف نے تیسری چوتھی گھنٹی پر فون اٹھا لیا، سلام کیا اور مجھے انتظار کرنے کو کہا، میں فون کے دوسری طرف ہونے والی کھڑ پڑ کو سن رہی تھی، وہ غالباً کلاس میں تھی، میں نے اسے استاد سے اجازت لیتے ہوئے بھی سنا اور پھر وہ کلاس سے باہر آ گئی۔

''آپ ٹھیک ہیں آپی؟'' اس نے سوال کیا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں، تم سناؤ!''

''آپی میں تو بہت پریشان ہوں، بالکل بھی ٹھیک نہیں ہوں ...... جانے کیا ہونے والا ہے، کیسا طوفان آنے والا ہے...... اس عمر میں...... شادی کے اتنے سالوں کے بعد اور ہم سب کی شادیاں کر کے ...... مما کو کیا ہو گیا ہے، میں تو سوچ رہی تھی کہ کہیں مما کی ذہنی حالت تو خراب نہیں ہو گئی؟'' وہ رو رہی تھی۔

''تم خود کو سنبھالو صدف میری جان! میں دو ایک دن میں فاطش سے بات کرتی ہوں اور پھر مما سے بھی، ٹیلی فون پر تو بات اسی طرح ہو سکتی ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''مگر مما نے ایسا سوچا کیونکر آپی؟'' اس کی سسکیاں نہیں رک رہی تھیں۔ ''آپ نیلم سے بات کریں اور اسے کہیں کہ وہ مما سے بات کرے جا کر، مما اس سے پیار بھی بہت کرتی ہیں۔''

''مجھے تو لگتا ہے کہ مما سب سے زیادہ تم سے پیار کرتی ہیں......'' میں نے ہنسنے کی ناکام کوشش کی۔ ''ہم سب سے مما اتنا ہی پیار کرتی ہیں پیاری کہ کس سے زیادہ اور کس سے کم کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔''

''پھر میں مما سے پوچھوں کہ کیوں ایسا فیصلہ کر رہی ہیں وہ؟'' صدف نے فوراً پوچھا۔ ''مگر میرے لیے احمد کے فون سے اتنی لمبی کال کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اسکائپ پر بات کا وقت بھی عموماً تنہائی میں نہیں ملتا۔''

''تم خود کو پریشان نہ کرو میری جان، تمہارا آخری سمسٹر ہے اور تمہاری چار سال کی محنت ضائع جائے گی جو تم نے خود کو دماغی طور پر پُرسکون نہ کیا تو۔'' میں نے اسے سمجھایا، مجھے علم تھا کہ وہ امتیازی نمبروں سے ڈگری حاصل کرنے جا رہی تھی، فائنل سمسٹر میں اس طرح کی پریشانی اس کی کارکردگی کو متاثر کر سکتی تھی۔ میں نے اسے مطمئن کر کے فون بند کیا، کرسی کی پشت سے سر لگایا اور آنکھیں موند لیں، میرے آنسو میری آنکھوں کے گوشوں سے بہنے لگے، مما نے ایسا فیصلہ اب کیوں کرنے کا سوچا، انہیں تو یہ فیصلہ برسوں پہلے کر لینا چاہیے تھا، میری بند آنکھوں کے اندر فلم چلنے لگی...... میں غالباً سات آٹھ برس کی تھی، پاپا اور مما کی دوست راحیلہ آنٹی، ہمارے گھر کا ڈرائنگ روم، مما گھر پر نہ تھیں، جانے میں کیوں ڈرائنگ روم میں چلی گئی تھی، مجھے پاپا اور راحیلہ آنٹی کو دیکھ کر کچھ عجیب سا لگا چاہے اصل صورتِ حال کی سمجھ نہ آئی تھی، انہوں نے مجھے نہیں دیکھا تھا...... مگر مجھے میری چھٹی حس نے یہ ضرور بتا دیا کہ کچھ غلط ہو رہا تھا۔ راحیلہ آنٹی، مما کی انتہائی قریبی سہیلی تھیں اور بہت عرصے سے تھیں، ان کا ایسے وقت میں ہمارے گھر آنا جس وقت مما گھر پر نہیں ہوتی تھیں، وہی عجیب تھا اور وہ بھی اکیلے۔

''مما...... مجھے راحیلہ آنٹی بہت گندی لگتی ہیں۔'' میں نے اپنی معصومیت میں مما سے کہا تھا۔

''وہ تو میری بہت پیاری دوست ہے چندا...... ہم بچپن سے بہنوں کی طرح ساتھ رہی ہیں، اسکول، کالج اور پھر اب تک ہماری دوستی قائم ہے ...... ہماری شادیاں ہوئیں تو ہم ایک دوسرے سے جیسے بچھڑ گئیں مگر بعد میں جب انکل ثقلین کی آپ کے پاپا سے دوستی ہو گئی تو اب تو ہمارا یہ دوستی کا رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا ہے۔''

''نہیں مما......'' میں مصر تھی۔ ''وہ اچھی نہیں ہیں پلیز!''

''اچھا چلیں اگر وہ میری بیٹی کو اچھی نہیں لگتیں تو میں اپنی بیٹی کو ان سے ملنے پر مجبور نہیں کروں گی۔'' مما نے مجھے بہلایا۔ ''مگر وہ میری بیٹی کو اچھی کیوں نہیں لگتیں؟'' انہوں نے میرا سر سہلا کر پوچھا۔

''نہیں مما...... آپ ان کا اپنے گھر میں آنا بند کر دیں، وہ ہمارے گھر میں نہ آئیں۔'' میری آنکھوں سے مما کی شفقت کے باعث آنسو جاری ہو گئے، مجھے یقین تھا کہ جو کچھ ہو رہا تھا وہ میری مما کے علم میں نہ تھا۔

''یہ تو بڑی گستاخی کی بات کی ہے میری بیٹی نے...... میں تو آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی۔'' مما کے چہرے پر ناراضی ثبت تھی، میں اس ناراضی سے خوفزدہ رہتی تھی، وہ مجھ سے بات نہ کرتیں تو میرے دل کی دنیا اتھل پتھل ہو جاتی۔

''مما......'' میں نے ان کا ہاتھ تھام کر، انہیں وہ سب بتا دیا تھا جو میں نے دیکھا تھا، معصوم عمر تھی، میں ان معاملات کی نزاکتوں کو نہ سمجھتی تھی اس لیے میں نے کچھ نہ چھپایا تھا، ان کا چہرہ دھواں، دھواں ہو رہا تھا، میں خود ساری داستان سنا کر ان کا چہرہ دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔

''بس...... اب میری بیٹی نے مجھے تو بتا دیا ہے مگر کسی اور کو کچھ نہیں بتانا...... کسی کو بھی نہیں بیٹا!'' مما نے مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ ''میں آئندہ خیال رکھوں گی کہ راحیلہ آنٹی میرے گھر میں نہ آئیں۔'' مما نے میرے گال پر بوسہ دیا، میں نے ان کی آنکھوں میں چمکتے ہوئے ستارے دیکھے تھے۔ جانے بعد میں مما نے راحیلہ آنٹی سے کیا کہا ہو گا، ان کا ہمارے ہاں آنا جانا بند ہو گیا، مما بھی ان کے ہاں نہ جاتیں اور وہ ہر روز کی گھنٹوں لمبی کالیں بھی منقطع ہو گئیں، نہ صرف راحیلہ آنٹی کے ہاں...... مما نے تو گھر سے نکلنا ہی بند کر دیا، ان کا آنا جانا اپنی ویلفیئر تنظیم کے کاموں کے سلسلے میں ہوتا تھا مگر اس کے بعد انہوں نے جانا چھوڑ دیا اور تنظیم کے کاموں کو گھر سے ہی چلانے لگیں۔

''ارے بھئی کہاں گئیں وہ آپ کی سہیلی...... کیا نام تھا ان کا...... راحیلہ!'' پاپا نے ایک دن لاؤنج میں بیٹھے ہوئے مما سے بڑی بے نیازی سے پوچھا، میں اس وقت وہیں بیٹھی اپنا ہوم ورک کر رہی تھی۔

''میری یا آپ کی؟'' مما کے مختصر سوال نے پاپا کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔

''بچی کے سامنے کیسی بے ہودہ بات کر رہی ہیں آپ؟'' پاپا نے غصے سے مما سے کہا۔

''آپ نے جو کچھ بچی کے سامنے اس گھر کے ڈرائنگ روم میں کیا ہے، راحیلہ کے ساتھ...... وہ میری اس بات سے کہیں زیادہ بے ہودہ ہے......'' میں بے نیازی سے اپنا کام کر رہی تھی، ان کی گفتگو میں سن تو رہی تھی مگر ان کے مطالب سے کافی حد تک نا آشنا۔

''میں نے کچھ ایسا نہیں کیا، اسے کیا سمجھ ہے چھوٹی سی بچی ہی تو ہے، جانے کیا سمجھ بیٹھی، مجھے تو یاد بھی نہیں کہ میں کبھی راحیلہ کے ساتھ تنہا......'' پاپا کی زبان ان کے جھوٹ کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

''میں نے خود دیکھا تھا پاپا...... آپ اور آنٹی......'' میں نے پاپا کے سامنے نقشہ کھینچا تو ان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

''وہ اصل میں......'' وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔ ''اس کے پیٹ میں درد تھا......'' وہ بہانے گھڑ رہے تھے۔

''رانی آپ جاؤ بیٹا، اپنے کمرے میں جا کر کام کرو بہنوں کے ساتھ بیٹھ کر۔'' مما نے حکم دیا تو میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مگر مما میں نے آپ سے سوال سمجھنا تھے۔''

''میں تھوڑی دیر میں آ کر سمجھا دوں گی بیٹا!''

میں نے اپنی کتابیں کاپیاں سمیٹیں اور چل دی۔

''دانیال......'' مما کی آواز میں نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے سنی۔ ''کیوں کیا آپ نے ایسا؟'' ان کی سسکیاں مجھے سنائی دیں۔

''سوری جان......'' پاپا کی آواز سنائی دی، میں تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ پاپا نے یقیناً مما سے معافی مانگ لی تھی کیونکہ گھر کے

حالات اس کے بعد بالکل نارمل ہو گئے تھے، کبھی کوئی لڑائی جھگڑا ہوا نہ کوئی اور ناگوار واقعہ، کم از کم میرے سامنے نہیں، باقی بہنیں تو اس وقت کافی چھوٹی تھیں۔
اب میری یاد کے نہاں خانوں میں اس بھولے بھٹکے واقعے کی یاد تازہ ہو گئی تھی، میں اس منظر کو اب یاد کرتی ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ پاپا اور راحیلہ آنٹی کے بیچ کچھ بہت غلط تھا یا غالباً پہلی اور آخری بار ایسا ہوا ہوگا، مما کا ظرف بہت بڑا تھا جو پاپا کو معاف کر دیا۔ انہوں نے پاپا کو اس وقت معاف کر دیا تھا جو اُن کی جوانی کی عمر کی ایک بڑی غلطی تھی بلکہ بہت بڑا گناہ تھا...... تو اب پاپا نے اس سے برا کیا کر دیا ہے جو مما نے ان سے خلع لینے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ سوچ کی حدیں یہاں آ کر ختم ہو جاتی تھیں۔

☆☆☆

رانی آپی سے بات کر کے بھی دل کو سکون نہیں ملا تھا، بے چینی بڑھ گئی تھی، اتنی کہ رگوں میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ میں گھر پر اکیلی تھی، شاید سو گئی تھی، آنکھ کھلی تو میں اپنے گھر پر نہ تھی، عجیب سا کمرا تھا، سفیدٗ سفید اور مانوس سی خوشبو والا۔ میں کسی اسپتال میں تھی۔ 'کیا ہوا تھا مجھے؟' میں نے سوچا تو ساتھ ہی احمد کا چہرہ نظر آیا۔
"کیسی ہو میری جان؟"
"میں کہاں ہوں احمد؟" میں نے کہا تو مجھے لگا کہ میری آواز کسی کنویں سے آ رہی ہو۔
"تم اس وقت اسپتال میں ہو، میں گھر لوٹا تو تم گھر پر بے ہوش پڑی ہوئی تھیں، میں نے ایمرجنسی میں کال کر کے ایمبولینس منگوائی اور تمہیں یہاں لے آیا۔"
"میں بے ہوش کیوں ہو گئی تھی؟" حیرت سی حیرت تھی۔
"میں تو سمجھا کہ تم نے کچھ کھایا نہیں ہے مگر ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ تمہیں نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔" احمد میرا ہاتھ سہلا رہا تھا۔
"نروس بریک ڈاؤن؟" میں سوچ کر رہ گئی۔
"مگر... کیوں!"

"تم بے ہوشی میں کچھ بڑبڑا بھی رہی تھیں......"
"اچھا......" میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ "کیا؟"
"تم اپنی مما کو بہت یاد کر رہی تھیں......" احمد نے کہا۔ "میں سوچ رہا ہوں کہ تمہیں چند ہفتوں کے لیے پاکستان بھیج دوں، میں تو جا نہیں سکتا، بڑی مشکل سے اتنی اچھی ملازمت ملی ہے اور شام میں میری کلاسز ہوتی ہیں تو میں وقت نہیں نکال سکتا، تم جا کر چند ہفتے مما کے پاس رہ کر آ جاؤ، طبیعت بہتر ہو جائے گی اور اس کے بعد چونکہ ہم نے اپنی فیملی شروع کرنا ہے پھر تو تم کافی عرصے کے لیے نہیں جا سکو گی۔" شادی کے اتنے سالوں کے بعد بھی احمد کی اس بات پر میرے کان گرم ہو گئے تھے۔
"نہیں احمد، ابھی میں پاکستان جانا افورڈ نہیں کر سکتی، بہت اخراجات ہو جاتے ہیں۔" میں نے تاویل پیش کی۔ "اب تو ہمارے اپارٹمنٹ کی قسط بھی جایا کرے گی اور ہم نے تہیہ کیا ہے کہ اپنے والدین سے اب کوئی مدد نہیں لیں گے......"
"سب جانتا ہوں، میرے پاس کچھ بچت ہے جو تمہارے اکیلے پاکستان جانے کے لیے کافی ہے، تم بے فکر ہو کر جاؤ میری جان۔" احمد نے اصرار کیا تو میں خاموش ہو گئی۔
دل میں خیال بھی آیا کہ احمد کی امی یعنی میری پھپھو سوچیں گی کہ میں نے اپنے والدین سے ملنے کے لیے آنے میں خود غرضی دکھائی ہے۔ "پھر دونوں چلتے ہیں احمد!"
"ابھی نہیں ڈیئر!"
"میں آخری بار پاپا سے رقم منگوا لیتی ہوں احمد!"
"رقم منگوانا یا نہ منگوانا اہم نہیں...... ابھی میں اپنی نئی ملازمت سے چھٹی نہیں لے سکتا ورنہ مستقل چھٹی مل جائے گی...... ہزاروں، ایسی ملازمتوں کے انتظار میں فارغ بیٹھے ہیں، کسی اور کو رکھ لیں گے کمپنی والے......"
احمد کی اس دلیل کا جواب نہ تھا میرے پاس۔

اگلے روز مجھے کچھ سکون آور دوائیں دے کر اسپتال سے رخصت کر دیا گیا، ابھی تک مجھے سمجھ میں نہ آیا تھا کہ مجھے نروس بریک ڈاؤن کیوں ہوا تھا، میں احمد سے پوچھتی تو وہ ٹال جاتے تھے۔ کیا میں نے مما کی بات کا اتنا اثر لیا تھا یا کچھ اور ہوا تھا؟

☆☆☆

میری بہنوں کو مجھ سے اس بات کا گلہ ہے کہ میں ان سے اپنے دل کی باتیں شیئر نہیں کرتی، پر میں سوچتی ہوں وہ سب اپنے، اپنے گھروں میں خوش ہیں، انہیں میرے مسائل سے کیا غرض...... اور ان سے اگر کہہ دوں گی تو کیا میری تکالیف اور میرے مسائل، میری سوچیں ختم ہو جائیں گی؟
نیلم تو مجھ سے بارہا تقریباً لڑ چکی ہے کہ میں تانیہ خالہ کے ساتھ بہت برا رویّہ رکھتی ہوں ...... مگر کیا کروں، جس خالہ کو ہم نے اپنے گھر میں بہنوں کی طرح دیکھا اور سمجھا اب، وہی خالہ......؟ کیا کہے کوئی، ان کے بارے میں بات کرو تو اپنا پیٹ ہی ننگا ہوتا ہے۔ خالہ کے بارے میں بہت بچپن سے ہی میری یادیں ایسی خوشگوار نہیں ہیں حالانکہ خالہ سب بہنوں میں مجھ سے سب سے زیادہ پیار کرتی تھیں۔ کئی کئی دن ہمارے ہاں آ کر رہتیں، خالہ بہت خوب صورت اور تعلیم یافتہ تھیں مگر ان کی شادی جس خاندان میں ہوئی اس خاندان میں غالباً ان کے سوا کوئی اور خاتون پڑھی لکھی نہ تھی، مردوں میں بھی تعلیم کا رواج نہ تھا کہ اپنے خاندانی کاروبار تھے۔ خالو کا بھی منڈی میں آڑھت کا کام تھا، روپے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی اس لیے خالہ اچھا پہنتی اوڑھتی تھیں۔

پاپا کا ملتان میں آٹھ دس دن کا کام تھا، خالہ نے کال کر کے مما سے کہا کہ فاطش کو بھجوا دیں، میں اس وقت تیسری جماعت میں پڑھتی تھی غالباً...... پاپا کے ساتھ خوشی، خوشی چلی گئی۔ پاپا کو مجھے خالہ کے گھر چھوڑ کر ہوٹل میں قیام کے لیے جانا تھا مگر خالو اور ان کے والدین نے اصرار کیا کہ وہ بھی وہیں گھر پر رکیں تو پاپا

کو ''مجبوراً'' رکنا پڑا تھا، خالو صبح کے گئے رات کی خبر لاتے، خالہ کے ساس سسر جانے کیا کھا کر سوتے تھے کہ دن بھر سوئے رہتے، پاپا تیار ہو کر نکلتے، شاید کوئی کام کرنے جاتے ہوں گے مگر جلد ہی لوٹ آتے اور باقی دن گھر میں گزارتے، شام کو خالو کے آنے سے پہلے دوبارہ چلے جاتے اور رات گئے لوٹتے۔ میں صبح دیر تک سوتی تھی، اکثر میری آنکھ کھلتی تو اس وقت کمرے میں میرے علاوہ پاپا اور خالہ بھی ہوتے تھے، میری اس وقت سے متعلق کوئی اچھی یادیں نہیں تھیں، خالہ مجھے کچھ عجیب سی لگتیں، اپنے گھر میں بھی وہ اکثر اسی کمرے میں ہوتی تھیں جس میں میں اور پاپا سو رہے ہوتے تھے۔

ملتان سے واپسی پر خالہ ہمارے ساتھ جانے کو تیار تھیں، خالو سے انہوں نے اجازت طلب کی، خالو اس روز گھر پر ہی تھے......

''ابھی تو فاطش تمہارے پاس کچھ دن گزار کر جا رہی ہے، چند دن کے بعد میں خود تمہیں چھوڑ آؤں گا، ابھی اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے......'' خالو نے کہا تھا۔

''فاطش بہت اصرار کر رہی ہے......'' خالہ منمنائی تھیں۔ ''اماں کو تو مستقل کوئی نہ کوئی مرض رہتا ہے، ان کی وجہ سے کیا میں پابند ہو کر رہ جاؤں؟ ابھی تو دانیال بھائی آئے ہوئے ہیں، ان کے ساتھ چلی جاؤں گی، بعد میں......'' خالہ نے خاصا اصرار کیا تھا۔

''میں چلا جاؤں گا تمہارے ساتھ۔'' خالو نے پیش کش کی۔

''کہاں سے آئے گا ایسا دن جب آپ کو میرے ساتھ جانے کی فرصت ملے گی، آج تک تو سورج کسی ایسی سمت سے نکلا نہیں کہ ایک مختلف دن طلوع ہو۔'' خالہ نے طنز کے تیر چلائے، ساری گفتگو ہمارے سامنے ہو رہی تھی۔

''بھئی بھیج دیں ناں ہماری بیٹی کو ہمارے ساتھ۔'' پاپا کا کہا خالو ٹال نہ سکے۔ خالہ نے اپنا سامان پہلے سے ہی تیار کر رکھا تھا ''اجازت'' ملنے کی دیر تھی کہ ہم جانے کو تیار تھے، گھر سے نکلتے وقت میں گاڑی میں آگے پاپا کے ساتھ بیٹھی تھی اور خالہ پچھلی سیٹ پر تنہا...... شہر کی حدود سے نکلتے ہی پاپا نے گاڑی روکی اور خالہ سے آگے آنے کو کہا، خالہ نے گاڑی سے نکل کر مجھے باہر نکالا، خود پہلے بیٹھیں اور اس کے بعد کھڑکی کی طرف مجھے بٹھایا......

''میری بیٹی کھڑکی سے باہر دیکھے گی۔'' خالہ نے کہا تو مگر میرا تجسس مجھے بار، بار اندر دیکھنے پر مجبور کر دیتا، مجھے چاہے لاکھ برا لگ رہا تھا مگر میں کچھ کہہ نہ سکی۔ گھر سے تھوڑے فاصلے پر ہی پاپا نے گاڑی روکی اور خالہ واپس پچھلی سیٹ پر چلی گئیں۔

میں نے انہیں بارہا پاپا کے بہت قریب دیکھا، مما کے سامنے تو پاپا، خالہ کو اپنی بیٹیوں کی طرح کہتے تھے مگر نہیں...... کچھ ٹھیک نہیں ہو رہا تھا، میں چھوٹی سی بچی سہی مگر مما کے ساتھ دھوکا ہو رہا تھا یہ بات میں سمجھ رہی تھی۔ اپنے گھر میں اتنے دھڑلے سے وہ پاپا کے ساتھ...... مجھے بھی غالباً وہ دودھ میں کچھ ملا کر دیتی تھیں کہ جب میں جاگتی تھی تو میں اس طرح تازہ اور چاق و چوبند نہیں ہوتی تھی جیسی میں اپنے گھر میں ہوتی تھی۔ پاپا کی خالہ کے ساتھ ''شفقت'' مجھے عروج پر نظر آتی۔ ہمارے گھر میں بھی میں نے کئی مواقع پر انہیں غلط انداز میں دیکھا تھا۔

بڑی ہوئی تو دیکھا کہ اکثر ہی خالہ میکے آئی ہوتیں کیونکہ ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی تھی اس لیے وہ بچوں کی پڑھائی کی مجبوری میں بھی نہ بندھ سکی تھیں، دو ایک دن نانی کے پاس رہ کر وہ اپنے باقی ماندہ دن ہمارے ہاں گزارتیں۔ خالہ آجاتیں تو مما کے کئی رکے ہوئے کام شروع ہو جاتے، ان کے ہوتے ہوئے وہ اپنی دوستوں سے ملتیں، پارٹیاں اٹینڈ کرتیں، اپنے رفاہی کاموں کے منصوبوں کو وقت دیتیں، خریداری کرتیں، گھر کے کئی رکے ہوئے کام شروع ہو جاتے اور مما اتنی مصروف ہو جاتیں کہ سارا گھر تنہا خالہ کے کندھوں پر آن پڑتا۔ شروع شروع میں مجھے محسوس ہوتا کہ مما کو خالہ کو بھی وقت دینا چاہیے۔

ہم ساری بہنیں خالہ کے ساتھ مل کر خوب ہلا گلا کرتیں، پاپا بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جاتے، مما گھر پر ہوتیں تو اور بھی سماں بندھتا، میں نے اکثر کھیل اور ہلے گلے کے دوران پاپا اور خالہ کو زبانی اور عملی مذاق کرتے ہوئے پکڑا مگر کچھ کہہ نہ سکی، باقی کسی اور کو شک نہ ہوتا کیونکہ انہوں نے کبھی وہ نہ دیکھا تھا جو میں نے دیکھا تھا، اب وہ سب ایک دھندلی سی یاد کی طرح میرے ذہن کے نہاں خانوں میں تھا مگر میرا دل خالہ کی طرف سے کبھی صاف نہ ہوا تھا۔ جب آپ کسی کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں تو شک کی تسکین کو کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے، میں نے بارہا خالہ اور پاپا کو مما کی گھر میں عدم موجودگی میں مختلف اوقات میں یوں اکٹھے کسی نہ کسی کمرے میں دیکھا جہاں انہیں نہیں ہونا چاہیے تھا...... یا کم از کم ان کمروں کے دروازے لاک نہیں ہونا چاہیے تھے۔ کبھی کبھار سوچتی کہ بہنوں سے شیئر کروں مگر رک جاتی، جانے وہ میرے ساتھ کس طرح پیش آتیں، مما کیا سوچتیں کہ میں پاپا اور ان کی بہن پر بہتان لگا رہی ہوں۔

☆☆☆

''خالہ......'' میں دسویں جماعت میں تھی جب ایک بار میں نے خود ہی خالہ سے بات کرنے کا سوچا تھا، اس کے بعد میری ہمت نہ پڑی کہ میں کسی اور کے سامنے بات کرتی۔ ''خالو میں کیا کمی ہے؟''

''تمہارے خالو میں نہیں بلکہ مجھ میں کمی ہے فاطش بیٹا...... میں نے تو انہیں بارہا کہا ہے کہ وہ اولاد کے لیے دوسری شادی کر لیں مگر وہ مانتے ہی نہیں۔'' خالہ نے فخر سے بتایا۔ ''مجھ سے وہ پیار ہی اتنا کرتے ہیں......''

''اگر وہ آپ سے اتنا پیار کرتے ہیں تو آپ بدلے میں ان کے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟'' میں نے ابرو اچکا کر ان سے پوچھا۔

''میں نے کیا، کیا ہے بدلے میں؟'' انہوں نے جواباً ابرو اچکا کر میری طرف دیکھا۔

''آپ صرف خالو کے ساتھ ہی نہیں بلکہ میری مما کے ساتھ بھی دھوکا کر رہی ہیں، وہ آپ سے اتنا پیار کرتی ہیں اور آپ بدلے میں......'' میری آواز بھرا گئی۔

''کیا بات کر رہی ہو فاطش...... کچھ عقل ہے تم میں کہ بڑوں کے ساتھ بات کس طرح کرتے ہیں؟'' خالہ کی آواز بلند ہونے لگی۔

''اب میں وہ چھوٹی بچی نہیں رہی خالہ...... جس کے دودھ میں آپ جانے کیا ملا کر اسے سلاتی تھیں...... مگر کبھی کبھار ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ دودھ ہضم نہیں ہوتا خالہ اور قے ہو جاتی ہے۔ شاید قدرت نے کسی بچی کو شعور دینا ہوتا ہے، اسے زندگی کی بدترین سچائی سے آگاہ کرنا ہوتا ہے...... قے ہو جائے خالہ تو بے ہوشی کی دوا اثر نہیں کرتی کیونکہ وہ قے کے ساتھ نکل جاتی ہے اور کمرے میں کوئی عجیب سی آواز آئے تو بھی بچی کی نیند ٹوٹ جاتی ہے...... کمرے میں اندھیرا بھی ہوتا ہے تو تھوڑی دیر کے بعد آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہو جاتی ہیں...... دو لوگوں کے آپس میں باتیں کرنے کی آوازیں بھی آتی ہیں اور آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہونے پر وہ اتنی بھیانک حقیقت دیکھتی ہیں کہ کیا ہی کوئی خواب ایسا بھیانک ہوگا......''

''میں تمہاری بات کو سمجھی نہیں فاطش......'' وہ میری بات کو سمجھ کر بھی انجان بننے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''آپ اچھی طرح سمجھ رہی ہیں خالہ......'' میں نے غصے سے کہا۔ ''تب میں آپ کی اور پاپا کی ایسی قربت کا مطلب نہیں سمجھتی تھی مگر اب سمجھتی ہوں......''

''تم بہت عجیب اور بے ہودہ الزامات لگا رہی ہو مجھ پر۔'' وہ چیخیں۔

''میں اپنی مما کو کچھ بتا کر انہیں دکھ نہیں دینا چاہتی، بہتر ہے کہ آپ خود کو درست کر لیں...... پاپا سے اپنا تعلق ختم کر لیں۔'' میں نے سفاکی سے کہا۔ ''ورنہ میں کسی دن آپ کو اور پاپا کو مما کے سامنے کھڑا کر دوں گی اور دونوں سے اس سوال کا جواب مانگوں گی۔''

''دکھ ہو رہا ہے تمہاری سوچ پر......'' ان کی

آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''وہ میرے بڑے بھائیوں کی طرح ہیں، بیٹا کہتے ہیں مجھے اور اپنی بیٹیوں جیسا ہی سمجھتے بھی ہیں اور اسی طرح میں ان کی عزت کرتی ہوں، تم نے ایسا سوچا بھی کیونکر؟'' وہ ہچکیوں سے رونے لگیں، مما جانے اس غلط وقت پر کیوں کمرے میں آ گئیں۔

''کیا ہوا تانو میری جان، کیوں رو رہی ہو بیٹا؟'' انہوں نے بیٹھ کر خالہ کو گلے سے لگا لیا، وہی خالہ جوان کی پیٹھ میں خنجر گھونپ رہی تھیں۔

''کچھ نہیں حنا آپی...... بابا یاد آ گئے تھے...... میں نے تو ہوش سنبھالتے ہی دانیال بھائی کو باپ جیسا دیکھا ہے، اسی لیے بھاگ کر یہاں آتی ہوں کہ یہ گھر مجھے اپنے میکے جیسا لگتا ہے......''

''ہے ناں تمہارا میکا......'' مما بھی جذباتی ہو گئیں۔ ''کس نے کہا ہے کہ نہیں ہے ایسا؟''

''یونہی دل میں خیال آیا کہ کہیں کسی کو میرا یہاں آنا، یہاں آ کر کئی کئی دن تک رہنا کھٹکتا نہ ہو!''

''ارے کیوں پاگلوں جیسی سوچ پالے بیٹھی ہو تم، میں اور دانیال دونوں تمہیں اپنی بیٹیوں کی طرح چاہتے ہیں اور بچیاں سب کی سب تم پر جان دیتی ہیں۔'' مما نے پیار سے ان کے بالوں میں انگلیاں پھیریں، خالہ مکاری سے آنسو بہا رہی تھیں...... اس کے بعد میری کسی سے کچھ کہنے کی کیا تاب ہوتی۔

☆☆☆

پاپا کے ساتھ بھی ڈھکے چھپے الفاظ میں اس پر بات ہو چکی تھی...... جب اشعر کا معاملہ میں نے گھر پر اٹھایا تو مما اور پاپا دونوں کی طرف سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، پاپا ہم بیٹیوں کے معاملے میں نسبتاً دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے اس لیے میں نے انہیں ہی قائل کرنے کا سوچا، وہ مان جاتے تو مما کو خود ہی منا لیتے۔ میں نے مما اور پاپا کے درمیان شروع سے ہی انتہا کی ذہنی ہم آہنگی دیکھی تھی، مما کو پاپا پر بے حد اعتماد تھا، جس کے ٹھوس ہونے میں مجھے شکوک تھے۔

''بیٹا...... میں نے اس کے بارے میں پوچھ تاچھ کی ہے، مجھے اشعر کے بارے میں کچھ اچھی رپورٹیں نہیں ملیں، سنا ہے کہ اشعر اور طرح کا نوجوان ہے، دل پھینک سا، لاابالی سا...... اس کی کئی لڑکیوں سے دوستی ہے۔''

''مردوں کا کیا ہے پاپا، انہیں دوسری عورتوں سے دوستیاں پالنے کے لیے تو کسی جواز، کسی وجہ اور کسی عمر کی قید نہیں...... لڑکپن میں بھی پالتے ہیں، بیاہ سے پہلے بھی اور بیاہ کے بعد بھی، بچے نہ ہوں تب بھی اور ہوں تب بھی...... گھر میں چار، چار بیٹیاں ہوں تو بھی بیوی کی آنکھوں میں دھول جھونک دیتے ہیں۔'' پاپا جانے میرے اشاروں کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر انہوں نے اس رشتے کی مخالفت کرنا چھوڑ دی۔ بعد میں انہوں نے ہی مما کو قائل کر لیا تھا۔

''جس شخص کے بارے میں شادی سے پہلے ہی علم ہو کہ وہ ایسا ہے...... ایسا تو آنکھ دیکھی مکھی نگلنے کے برابر ہے بیٹا!'' پاپا نے دلیل دی۔

''کم از کم اعتماد کرنے والے کو دھوکا دینے سے تو کم بڑا جرم ہے یہ پاپا......'' میں نے کہا۔ ''جانتی ہوں گی کہ وہ ایسا ہے تو اس پر نظر رکھوں گی...... مما کی طرح جو عورتیں اپنے شوہروں پر اندھا اعتماد کرتی ہیں ان کے ساتھ کیا اچھا ہوتا ہے پاپا؟ ان کے شوہر انہیں دھوکا نہیں دیتے کیا؟''

''تم کیا اول فول بات کر رہی ہو بیٹا...... اس معاملے میں جو بات ہو رہی ہے اس پر میں نے اپنی رائے دی ہے......''

''میری رائے بھی آپ کی رائے کا جواب ہے پاپا!'' میں نے ان کی طرف دیکھ کر دکھ سے کہا۔

''میں کوشش کروں گا بیٹا کہ تمہاری مما کو اس معاملے میں قائل کر سکوں......'' پاپا نے خود ہتھیار ڈالے اور مدعا مما پر ڈال دیا۔

''مما آپ پر اعتماد کرتی ہیں پاپا اور آپ کی بات مانتی ہیں...... وہ آپ کو خدا کے بعد اس دنیا میں سب سے معتبر سمجھتی ہیں، آپ کی بات ان کے لیے مستند ہوتی ہے، چاہے آپ اس کے مستحق ہوں یا نہ ہوں۔'' میری آنکھوں میں خواہ مخواہ آنسو آ گئے تھے۔

☆☆☆

''مما...... اتنی بڑی بات آپ نے کیونکر سوچ لی، ہوا کیا ہے؟'' میں نے اسود کے سو جانے کے بعد اسے مما کے کمرے میں لٹا کر واپس آ کر مما سے پوچھا۔

''میں برسوں سے سوچ رہی تھی بیٹا، بہت برداشت کے ساتھ رہ رہی تھی، اب مجھ میں مزید برداشت کی گنجائش نہیں رہی۔'' مما نے گہری سانس لی۔

''پھر بھی مما، ایسا کیا مختلف ہوا ہے اب آپ کے اور پاپا کے بیچ؟'' میں نے مما سے پھر سوال کیا۔

''ہم دونوں میں بظاہر جتنی ذہنی ہم آہنگی نظر آتی ہے وہ دوسروں کو نظر آتی ہے بیٹا، اندر سے ہم دریا کے ان دو کناروں کی طرح ہیں جو عمر بھر ساتھ، ساتھ چلتے ہیں مگر کہیں مل نہیں پاتے، جہاں دریا کے کنارے ملتے ہیں وہ دریا کا اختتام ہوتا ہے......''

''میں سمجھی نہیں مما!''

''تمہارے پاپا نے ہر راہ جاتی عورت سے مراسم رکھے ہیں بیٹا...... میں ہی کافی عرصہ لاعلم رہی، اب معلوم ہوا ہے تو اندازہ ہوا کہ میں تو ان کی زندگی میں کہیں تھی ہی نہیں۔'' مما کی آنکھیں نم تھیں۔ انہوں نے نہ تو کوئی سہیلی چھوڑی ہے میری، نہ رشتے دار اور نہ ہی کوئی ملازمہ...... مجھے تو تم سے یہ سب باتیں کرتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے مگر میں کس سے بات کروں، نہ کروں تو دل پھٹ جائے گا میرا!''

''مما...... آپ مجھ سے جو بات بھی کریں گی وہ ہم دونوں کے بیچ ہی رہے گی، فکر نہ کریں، آپ یقین رکھیں کہ ہم سب بیٹیاں آپ کے ہر فیصلے میں آپ کے ساتھ ہوں گی۔'' میں نے یقین دلایا۔ مجھے بھرپور اعتماد اور یقین تھا کہ جب سب بہنیں مما کی بات کو سنیں گی تو انہیں حق بجانب سمجھیں گی۔ مما کی آخری بات پر مجھے کچھ یاد آیا۔ ''مما کیا نام تھا ہماری اس ملازمہ کا جسے آپ نے گھر سے نکال دیا تھا؟''

ہوتا ہے ہر روز

بہت مصروف ہوں میں
وقت بالکل بھی نہیں ملتا
کبھی بچوں کے جھگڑے ہیں......
کبھی گھر کی پریشانی......
کبھی ہیں جاب کے مسئلے......
کبھی ٹیچرز کی من مانی......
صبح سے شام ہو جاتی ہے
کیا کھانا پکانا ہے؟
اور یہ سوچوں بھی کہ
بچوں کے سنگ
کیا لنچ جانا ہے؟
کیا اسکول کا بھی کام
یا
مجھ کو کرانا ہے
قضا ہو جاتی ہے اکثر نماز
اس حیل و حجت میں
میاں بھی ہوتے ہیں شامل
برابر اس فضیحت میں
میں تھک کر سو رہا تھا
کس لیے مجھ کو جگاتی ہو
پرانی دشمنی ہے کیا؟
جو ہنگامہ مچاتی ہو
یوں ہی دن ڈوبتا ہے
رات کا آغاز ہوتا ہے
نئے دن کے لیے اک
سوچ کا آغاز ہوتا ہے
پھر تھک کر لیٹتی ہوں
سوچ کو خاموش کرتی ہوں
تھکاوٹ سے میں سونے کو
یہ آنکھیں موند لیتی ہوں

شاعرہ: خولہ عرفان، کراچی

''پائل......نام تھا اس کا!'' مما جیسے نیند میں بولی تھیں ۔ انہوں نے ذہن پر ایک لمحے کو بھی زور نہیں ڈالا۔

میرے ذہن کے نہاں خانوں میں اس کی یادا تنی بری طرح ثبت تھی کہ اس کی تفصیل یاد آتے ہی میرے جسم کا سارا لہو گرم ہونے لگتا، کیسی بے حیا لڑکی تھی وہ، میں ہمیشہ سوچتی۔ اس زمانے میں مما تو ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنے بوتیک چلی جاتیں اور ہم ساری بہنیں اپنے اسکول، کالج چلی جاتیں تو اس وقت وہ آیا کرتی تھی، ہم اسے صرف اپنی چھٹی کے دن دیکھتے تھے۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں ہم سب گھر پر ہوتیں اور مما کے جاتے ہی اپنا، اپنا کام لے کر لاؤنج میں بیٹھ جاتیں، پاپا تیار ہو کر نکلتے، ہم سب کے ساتھ بیٹھتے، وہیں لاؤنج میں ناشتا کر کے ہم سب کے ساتھ تھوڑی دیر گپ شپ لگاتے۔ پائل آتی تو وہ اٹھ کر اپنے اسٹڈی روم میں چلے جاتے اور اوپر سے آواز لگاتے۔

''پائل! جلدی سے آ کر میرے اسٹڈی روم کی صفائی کر دو، پھر مجھے جانا بھی ہے...... میری چیزیں یہاں ترتیب سے پڑی ہوتی ہیں، میری عدم موجودگی میں کوئی صفائی کرے تو سب الٹ پلٹ ہو جاتا ہے۔'' پائل صفائی کا سامان اٹھا کر اوپر چلی جاتی۔

ہم سب بہنیں لاؤنج میں ہی بیٹھ کر اپنا کام کرتیں، جب کمرے کی صفائی کر کے پائل نیچے آ جاتی تو پاپا اس کمرے کو لاک کر کے، نیچے آ کر ہم سب بہنوں کو خدا حافظ کہہ کر دفتر چلے جاتے، پائل باقی گھر کی صفائی کا کام اس کے بعد کرتی تھی۔ پاپا کے کمرے کی صفائی کے بعد میں نے بارہا اس کے گریبان سے جھانکتے لال، لال نوٹ دیکھے، جو فرش پر جھاڑو پوچا لگاتے ہوئے اس کی قمیصوں کے بھاڑ سے گلوں میں سے جھانک رہے ہوتے تھے۔ کبھی کبھار میں سوچتی کہ اس سے پوچھوں کہ کیا اس نے وہ نوٹ کہیں سے چوری کر کے اپنے گریبان میں چھپائے ہیں مگر کبھی پوچھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

اس روز میں لاؤنج میں باقی بہنوں کے ساتھ کام کرنے کے بجائے نہانے کے لیے چلی گئی، نہا کر آئی تو باقی سب لاؤنج میں حسب معمول اپنے کام میں مصروف تھیں، نصف سیڑھیوں تک پہنچ کر مجھے اسٹڈی روم میں سے گھٹی، گھٹی آوازیں سنائی دیں، میں نے دروازے کو ہلکا سا دبایا تو وہ کھلتا چلا گیا...... کاش میں نے اس دروازے کو نہ کھولا ہوتا تو میں عمر بھر اس تاثر میں رہتی کہ میرے پاپا فرشتوں جیسے ہیں...... میں لاکھ چاہ کر بھی کسی سے وہ بات شیئر نہ کر سکی، مما کو بتانا چاہتی تھی مگر سوچا کہ وہ بہت دکھی ہوں گی۔ پھر وہ دن بھی یاد ہے جب اسے مما نے چیخ، چیخ کر گھر سے نکالا تھا، تب مجھے سمجھ میں آیا کہ مما نے ضرور اس کی چوری پکڑی ہو گی، ہم بہنوں نے مما سے پوچھا بھی تو انہوں نے کچھ نہیں بتایا، ہم بھی اس واقعے کو بھول بھال گئے تھے، آج اتنے سالوں کے بعد مما نے باتوں ہی باتوں میں کہا کہ پاپا نے کسی ملازمہ کو بھی نہیں چھوڑا تو مجھے یاد آ گیا۔

☆☆☆

''صدف کو نروس بریک ڈاؤن کیوں ہوا احمر؟'' میں جاننا چاہتی تھی کہ اس نے مما کی بات کا ہی اتنا اثر لیا تھا یا کچھ اور مسئلہ تھا، صبح جاگتے ہی فون کو آن کیا تو اسکرین پر احمر کے نام کا پیغام تھا، میں نے اسے پڑھا اور میرا دماغ جیسے بھک سے اڑ گیا۔ وہ مما کے سب سے قریب تھی، اسے مما سے بہت زیادہ پیار تھا اور مما بھی اسے بہت چاہتی تھیں، وہ ہم سب سے الگ سی تھی، حساس طبیعت رکھنے والی اور اسے اچانک نروس بریک ڈاؤن ہونا باعث تشویش تو تھا ہی۔

''کچھ معلوم نہیں رانیہ آپی......'' احمر نے کہا۔ ''بس بے ہوشی میں بہت عجیب، عجیب باتیں دہراتی رہی ہے، مما کے لیے اداس ہے شاید!''

''ہوں!'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''تم نے سنا نہیں غور سے کہ وہ بے ہوشی میں کیا بڑبڑاتی رہی ہے؟'' میں نے یہ جاننے کو کہ کہیں صدف نے.... بے ہوشی میں اس راز کو فاش نہ کر دیا ہو جسے ہم خود سے بھی

چھپاتی پھر رہی تھیں۔

''بس آپی، وہ یہی کہہ رہی تھی کہ مما آپ اداس نہ ہوں، پریشان نہ ہوں، اسی لیے میں نے سوچا ہے کہ اسے کچھ ہفتوں کے لیے پاکستان بھجوا دوں آپی!''

''ہوں!'' میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''میں تو اس کا سن کر پریشان ہو گئی تھی اور عابد سے کہہ رہی تھی کہ دو ایک دن کے لیے میں اسے دیکھنے کے لیے لندن چلی جاؤں، مصطفیٰ کو عابد کے پاس چھوڑ آؤں گی......'' میں نے احمر کو اپنا پروگرام بتایا۔

''اچھا......'' احمر نے کہا۔ ''آپ بھی پاکستان کا پروگرام کیوں نہیں بنا لیتیں آپی؟'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ''ممانی جان کو آپ لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے، میرا خیال ہے!''

''کیوں...... مما کو ہماری مدد کی کیا ضرورت پڑ گئی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا، شک ہو رہا تھا کہ اسے کچھ نہ کچھ علم تو ہے۔

''وہ صدف ہی بے ہوشی میں بڑبڑا رہی تھی کہ مما پریشانی میں اکیلی ہیں، انہیں میری ضرورت ہے، وہ تنہا ہیں...... اور ایسی ہی کئی باتیں۔'' اس کے انکشاف نے میرے شک کو تقویت دی کہ صدف نے اس سے بڑھ کر بھی کچھ نہ کچھ انکشافات کیے ہوں گے۔

''مما کیوں تنہا ہوں گی احمر...... پاپا جو ہیں وہاں، گھر میں فاطش ہے، اسود ہے...... اور پاپا مما کا کتنا خیال رکھتے ہیں، تم سے بڑھ کر اپنے ماموں کو کون جانتا ہو گا۔'' میں نے رسان سے کہا۔

''کبھی کبھار لوگوں کی بھیڑ اور میلے میں بھی انسان تنہا ہو جاتا ہے آپی!'' اس نے فلسفہ بھگارا تھا۔

''ارے مما بہت زندہ دل خاتون ہیں، تم تو جانتے ہی نہیں کہ مما ہم سب سے بہادر ہیں، ہم سب مل کر بھی اتنی بہادر نہیں ہو سکتیں۔''

''بہادری کا دلوں کی شکست و ریخت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا آپی!''

''صدف کی بیماری نے تو تمہیں فلسفی بنا دیا ہے۔''

میں نے ہنس کر اس کی بات کو اڑایا۔ ''چلو دیکھ لو کیا پروگرام بنتا ہے صدف کا، پھر بتانا مجھے......''

''صدف کی تو اس ویک اینڈ کی فلائٹ پر سیٹ بک کروا دی ہے میں نے۔'' اس نے کہا تو میں نے اسے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ ''فاطش اور نیلم تو وہیں ہیں...... صدف بھی چلی جائے گی، میں دیکھتی ہوں اگر ایک ہفتے کی چھٹی مل جائے تو میں بھی چلی جاتی ہوں، مما جانے کس مشکل میں ہیں۔'' میں نے سوچا۔

☆☆☆

''شکر ہے کہ آپ کا واپس آنے کو من چاہا۔'' رات دیر سے لوٹی تو عمر نے مذاق سے کہا تھا۔

''میرا تو من چاہ ہی نہیں رہا تھا واپس آنے کو، بس ناہید آپی کے آنے کا سوچ کر واپس آ گئی۔'' میں نے بھی جواباً مذاق سے کہا۔

''اچھا......'' انہوں نے لمبی سی اچھا کی۔ ''کیا ضرورت ہے اتنی پروا کرنے کی ناہید آپی کی بھی، چلی جاتا واپس صبح سویرے۔''

''کرنا پڑتی ہے ناں پروا بابا!'' میں نے ان کے شانے سے سر لگا کر کہا۔

''کیوں، اتنی مجبوری ہے پروا کرنے کی؟''

''وہ میرے جان سے پیارے شوہر کی جان سے پیاری بہن جو ہیں......'' میں نے ادائے دلربائی سے کہا، شاید یہ وقت تھا ان سے اپنی بات منوانے کا۔ مما سے مل کر آئی تو حد درجہ پریشان تھی مگر مما کا ہی سکھایا ہوا سبق تھا کہ سسرال کے مسائل کو میکے ساتھ نہ لے کر آؤ اور میکے کے مسائل کی فکر میں دبلے ہوتے ہوئے اپنی ازدواجی زندگی کو متاثر نہ کرو، اسی لیے میں نے مما کی پریشانی میں اپنے ڈوبتے ہوئے دل کی بھی پروا نہ کی اور عمر سے اس پیار سے بات کی... جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ جو بھی کچھ مما اور پاپا کے بیچ چل رہا تھا وہ جانے کس طرح ہماری زندگیوں پر اثر انداز ہوتا مگر اب ہمیں اپنے، اپنے گھروں میں خود ہی نارمل رہنے کی کوشش کرنا تھی۔

''اچھا......'' عمر نے مسکرا کر مجھے اپنے قریب کرلیا۔ ''میری جان سے پیاری نیل!'' میرے اندر سکون اترنے لگا اور میں ہر فکر کو تھوڑی دیر کے لیے بھول گئی۔

''عمر......'' میں نے ہولے سے پکارا۔

''جانِ عمر!'' جواب آیا۔

''اگر میں آپ سے کہوں کہ بلی بھی نبیل کو پسند کرتی ہے تو؟'' میں نے سر اٹھا کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔ جواباً عمر نے اپنی آنکھیں موند کر سینے کی گہرائی سے سانس لی، ان کے لب بھینچے ہوئے تھے۔

''میں ایک بار بہت بے عزت ہو چکا ہوں نیل......'' انہوں نے کرب بھرے لہجے میں کہا۔ ''اس کے بیٹے نے ایک بار میری بیٹی کو پسند کیا۔ پھر اسے ٹھکرایا، اب کسی کے ہاتھوں وہ خود ٹھکرایا گیا ہے تو اسے دوبارہ میری بیٹی پسند آنے لگی ہے؟''

''اس نے تو جو کیا سو کیا عمر...... میں تو بلی کے دل کی بات کر رہی ہوں۔'' میں نے پھر کہا۔ ''لڑکیوں کی آنکھوں میں کچی عمروں میں جو خواب سج جاتے ہیں عمر، وہ پورے نہ ہوں تو لڑکیاں کم ہی خوش رہتی ہیں۔''

''میں اپنی بیٹی کو کسی ایسے شخص سے نہیں بیاہ سکتا نیل جس کے دل پر، سوچوں پر، میری بیٹی سے پہلے کسی اور کا قبضہ رہا ہو...... میری بیٹی کسی کی دوسری چوائس ہو، میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔''

''برداشت تو انسان کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے عمر!'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا، میں نے ہمت جمع کی۔ ''لوگ اپنی کنواری بیٹیوں کی شادیاں ایسی جگہ بھی تو کر دیتے ہیں جہاں نہ صرف دل اور سوچوں پر کسی اور کا قبضہ رہا ہوتا ہے بلکہ ان کے تعلق کی کئی، کئی نشانیاں بھی موجود ہوتی ہیں۔'' میری بات عمر کو یوں لگی جیسے کسی پر آسمانی بجلی گرتی ہے...... ''مگر ماں باپ ایسا کرنے کو اس لیے تیار ہو جاتے ہیں کہ انہیں معلوم ہوتا ہے جہاں محبت ہو جاتی ہے وہاں کچھ نظر نہیں آتا، جہاں ماں باپ اپنی اولاد کی نظروں میں پسندیدگی دیکھ لیتے ہیں وہاں باقی سب کچھ پس پشت چلا جاتا ہے......''

میری بات ابھی جاری تھی کہ عمر نے کروٹ بدلی اور اپنی سائڈ ٹیبل کی دراز کھولی، میرا دل دھڑکنے لگا کہ اب جانے اس میں سے کیا نکلے گا، شاید ریوالور! میں اندر سے ہولے ہولے کانپ رہی تھی، انہوں نے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور سگریٹ سلگائی اور اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑے ہوئے۔

''تمہیں بلی نے خود بتایا ہے کہ اسے نبیل پسند ہے یا اماں نے تمہیں بتایا ہے؟'' ان کا سوال انتہائی پیچ دار تھا، میں بلی کا کہتی تو وہ اس کے سامنے جا کھڑے ہوتے اور اس سے پوچھتے، اماں کا کہتی تو جا کر اماں سے جواب طلبی کرتے، دونوں ہی مشکل صورتِ حال تھیں کیونکہ اماں نے کہا تھا کہ ان کا ذکر بیچ میں نہ آئے۔ مجھے اندازہ ہوا کہ کسی دوسرے کے کیس کو لڑنا، وہ بھی اس صورت میں کہ مدعی خود سامنے نہ آنا چاہتا ہو، کس قدر مشکل ہوتا ہے۔

''کیا میں بلی کی ماں نہیں عمر؟ کم سن لڑکیوں کے دلوں کی گیلی مٹی میں جب محبت کا بیج گرتا ہے تو مائیں فوراً محسوس کر لیتی ہیں......'' میں نے دل کڑا کر کے وہ کہا جو فوری طور پر میرے ذہن میں آیا تھا۔ ''کیا ایک ماں کو بیٹی کے دل کا حال جاننے کے لیے اسی کی زبان سے سننا ہوتا ہے؟'' عمر گہری نظر سے میرے چہرے کو گھور رہے تھے۔

''کون سی ماں...... کس کی ماں؟'' عمر پوچھ رہے تھے...... ''تم یا اماں؟''

زندگی کبھی کبھی کن راہوں پر لاکھڑا کرتی ہے کہ راستے سامنے نظر آتے ہوئے بھی قدم نہیں اٹھتے...... ایسی ہی ایک عورت کی کہانی کا اگلا قدم...... آئندہ شمارے میں پڑھیے۔

خالو کی اچانک وفات نے ہم سب کو ہلا کر رکھ دیا، مما فون پر خبر سننے کے بعد سے مسلسل رو رہی تھیں، پاپا کو فون کیا اور انہیں اطلاع کی، انہوں نے مما سے پہلی پرواز سے ملتان کے لیے روانہ ہونے کو کہا تو مما کے ساتھ میں بھی روانہ ہوئی۔ پاپا اپنے کاروباری سلسلے میں پہلے ہی ملتان میں تھے۔ اسود کو ابھی تک شام کو بخار ہو جاتا تھا اور اسے ایسے حالات اور گرمی کے موسم میں سفر پر لے جانا مشکل تھا، مما نے کہا بھی کہ میں نہ

جاؤں مگر میں مما کو تنہا نہیں جانے دینا چاہ رہی تھی سو اسود کی دوائیں لے لیں اور ہم روانہ ہوئے۔ نیلم کی سسرالی رشتے داروں میں کوئی ایسی مصروفیت تھی کہ وہ ہمارے ساتھ نہ جا سکی مگر ہمارے پہنچنے کے تھوڑی دیر کے بعد ہی وہ بھی اپنے ڈرائیور کے ساتھ پہنچ گئی تھی۔
وہ امریکا سے اسی روز اپنی آنے والی نند کی مجبوری کے باعث تدفین کے بعد واپس چلی گئی۔ مجھے اور مما کو تین دن تک وہیں رکنا تھا، اگلے روز ہی صدف بھی لندن سے پہنچ رہی تھی مگر اسے وصول کرنے کو ہم میں سے کوئی ائرپورٹ پر نہ ہوتا، پھپھو کے گھر والوں کو اسے... ائرپورٹ سے لینا تھا۔ صدف کی طبیعت کی خرابی کا ہمیں علم ہوا تھا مگر مما کو ہم نے نہیں بتایا تھا کیونکہ مما، صدف سے مختلف انداز سے پیار کرتی ہیں، صدف خود ہی اتنا پیار کرنے والی ہے کہ اس نے مما کی ہم سب سے زیادہ محبتیں وصول کی ہیں۔
خالہ لوگوں کے سامنے دہاڑیں مار، مار کر رو رہی تھیں، ان کے ساس اور سسر کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا، اب وہ اپنی سلطنت میں تنہا تھیں، روتے میں ہی وہ بین کر رہی تھیں کہ جاوید خالو نے تو انہیں ملکہ بنا کر رکھا تھا، اب وہ کس کے سر پر حکمرانی کریں گی...... کیا وہ جو کچھ کہہ رہی تھیں وہ ہمیں سنانے کو کہہ رہی تھیں یا اپنے سسرالی رشتے داروں کو...... خالو کی محبتوں کو وہ بین کر کر کے یاد کر رہی تھیں، میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ پاپا نے اپنے حالیہ دورے میں جانے ان سے کتنی بار اور کتنے بہانوں سے ملاقاتیں کی ہوں گی، مجھے خالہ کے روتے ہوئے چہرے سے بھی کراہت آ رہی تھی اور میری معصوم مما...... اپنی بہن کو سینے سے لگا کر دلاسے دے رہی تھیں، ان کے بال سمیٹ رہی تھیں، ان کی کمر کو تھپک رہی تھیں، ان کے سر سے بار، بار اتر جانے والی چادر کو ٹھیک کر رہی تھیں، ان کے سر کے بوسے لے رہی تھیں۔
''میں اب کہاں جاؤں گی آپی؟'' وہ بین کر رہی تھیں۔
''میں ہوں ناں میری جان......'' مما نے انہیں دلاسہ دیا گویا مما انہیں اپنے گھر میں رکھنے کو تیار تھیں۔
''مما......'' میں نے مما کو مخاطب کیا۔ ''اندر چلیں، مجھے آپ سے کوئی بات کرنی ہے!''
''یہیں بتا دو بیٹا!'' مما نے اسی طرح خالہ کے سر کو گود میں لیے ہوئے کہا۔
''مما، آپ کی دوا کا وقت ہو گیا ہے، اٹھ کر اندر چلیں اور کچھ کھا کر دوا لے لیں ورنہ آپ کا بلڈ پریشر بڑھ جائے گا۔'' میں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنا منہ ان کے کان کے قریب ترین رکھ کر کہا۔
''اچھا نہیں لگتا بیٹا اس طرح......'' انہوں نے بھی میرے کان میں سرگوشی کی۔ حالانکہ وہاں کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی مگر میں نے سن لیا۔
''پلیز مما...... چند منٹ کے لیے۔'' میرے اس طرح کہنے پر مما بہانہ کر کے وہاں سے اٹھیں، میں انہیں پکڑ کر اندر لائی، زبردستی دو تین بسکٹ کھلائے اور انہیں دوا کھلا دی، اسود رو رہا تھا، مجھ سے زیادہ وہ مما سے مانوس تھا اس لیے مما اسے لے کر ساتھ لیٹ گئیں تاکہ وہ سو جائے۔ گرمی کا موسم، مرگ والا گھر اور بجلی بار، بار بند ہو رہی تھی، ہم سب گھبرا گئے تھے مگر ہم تو مجبوری کو سمجھ رہے تھے...... بچے نہیں سمجھتے۔ اسود کے ننھے ننھے خراٹے سن کر میں مطمئن ہوئی، مما مروت میں بیٹھی ہوئی تھیں مگر جونہی انہیں کمر ٹکانے کو جگہ ملی، وہ سکون سے نیند میں چلی گئی تھیں۔ نماز کا وقت ہو رہا تھا، میں مما اور اسود کو لیٹا ہوا چھوڑ کر غسل خانے میں چلی گئی جو اس کمرے سے ملحق تھا، منہ ہاتھ دھو کر چہرے کو اپنے دوپٹے سے ہی تھپتھپا کر خشک کیا اور باہر نکلتے ہوئے میرے پیر کے نیچے کچھ آ گیا، میں نے جھک کر اسے اٹھایا، ایک کف لنک تھا جو پیر کے نیچے دب کر ٹیڑھا ہو گیا تھا، میں نے اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی مگر نہ کر سکی، غور سے دیکھا، مجھے سو فیصد یقین تھا مگر پھر بھی میں نے تصدیق کے لیے اپنے پاس رکھ لیا۔
مما کو خالہ کے کمرے میں سوتا ہوا چھوڑ کر میں باہر نکلی...... خالہ کو میں نے بتایا کہ مما کی طبیعت بھی

ٹھیک نہ تھی اور وہ اسود کو لے کر ذرا کمر سیدھی کرنے کو لیٹی ہیں کیونکہ سفر کی تھکان اور پریشانی سے ان کا بلڈ پریشر زیادہ ہو سکتا تھا۔ خالہ نے کہا بھی کہ ان کے سسرالی رشتے دار اس بات پر اعتراض کریں گے کہ ایک ہی بہن ہے اور وہ بھی تدفین سے پہلے اندر جا کر سو گئی ہے مگر میں نے خالہ کی بات کو نظر انداز کیا۔ تھوڑی دیر میں سیپارے اور پنج سورے رکھ دیے گئے اور ہم پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔

میں چشم تصور میں اس گھر میں اپنے بچپن میں پہنچ گئی، خالو جاوید کیسے کم گو اور بے ضرر سے انسان تھے، ان کی اور میرے پاپا کی شخصیات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ خالو، پاپا کے آنے پر بچھ، بچھ جاتے، اپنے دوستوں اور رشتے داروں کو فخر سے بتاتے کہ اتنے بڑے کاروباری اور پڑھے لکھے دانیال صاحب ان کے ہم زلف تھے اور جب بھی کاروباری دوروں پر ملتان آتے تو ان کے ہاں ٹھہرتے تھے...... جاوید خالو کا سادہ سا انداز گفتگو...... خالہ بار، بار انہیں احساسِ کمتری میں مبتلا کرتیں کہ انہیں تو ڈھنگ سے بات بھی نہ کرنا آتی تھی، دانیال بھائی جیسا لباس تھا نہ رنگ ڈھنگ اور لوگوں کو فخر سے بتاتے پھرتے ہیں کہ دانیال صاحب ان کے رشتے دار ہیں......

''اچھا تو جاوید، لوگ یقین کر لیتے ہیں آپ کی بات کا کہ دانیال بھائی آپ جیسے آدمی کے ہم زلف ہیں؟'' وہ کھلکھلا کر ہنستیں اور جاوید خالو کھسیا جاتے۔ میں کئی بار سوچتی کہ خالہ کو اگر خالو اتنے ہی ناپسند تھے تو شادی ہی کیوں کی اور اگر شادی ان کی مرضی کے خلاف ہو گئی تھی تو بعد میں تو ان کے پاس حق تھا کہ ان کے ساتھ سے انکار کر دیتیں۔

مما جاگ کر آ گئیں...... مجھ پر خفا ہونے لگیں کہ میں نے کیوں انہیں سونے دیا تھا۔ کسی بچے کے ہاتھ پیغام بھیج کر انہوں نے خالو کے بڑے بھائی پرویز کو بلوایا، باورچی خانے میں کھڑے ہو کر انہوں نے بڑے نوٹوں کا ایک بھاری سا پیکٹ انہیں دیا، یہ رقم کھانے کے انتظامات کے لیے تھی، اصولاً تو یہ کھانا ماموں کو دینا تھا مگر ان کے مالی حالات مما جیسے نہ تھے تو غالباً مما نے خود ہی یہ فیصلہ کر لیا۔

''کھانا بہت اچھا ہونا چاہیے پرویز بھائی، آپ کا کوئی رشتے دار شکوہ شکایت نہ کرے اور نہ ہی مقدار کم ہو۔'' پرویز انکل نے شکریہ کہہ کر نوٹوں کا پیکٹ پکڑا۔

جنازہ مغرب کے ساتھ اٹھایا جانا تھا، دن خوب گرم تھا اور سانس لینی دوبھر ہو رہی تھی۔ پاپا جانے کہاں تھے، مما کے کہنے پر کئی بار کال کی تو فون بند ملا، بالآخر رابطہ ہوا اور انہیں جنازے کے وقت کا بتایا تو وہ جلد ہی پہنچ گئے۔ مما کے چہرے پر دکھ کا لیپ تھا، وہ اپنی چہیتی اور اکلوتی بہن کے غم میں نڈھال ہو رہی تھیں، تدفین کے بعد فوراً کھانے کا بندوبست تھا، ہم پنجابیوں میں ہر، ہر موقع پر کھانے پینے کا خاص اہتمام ہوتا ہے، کوئی جیے یا مرے، کھانا سب سے اہم ہوتا ہے۔ خالہ کے سسرال والے عام سادہ سے لوگ تھے، کھانے کا سارا بندوبست مما کے کہنے کے عین مطابق بہت اچھا تھا کہ مرنے والا تو چلا جاتا ہے مگر زندہ رہ جانے والوں کی ناک چھوٹی نہ ہو۔ ان کے گاؤں کے لوگ جس طرح بوٹیاں نوچ رہے تھے اسے دیکھ، دیکھ کر ان کی ذہنی پسماندگی اور ہوس کا اندازہ ہو رہا تھا۔

رات کو ہم سب صحن میں چارپائیوں پر بیٹھے تھے، میں نے پاپا سے پوچھا کہ وہ دن کو کہاں تھے اور لیٹ کیوں آئے...... اس دورۂ ملتان کے دوران کیا ان کی خالو سے ملاقات ہوئی تھی؟ پاپا نے بتایا کہ وہ اپنے کاموں میں اتنے مصروف تھے کہ بالکل چکر نہ لگا سکے۔

''آپ کہاں رہ رہے تھے پاپا......؟ خالو کو علم ہوتا کہ آپ ملتان میں ہیں تو وہ ضرور اصرار کر کے آپ کو اپنے گھر ٹھہرنے پر مجبور کرتے۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

''اسی لیے میں زیادہ تر انہیں اپنے پروگرام سے بے خبر رکھتا تھا......'' پاپا نے مختصر جواب دیا۔

رات دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد محفل برخاست

ہوئی، پاپا اٹھ کر کپڑے بدلنے چلے گئے، وہ لوٹے تو میں غسل خانے میں گئی، جو قمیص وہ اتار کر گئے تھے وہ وہیں کھونٹی پر لٹکی تھی، اس کے بازو فولڈ کیے ہوئے تھے، پاپا تو عموماً قمیص کے بازو فولڈ نہیں کرتے تھے...... میری چھٹی حس نے مجھے کہا کہ کچھ درست نہ تھا، میں نے اس قمیص کے بازو کی فولڈ کھولی، ایک کف پر کف لنک لگا ہوا تھا اور دوسرا کف لنک میرے دوپٹے کے پلو سے بندھا ہوا تھا، یہ وہ کف لنک تھے جو مما نے خصوصاً پاپا کی سالگرہ پر نیلم کا پتھر لگوا کر بنوائے تھے...... میرا سارا جسم سن ہوگیا، میں مرے، مرے قدموں سے چلتی ہوئی غسل خانے سے نکلی۔

خالہ کے ساتھ ہی میرے لیے چارپائی بچھی تھی، اس پر اسود سکون سے سو رہا تھا، خالہ اس کو ہاتھ والا پنکھا جھل رہی تھیں، میں اپنی چارپائی پر تقریباً ڈھے گئی تھی...... "خالہ جب سے پاپا ملتان آئے ہیں انہوں نے بالکل آپ کے گھر کا چکر نہیں لگایا؟"

"نہیں......" خالہ کا جواب مختصر تھا۔

"آپ کو تو مما نے تین دن پہلے کال کر کے بتایا تھا کہ پاپا ملتان آئے ہوئے ہیں...... اگر خالو کی طبیعت خراب تھی تو آپ پاپا کو کال کر کے بلالیتیں۔ میرے سامنے ہی دو روز پہلے مما نے کال کر کے خالہ سے پوچھا تھا کہ پاپا نے ان کی طرف چکر لگایا تھا کہ نہیں، جواب میں خالہ نے یہی کہا تھا کہ نہیں۔

"نہیں...... تمہارے خالو کی طبیعت تو بالکل ٹھیک تھی، انہیں کوئی مسئلہ نہ تھا، بس وہی جو معمول میں بلڈ پریشر ہائی رہتا تھا، بس رات سوئے تو ٹھیک تھے، صبح جاگ کر کام پر بھی گئے، کوئی مسئلہ نہیں تھا ان کو۔" کہہ کر خالہ پھر سسکیاں لینے لگیں، مجھے ان کی سسکیاں بھی نقلی لگ رہی تھیں، کچھ غلط تھا، کچھ تھا جو خالہ چھپا رہی تھیں۔ پاپا ان کے ہاں ضرور آئے تھے اور اس کا ثبوت میرے پاس تھا بلکہ خالو کی وفات سے قبل یا غالباً فوراً بعد آئے تھے کیونکہ وہ ابھی تک اسی لباس میں تھے جو انہوں نے اس وقت پہن رکھا ہوگا جب وہ آئے تھے، ممکن ہے کہ خالو کی وفات کا خالہ نے سب سے پہلے انہی کو بتایا ہو۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور سونے کی کوشش کرنے لگی، اگر ایسا تھا تو خالہ اس بات پر جھوٹ کیوں بول رہی ہیں؟

☆☆☆

صدف کا فون آیا تھا، وہ تو اڑ کر مما کے پاس پہنچنا چاہتی تھی مگر مما نے پھپھو سے کہا تھا کہ اسے اتنی گرمی میں لے کر ملتان نہیں آئیں، اتنا سفر کر کے لندن سے آئی تھی اور اس کے بعد ملتان تک کا سفر اسے تھکا دیتا، انہیں تو علم ہی نہ تھا کہ وہ پہلے ہی اسپتال سے اٹھ کر آرہی تھی۔ اگلے روز قل تھے اور ہمیں یہ دو دن مزید وہاں گزارنا تھے، مجھ سے وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا، مما کا تو حال اور بھی برا ہو رہا ہوگا، صدف تو ویسے بھی مما کی سب بیٹیوں میں سب سے زیادہ لاڈلی اور چہیتی بیٹی تھی۔ ویسے بھی مرگ کے گھر کا افسردہ اور گھٹا، گھٹا سا ماحول...... اسود بھی تنگ کر رہا تھا، پاپا سے کہہ کر قل کے دن کی فاتحہ اور ختم کے فوراً بعد کی ہی سیٹیں بک کروالیں تاکہ واپسی پر بھی گاڑی کے تھکا دینے والے سفر کی کوفت اور وقت کے زیاں سے بچ جائیں۔

خالہ کی سسرال والے بہت اونچا، اونچا بولنے والے لوگ تھے۔ عام حالات میں بات کرتے تو بھی لگتا کہ آپس میں لڑ رہے ہوں، میں اور مما زیادہ تر ان کے بیچ بیٹھنے سے گریز ہی کرتے تھے۔ ان کا رویہ ہمارے ساتھ کافی اجنبیت کا تھا، کبھی ان سے اتنا ملنا جلنا ہی نہ تھا اس لیے وہ بھی لیے دیے رہتے تھے۔ خالو کی ایک بھتیجی جو نسبتاً بہتر لگتی تھی اور وہ خود بھی میرے ساتھ کوشش کر کے بات کر لیتی تھی۔ خالہ کے گھر کے نزدیک ہی ان کا گھر تھا، گلیوں میں سے دور پڑتا مگر چھت سے چھت ملی ہوئی تھی۔ موقع بے موقع وہ ہمارے پاس آجاتی۔

"آنٹی کو چائے بنادوں، آپی آپ کو کچھ چاہیے ہو تو بتائیں......" اس کے ساتھ کچھ اچھا وقت گزر جاتا۔

"آپ سب لوگ اتنے اچھے ہیں...... خاص طور

پر حنا آنٹی تو مجھے بہت پیاری لگی ہیں۔'' وہ خواہ مخواہ چاپلوسی کر رہی تھی۔

''شکریہ نادیہ پیاری، تم خود ہی اتنی پیاری ہو۔'' مما نے مسکرا کر کہا۔

''سچ کہوں تو تانیہ آنٹی آپ سے بالکل مختلف لگتی ہیں مجھے......'' اس نے کہا تو مما مسکرا دیں۔

''ہر شخص دوسرے سے مختلف ہوتا ہے بیٹا اور پھر ہر دیکھنے والے کی آنکھ بھی دوسروں کو مختلف انداز سے دیکھتی ہے......'' مما نے کہا۔

''نہیں آنٹی! آپ کے چہرے پر خلوص کی چمک ہے، حالانکہ آپ تانیہ آنٹی سے کافی بڑی ہیں مگر آپ ان سے کم عمر دکھتی ہیں کیونکہ آپ میں بناوٹ نہیں......''

وہ باتوں، باتوں میں مما کو شاید خوش کرنے کی کوشش کر رہی ہوگی مگر مجھے علم تھا کہ مما کو اپنی بہن کے خلاف ایک لفظ بھی سننا اچھا نہیں لگ رہا ہوگا مگر اس وقت مصلحتاً خاموش تھیں ورنہ وہ کوئی کڑوی بات کہتیں، بہن کا دفاع کرتے کو اس لڑکی کو وہ اس وقت ڈانٹ دیتیں تو خواہ مخواہ بات بڑھ جاتی۔

''ایک بات کی تو مجھے بالکل سمجھ نہیں آئی آپی!'' مما سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے مجھے مخاطب کیا، مما نے کروٹ بدل لی تھی اور اسود انہیں کوئی کہانی سنا رہا تھا۔

''کون سی بات......؟'' میں نے سوال کیا۔

''دانیال انکل اس وقت گھر پر تھے جب چچا کو دل کا دورہ پڑا تھا......'' میرے کان کھڑے ہو گئے۔

''تو بجائے چچا کو اسپتال لے کر جانے کے وہ یہاں سے چلے کیوں گئے......؟''

''میرے پاپا؟'' میں نے آہستگی سے پوچھا، شکر ہے کہ مما کا دھیان اس طرف نہ تھا۔

''ہاں...... دانیال انکل کی گاڑی میں نے خود دیکھی تھی صبح جب میں فجر کی نماز کے بعد چھت پر سیر کر رہی تھی...... اسی وقت وہ آئے تھے، میں بھی چچا آج کام پر نہیں گئے ہوں گے...... مگر بعد میں جب چچی نے کال کر کے ابا کو بتایا کہ چچا بے ہوش ہو کر صحن میں گر گئے تھے تو میں بھاگ کر چھت کے راستے آئی اور میں نے اسی وقت دانیال انکل کی گاڑی گلی میں سے جاتے ہوئے دیکھی تھی۔''

''جاوید خالو کام پر نہیں گئے تھے کیا؟'' میں نے ہولے سے پوچھا۔

''گئے تھے...... ابا نے بتایا کہ وہ کام پر سے جلدی واپس آ گئے تھے اور پھر گھر آتے ہی وہ صحن میں بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے......'' وہ سادگی میں جو پول کھول رہی تھی اس نے میرے وجود میں ہلچل مچا دی تھی، میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، اسود، مما کو کہانی سناتے، سناتے سو گیا تھا تو مما نے کروٹ بدلی۔

''چلی گئی وہ باتونی؟'' مما نے مجھ سے پوچھا۔ میں خاموش تھی۔ ''ارے تم رو کیوں رہی ہو؟''

''خالو یاد آ رہے ہیں مما......'' اس میں ایک حرف بھی جھوٹ نہ تھا۔ جانے بیچارے، کس طرح صدمے سے دوچار ہوئے ہوں گے اور...... میں نے سینے کی گہرائی سے سانس کھینچی۔ خالہ اور پاپا کی حرکتوں نے مار ہی دیا ناں اس معصوم سے انسان کو، کتنے ہی ایسے واقعات ہوتے ہیں جن میں معصوم لوگ اپنوں کی بے وفائی کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں، میں نے دل کی گہرائیوں سے خالو کے لیے دعا کی۔

☆☆☆

صدف، مما سے لپٹ کر روئے جا رہی تھی، پھپو اسے تسلیاں اور دلاسے دے رہی تھیں، سب اسے اس کی مما سے اداسی پر ہی محمول کر رہے تھے۔ ہمارے ملتان سے لوٹتے ہی نیلم بھی آ گئی تھی، پھپو کے سب گھر والے بھی...... عمر بھائی، نیلم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے، شام کو عمر بھائی بھی آ گئے، کھانا کھا کر رات دیر سے وہ لوگ واپس گئے۔

دو تین دن، خاندان کے جو لوگ ملتان نہ جا سکے تھے وہ پرسہ دینے مما کے پاس آتے رہے اور ہم اتنے مصروف رہے کہ ہمیں وقت ہی نہ مل سکا کہ تنہائی میں

بیٹھ سکتے۔ اس روز نسبتاً فرصت تھی، صدف اس روز دوپہر کو میرے کمرے میں ہی آ گئی اور اسود کے ساتھ کھیلتی رہی۔ گرمیوں کی چھٹیاں مجھے نعمت لگ رہی تھیں کہ صدف کے ساتھ وقت اچھا گزر جائے گا اور مما بھی بہل جائیں گی۔ میں صدف سے اس کی بیماری کی بابت پوچھ رہی تھی تو اس نے بتایا کہ مما کی پریشانی سے وہ ڈیپریشن میں چلی گئی تھی، مما کو تو علم بھی نہ تھا کہ اس نے اس بات کا اتنا صدمہ لیا تھا۔

☆☆☆

ناہید آپی کے آتے ہی ہم ایسے حالات میں پھنس گئے کہ خالو کی وفات کے باعث وہ بیچاری کسی موضوع پر کھل کر بات ہی نہ کرسکیں۔ مجھے اسی روز ملتان جانا پڑا مگر میں رات تک لوٹ آئی تھی، خالہ کے غم نے مجھے بھی غم زدہ کردیا تھا، مما اور فاطش تو وہیں تھیں، مجھے اپنی مجبوری کے باعث لوٹنا تھا، واپس لوٹی تو اماں نے سرزنش کی کہ میں تھوڑا رک جاتی۔

''اماں، ناہید آپی آئی ہوئی ہیں، وہ کیا سوچتیں؟'' میں نے تاویل پیش کی۔

''ناہید سمجھ دار بھی ہے اور خود بھی رشتوں کی نزاکتوں کو سمجھتی ہے...... نہ میں جا سکی نہ عمر تو کم از کم تم تو دو دن رک جاتیں۔'' انہوں نے ناراضی سے کہا۔

''چلیں اماں...... پھر چلی جاؤں گی چند دن کے بعد!'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''اچھا بیٹھو......'' اماں نے تھوڑی جگہ بنائی۔

''کیا حال تھا تمہاری مما کا اور خالہ کیسی تھیں، ہوا کیا تھا تمہارے خالو کو؟'' انہوں نے سوالات کیے تو میں انہیں مختصراً بتانے لگی۔ ''اٹھو اب تم آرام کرو بیٹا، سفر کی تھکان بھی ہوگی اور غم کی بھی......'' میں اٹھنے لگی۔

''ہاں...... ذرا موقع دیکھ کر عمر سے بات جلد کرلینا، ناہید چھ، آٹھ ہفتے کے لیے ہی آئی ہے......''

''جی اماں......'' میں اثبات میں سر ہلاتی اٹھ گئی۔

''جب تمہاری مما لوٹیں تو ہم چلیں گے انہیں ملنے کے لیے...... پرسہ دینے۔''

''ٹھیک ہے اماں!'' میں اجازت لے کر ان کے کمرے سے نکل آئی۔ عمر سے بات کرنا کتنا دشوار کام تھا، اماں کو اس بات کا اندازہ نہ تھا۔ رات عمر سے دوبارہ بات کرنے کا مطلب تھا کہ ایک اور رات میں عمر کی ناراضی جھیلتی، یہی سوچا کہ ناہید آپی سے بات کر کے پوچھوں گی کہ کس طرح عمر سے بات کی جائے۔

''سوری نیل......'' کمرے میں آئی تو عمر میرے انتظار میں جاگ رہے تھے۔

''کس بات کے لیے؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''میں جا نہیں سکا تمہارے ساتھ ملتان۔'' انہوں نے شرمندگی سے کہا۔

''ارے نہیں...... اتنی گرمی کا سفر اور پھر ناہید آپی آج ہی تو آئی ہیں، آپ کی اکلوتی بہن...... وہ شاید نہ کہتیں مگر دل میں محسوس تو کرتیں ناں اور میں جو چلی گئی تھی......''

''ایک انتہائی اہم میٹنگ کی وجہ سے جا نہ سکا حالانکہ مجھے جانا تھا۔'' وہ جواز دے رہے تھے، مجھے واقعی ان کے نہ جانے کا کوئی دکھ نہ تھا، نہ ہی میں ان کے جانے کی توقع کر رہی تھی۔ ملیحہ کے خاندانی بہو ہونے اور عمر سے طلاق ہونے کے باعث، خاندان میں جو ناراضیاں اور اختلاف ہوئے تھے، وہ بعدازاں کسی حد تک کم تو ہوئے مگر میرا، عمر اور ملیحہ کے مشترکہ خاندان میں کسی گھر میں جانا نہ تھا، خواہ کوئی شادی ہو یا غمی۔

''ہاں، میں نے اس روز تمہیں خواہ مخواہ کچھ زیادہ ہی ڈانٹ دیا تھا......''

''کون سے روز؟'' میں نے کروٹ بدل کر پوچھا۔

''وہ جب تم نے ناہید آپی والی بات کی تھی۔''

''کوئی بات نہیں عمر...... میں آپ کو کسی بات پر مجبور بھی تو نہیں کرسکتی، جو آپ کو اپنی بیٹی کے لیے مناسب لگے۔''

''اصل میں، میں نے اس بات کا بہت دکھ محسوس کیا تھا کہ میری بیٹی کو کسی نے رد کردیا تھا، وہ بھی میری

اکلوتی بیٹی!''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے عمر...... کہیں بیٹی والے کسی رشتے کو رد کرتے ہیں کہیں بیٹے والے...... جہاں بیٹیاں ہوتی ہیں وہاں رشتے تو آتے ہیں، کوئی بھی رشتہ ڈال سکتا ہے، آپ کی بیٹی کو آپ سے کوئی چھین تو نہیں سکتا ناں۔''

''ہوں......'' انہوں نے گہری سانس لی......

''مگر تم نے تو کہا تھا کہ بلبل بھی......''

''سو جائیں آپ اس وقت...... میں بھی تھکی ہوئی ہوں۔'' میں واقعی بہت تھکی ہوئی تھی، کم از کم اس حالت میں اس اہم موضوع پر بات نہیں کر سکتی تھی۔

''ایک بار تم ذرا کھل کر بلبل سے بات تو کرنا نیل......'' عمر نے ہولے سے کہا۔'' میں خود پوچھنا چاہتا تھا مگر سوچا جانے وہ میرے سامنے جھجک نہ جائے...... تم تو ماں ہو، تمہارے ساتھ وہ کھل کر بات کر سکے گی۔'' میرے دل کی دھڑکنیں خوشی سے اتھل پتھل ہونے لگیں مگر میں نے گرم جوشی کا اظہار نہ کیا۔

''دیکھتی ہوں کسی وقت موقع ملا تو......'' میں نے بے پروائی سے کہا۔ عمر کی پل میں تولہ پل میں ماشہ والی عادت کبھی کبھار غالب آ جاتی تھی، کبھی وہ مجھے اپنے بچوں کی ماں کہہ دیتے تھے تو کبھی پوچھ لیتے کہ میں ان بچوں کے بارے میں کیوں پریشان ہوتی تھی جبکہ وہ میرے اپنے بچے بھی نہ تھے۔

☆☆☆

میں تو گویا دو حصوں میں بٹ گئی تھی، سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ پاکستان جاؤں یا نہ جاؤں...... مصطفیٰ کے ساتھ اس گرمی کے موسم میں جانا بھی ایک مشکل مرحلہ تھا اور نہ جاتی تو سوچ، سوچ کر ختم ہو جاتی۔ عابد بار، بار اصرار کر رہے تھے کہ مجھے چلے جانا چاہیے...... صدف کی بیماری...... اور خالو کی وفات تو بڑی ٹھوس وجہ تھی کہ مجھے جانا چاہیے تھا۔ اپنے کام اور گھر کے کچھ مالی مسائل کے باعث میں سوچ میں تھی کہ عابد میری اور مصطفیٰ کی ٹکٹیں لے کر آ گئے، مجبوراً مجھے چھٹی کی درخواست دینا پڑی، بغیر تنخواہ کے چھ ہفتے کی چھٹی مل سکتی تھی مگر میں اس پریشانی میں تھی کہ گھر کی mortagage کی اگلی قسط کیسے جائے گی......

''اللہ کوئی نہ کوئی سبب پیدا کر دے گا جان...... تم ایسی چیزوں کے لیے پریشان مت ہو۔'' عابد نے تسلی دی...... میں نے بے دلی سے اپنی تیاری شروع کر دی، مما کو اچانک جا کر حیران کرنا تھا اس لیے کسی کو اپنا پروگرام نہیں بتایا، عابد نے اپنے چچازاد سے کہہ دیا تھا کہ ہمیں ائرپورٹ سے لے کر مما کے ہاں پہنچا دے۔ ائرپورٹ کے روانگی کے لاؤنج میں بیٹھے ہوئے بھی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں یوں اچانک اور واقعی پاکستان جا رہی تھی۔

''اپنا خیال رکھیے گا عابد...... کھانے پینے کا بھی۔'' انہوں نے ہنس کر میری پریشانیوں کو اڑا دیا۔

''فکر مت کرو میری جان...... تم بالکل میری طرف سے پریشان نہ ہونا، میں خود بھی کچھ نہ کچھ کر سکتا ہوں مگر مما کی طرف کھانا کھا لیا کروں گا تاکہ تمہاری تسلی رہے......'' عابد کو اللہ حافظ کہہ کر میں نے مصطفیٰ کو ان سے لے لیا اور روانگی کے لاؤنج کی طرف بڑھی، چند قدم چل کر مڑ کر دیکھا، میری آنکھوں میں آنسو آنے لگے، میں واپس مڑی اور بھاگ کر عابد کے پاس پہنچی......

''بہت شکریہ عابد......'' وہ ہنسے، میرے کندھے تھپتھپائے، مصطفیٰ کا ایک بار پھر بوسہ لیا۔

''اپنا اور مصطفیٰ کا خیال رکھنا پیاری!'' میں ان کے ہاتھ کو تھپتھپا کر روانہ ہوئی اور پھر مڑ کر نہ دیکھا۔

☆☆☆

''مما......'' میں مما سے لپٹ ہی تو گئی۔'' کیوں اس طرح کی بات سوچی آپ نے، کیوں میرے اتنے پیارے سے پاپا کو چھوڑنے کا سوچا آپ نے، کوئی قصور تو بتائیں پاپا کا!'' میں مما سے لپٹ کر رو رہی تھی، مجھے آئے ہوئے تین دن ہو چکے تھے اور ایک لمحہ نہیں ملا تھا جب میں ان کے پاس تنہائی اور یک سوئی سے بیٹھ سکتی، کوئی بات کر سکتی۔

''کیا ہو گیا تھا تمہیں......'' مما نے الٹا مجھ سے سوال کیا۔ ''فاطش نے بتایا تھا مجھے کہ تمہیں نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا اور تم اسپتال میں داخل ہو گئی تھیں؟''

''آپ میری بات کو ٹال رہی ہیں مما......'' میں نے مصنوعی ناراضی سے کہا، میں چاہ رہی تھی کہ مما کہیں کہ انہوں نے مذاق کیا تھا مگر...... ''آپ مذاق میں کہہ رہی تھیں ناں؟''

''تم نے میری بات کا اتنا اثر لیا ہے صدف...... کیوں؟''

''بہت بڑی بات کی ہے آپ نے مما...... کم از کم مجھے وجہ تو بتائیں۔''

''دنیا میں ہر روز اتنی طلاقیں اور خلع ہوتی ہیں...... میں نے اگر تم سے بات کی ہے تو میرے پاس کچھ نہ کچھ وجہ تو ہو گی اس کے لیے...... اور کیا اس طرح کی بات مذاق میں کی جا سکتی ہے؟'' مما نے یہ کہہ کر میرا دل ہی توڑ دیا۔

''کیوں مما......؟'' میں بھل بھل رو دی۔ ''ایسا کیوں کر رہی ہیں آپ؟''

''میری جان......'' مما نے مجھے سینے سے لگا لیا۔ ''کبھی کبھار زہر کا پیالہ بھی پینا پڑتا ہے...... کبھی کوئی عضو خراب ہو جائے تو کاٹنا بھی پڑ جاتا ہے، میاں بیوی کا تعلق تو یوں بھی کچے دھاگے جیسا ہوتا ہے، یہاں تو خون کے رشتے بھی کسی نہ کسی جواز پر قطع کرنے پڑ جاتے ہیں۔'' مما نے کہا۔ ''میں نے بہت سوچا، بہت سالوں سے سوچ رہی ہوں، کبھی کسی فیصلے پر پہنچی تھی کبھی کسی پر، کوئی نہ کوئی مصلحت آڑے آ جاتی تھی، تم لوگوں کا سوچتی تھی مگر اب تم سب لوگ اپنے، اپنے گھر میں آباد ہو، اب مجھے یہاں رہنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔''

''ہم تو ہیں ناں ابھی مما...... اپنے اپنے گھروں میں ہی سہی مگر آپ کے ساتھ تعلق کی ڈور سے بندھے ہوئے مما!''

''مجھ سے تو تمہارا تعلق یوں ہی رہے گا بیٹا، ختم ہو گا تو فقط میرا اور تمہارے پاپا کا ناتا!'' مما نے ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

''نہیں مما...... میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ آپ اور پاپا کے بیچ میں کچھ غلط ہو۔'' میں رو دی۔ ''پلیز مما، مجھے بتائیں، آپ سے کوئی غلطی ہوئی ہے اور کیا پاپا چاہتے ہیں ایسا یا پاپا کی کوئی غلطی ایسی ہے جو آپ معاف نہیں کر سکتیں؟'' میں نے گڑگڑا کر پوچھا۔

''میری غلطی ہوتی تو تمہارے پاپا مجھے فارغ کرنے میں ایک لمحہ بھی نہ لگاتے، عورت ہی ہے جو شوہر کی غلطیوں کو نظر انداز بھی کرتی ہے، ان سے چشم پوشی بھی کرتی ہے اور ان کی پردہ داری بھی......''

''کیا غلط ہوا ہے مما؟'' میں نے آنسو خشک کیے۔

''ہو تو کب سے رہا ہے......'' مما نے کہا۔ ''اب نیا یہ ہوا ہے کہ میری برداشت ختم ہو گئی ہے۔''

''کیا پاپا...... آپ پر ہاتھ اٹھاتے ہیں؟'' میرے خیال میں یہی ایک ٹھوس وجہ ہو سکتی ہے کہ عورت اس حد تک سوچ سکتی ہے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

''ہاتھ اٹھانا...... اتنی بڑی بات نہیں ہے جان......'' مما نے کہا۔ ''جس مرد کو ہاتھ اٹھانے کی عادت ہو اس کی بیمار رگ کو کسی نہ کسی طرح عورت جان جاتی ہے اور اگر وہ عقلمند ہو تو اس کی نوبت نہیں آنے دیتی، جہاں مرد بغیر کسی وجہ کے عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہیں، ان کی بیماری کا کوئی علاج نہیں......'' مما نے کہا۔

''میں جانتی تھی مما کہ پاپا آپ پر ہاتھ نہیں اٹھاتے ہوں گے...... میرے نرم دل پاپا کسی پر بھی ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔'' میں نے پورے مان سے کہا تھا۔ ''مگر سمجھ میں نہیں آ رہا کہ انہوں نے کیا برا کیا ہے آپ کے ساتھ جو آپ نے اس حد تک سوچ لیا؟''

''تم سمجھ نہیں پاؤ گی کہ ایک وفادار بیوی کے ساتھ مرد کیا برا کر سکتا ہے؟''

''پاپا شک کرتے ہیں آپ پر مما؟'' میں چیخی، میں جانتی تھی کہ میری مما کتنے مضبوط کردار کی عورت تھیں اور ان پر پاپا تو کیا، کوئی بھی انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔

''مجھ پر شک کر لیتے تو بھی اتنا برا نہ لگتا مجھے......''

ممانے ایک اور پہیلی نما جواب دیا۔

"تو پھر کیا آپ کو پاپا پر شک ہے؟" میں نے پوری کوشش کی کہ میں چلاؤں نہیں۔

"پہلے شک بھی نہیں ہوتا تھا......" مما نے گہری سانس لی۔ "پر اب پورا یقین ہے۔" مما نے چھوٹا سا پٹاخا چھوڑا اگر میں دہل گئی، ان کا چہرہ دیکھنے لگی جس پر کرب کے آثار تھے۔

"پاپا کے کسی اور عورت کے ساتھ تعلق کا شک ہے آپ کو؟" میں نے سوال کیا اور دعا کی کہ مما کہیں، نہیں۔

"تمہارے پاپا......" وہ رکیں۔ "تمہارے پاپا کو......" ان کا فقرہ پھر ادھورا رہ گیا۔ "تمہارے پاپا ایک مریض ہیں میری جان۔"

"کیا بیماری ہے پاپا کو؟" میں نے سرگوشی میں سوال کیا، دل تیزی سے دھڑکنے لگا، کیا بیماری ہو سکتی ہے پاپا کو کہ مما ان سے خلع لینے کو تیار تھیں...... ٹی بی، کینسر...... ایڈز؟ میں نے خود ہی سب کچھ سوچ ڈالا۔

"وہ ذہنی مریض ہیں......"

"اوہو......" میں نے تاسف سے کہا۔ "ویسے لگتا تو نہیں مما...... اور پھر ذہنی امراض کا تو علاج ممکن ہے، اس کے لیے آپ ان کو چھوڑنے کو تیار ہیں؟" مجھے دل میں مما پر دکھ ہوا کہ وہ ایسی وفادار بیوی اور ایسی حالت میں پاپا کو چھوڑنا چاہ رہی تھیں جب وہ کسی پریشانی کے باعث ذہنی مریض بن گئے تھے اور مما بجائے ان کا سہارا بننے کے، ان کا ساتھ دینے کے، گھبرا کر ساتھ چھوڑنے کو تیار تھیں۔ میرا سر دکھنے لگا، آنکھیں بوجھل سی ہونے لگیں، مما پر اتنا افسوس ہوا تھا کہ اس وقت ان سے کہیں دور چلے جانے کو دل چاہ رہا تھا، میرے منہ سے بے معانی سے الفاظ نکلنے لگے، مما گھبرا کر مجھے آوازیں دے رہی تھیں، انہوں نے میرا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا، میرے اندر سکون کے بجائے بے چینی دوڑنے لگی، میں کوشش کر رہی تھی کہنے کی کہ مجھے چھوڑ دیں مما...... مگر میرے منہ سے کچھ آواز نہیں نکل رہی تھی، غنودگی سی طاری ہو رہی تھی، مما چیخ، چیخ کر کسی کو بلا رہی تھیں اور میں سو رہی تھی......

☆☆☆

"مجھ سے ناہید آپی نے بات کی ہے دوبارہ نبیل اور ببلی کے رشتے کے لیے......" عمر میری طرف ہی دیکھ رہے تھے اس لیے نظر نہیں چرائی جا سکتی تھی۔

"اچھا! کب؟" میں نے سوال کیا۔

"آج جب میں ان کو ان کی سسرال چھوڑنے جا رہا تھا، نبیل بھی ساتھ ہی تھا......" عمر نے جواب دیا۔

"بلکہ نبیل انتہائی شرمندہ تھا اور معافی مانگ رہا تھا۔"

"آپ سوچ لیں، اماں سے مشورہ کر لیں...... جو آپ کو مناسب لگے!"

"اماں تو شروع دن سے اس رشتے کی خواہش مند ہیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ ناہید آپی کے دل میں یہ خیال انہوں نے ہی ڈالا ہو۔"

"ببلی کی ماں سے بھی بات کر لیں آپ!" میں نے رائے دی، ببلی کی زندگی کا اہم ترین فیصلہ تھا، اس کی پیدا کرنے والی ماں کا بھی تو کوئی حق بنتا تھا۔

"ببلی کی ماں سے ہی بات کر رہا ہوں۔" انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ "تمہیں کوئی شک ہے اس کی ماں ہونے میں؟" میرا سیروں خون بڑھ گیا، میں خاموش تھی۔ "پوچھا ہے کچھ تم سے نیل پیاری!"

"مجھے تو کوئی شک نہیں عمر...... آپ ہی کبھی کبھار شک میں پڑ جاتے ہیں۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "یوں بھی ملیحہ نے اسے جنم دیا ہے، اس سے پوچھنا آپ کا فرض ہے، آپ نہ سہی، اماں پوچھ لیں۔"

"اس نے صرف جنم ہی دیا ہے اپنے بچوں کو نیل، اس کی ان بچوں سے کوئی جذباتی وابستگی ہے نہ ذہنی ہم آہنگی، ان بچوں نے ہر خوشی اور تکلیف کو تمہارے ساتھ ہی شیئر کیا ہے، انہوں نے ہمیشہ تمہیں ہی اپنی ماں سمجھا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ملیحہ ہی ان کی حقیقی ماں ہے...... کیا تم نے ان میں سے کسی کو بھی ملیحہ کو یاد کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ کیا کسی کو اس سے بات کرتے ہوئے سنا ہے، کیا انہوں نے کبھی ماں کی

کسی بات کا حوالہ دیا ہے؟"

"کیوں؟" میں نے واقعی سوچا کہ ایسا ہی تھا۔

"کیا آپ نے ان کو منع کر رکھا ہے میرے سامنے ماں کی بات کرنے سے؟"

"ارے نہیں......" وہ ہنسے۔ "تم نے انہیں ان کی ماں کا بہترین نعم البدل دے دیا ہے نیل!" میرے گال لال ہو گئے۔ "تم ایک سمجھدار اور پڑھی لکھی عورت ہو، فراخ دل ہو، کھلا ذہن رکھتی ہو......تم نے ان بچوں کی شخصیات کو مثبت بنایا ہے، وہ فقط تمہارے بارے میں ہی نہیں بلکہ ہر چیز کے بارے میں مثبت سوچتے ہیں۔"

"بس کریں عمر......" میں شرما گئی، عمر نے اتنا کھلا اعتراف کب کیا تھا بھلا اس دن سے پہلے۔

"تو پھر کیا کہتی ہو تم میرے سوال کے جواب میں؟" عمر نے پھر سوال کیا۔

"میرا دل تو کہتا ہے کہ نبیل، ببلی کو بہت خوش رکھے گا۔" میں نے کہا۔

"صرف نبیل کا ببلی کو خوش رکھنا اہم نہیں......ببلی کا بھی نبیل کو خوش رکھنا بھی اہم ہے نیل......ورنہ میری کہانی دُہرائی جائے گی ایک دفعہ پھر......"

"اللہ نہ کرے!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "اللہ تعالیٰ ان دونوں کو آپس میں ہمیشہ خوش رکھے۔"

"اچھا میں سمجھا کہ تم کہنا چاہ رہی تھیں......" عمر کے چہرے پر شرارت تھی۔ "اللہ نہ کرے کہ ایک اور نیلم، عمر کے تیر نظر کا شکار ہو جائے۔" ان کا قہقہہ سننے کے لائق تھا، میں فقط مسکرا دی، کئی زخموں کے ٹانکے کھلنے لگے تھے۔

"تو پھر کب ارادہ ہے ناہید آپی کا؟" میں نے بات کا رخ بدلا۔

"ارے ہاں، کل تو وہ تمہاری مما کے پاس جانا چاہ رہی ہیں، خالو کی وفات کا افسوس کرنے کے لیے۔" عمر کو یاد آیا...... "ویسے ایک بات پوچھوں نیلم؟"

"جی فرمائیں؟" میں نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

"میں دو ایک بار ہی ملا تھا تمہارے خالو سے، اور خالہ سے تو کئی بار ملا ہوں......" وہ رکے۔

"اچھا تو؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے کہنا تو نہیں چاہیے مگر......" وہ کچھ کہتے، کہتے رک گئے۔ "اتنی بے جوڑ شادی میں نے آج تک نہیں دیکھی......میری ملیحہ کے ساتھ بے جوڑ شادی سے بڑھ کر مجھے تمہارے خالہ اور خالو بے جوڑ لگے۔" عجیب حیرت ناک سی بات کی تھی عمر نے۔

"کیوں؟ بے جوڑ کس طرح لگی آپ کو شادی؟" میں نے سوال کیا۔

"بس تمہاری خالہ اور طرح کی ہیں اور خالو بالکل گائے جیسے تھے بیچارے......"

"خالہ کیا اور طرح کی ہیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا، دل میں مجھے ان کا اس طرح کہنا برا بھی لگا۔

"بھئی ناراض نہ ہو، خالہ ہیں تمہاری......معذرت کے ساتھ تبصرہ کر رہا ہوں......مگر رشتے میں وہ میری خالہ ساس ہیں......مگر...... مجھے ان کی نظر میں اس رشتے کی مناسبت سے کچھ بھی درست نہیں لگا۔"

"خالہ ساس تو ہیں رشتے میں مگر وہ ہم سے عمر میں چند سال ہی بڑی ہیں اور مما، پاپا انہیں بیٹی کی طرح سمجھتے ہیں تو وہ بھی ہمارے ساتھ ہماری بہنوں کی طرح ہی ہیں......خالہ تو وہ بس نام ہی کی ہیں۔" میں نے خالہ کے اس رویّے کا دفاع کیا جو عمر نے محسوس کیا تھا۔

"اچھا چلو......" عمر نے بات پلٹی۔ "سو جاؤ اب اور صبح ناہید آپی سے بات کر کے پروگرام بنا لینا اپنی مما کی طرف جانے کا، اماں بھی غالباً جانا چاہتی ہیں۔" وہ کروٹ لے کر سو گئے مگر مجھے ان کی خالہ کے بارے میں رائے اور ان کے بارے میں بات کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔ مما سے کہوں گی کہ وہ خالہ کو سمجھائیں کہ کچھ رشتوں میں احترام اور فاصلے تقاضا ہوتے ہیں، سو وہ آئندہ عمر کے ساتھ محتاط رویّہ اختیار رکھیں، جانے ان کی کس بات سے عمر نے ایسی رائے قائم کی تھی۔

☆☆☆

آئے تو وہ سب لوگ خالو کا افسوس کرنے کے لیے تھے مگر فاتحہ کے بعد سارا وقت موضوع میری ذات رہی، مجھے اچھا نہیں لگا، عمر بھائی کی ناہید آپی مجھ سے میری گزشتہ شادی، اسود، اس کے باپ اور میری ملازمت کے بارے میں باتیں کرتی رہیں، ان کی والدہ مما کے ساتھ بات کر رہی تھیں اور نیلم، صدف کے کمرے میں اس کے پاس تھی جو ایک بار پھر اسپتال سے لوٹی تھی، مما کے ساتھ بات کرتے، کرتے اسے جانے کس نوعیت کا دورہ پڑا تھا کہ اسے فوری طور پر ایمبولینس منگوا کر اسپتال لے کر جانا پڑا، اسے ایک بار پھر ڈیپریشن کا دورہ پڑا تھا، وہ تین دن تک اسپتال میں رہی تھی، احمد بھی اس کی بیماری کا سن کر آن پہنچا تھا۔

"آگے کیا ارادہ ہے اب آپ کا فائقہ؟" ناہید آپی نے مجھ سے پوچھا تھا۔

"ہمارے ارادوں کا کیا ہوتا ہے آپی، ساری بات تو اللہ کے فیصلوں کی ہوتی ہے...... میں نے ارادہ کرنا چھوڑ دیا ہے، سب کچھ اللہ پر ہے، میں اب کوئی منصوبہ بھی نہیں بناتی، اپنی زندگی کو اپنے بیٹے کے گرد گزارنے کا سوچتی ہوں، اسے معاشرے کا ایک مثبت فرد بنانا چاہتی ہوں، اپنے ماں، باپ کو اپنی سوچوں سے آزاد کرنا چاہتی ہوں، اسی لیے ملازمت کر کے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لیے کوشاں ہوں۔" میں نے گہری سانس لی۔

"ماں باپ کی پریشانی یہ نہیں ہوتی کہ بیٹیاں اپنے پیروں پر کھڑی ہیں کہ نہیں...... ان کی پریشانی ہوتی ہے کہ ان کی بیٹیاں اپنے گھروں میں شاد اور آباد ہوں۔"

"بصد افسوس...... میں اپنے ماں باپ کو یہ خوشی نہیں دے سکی مگر کوشش کرتی ہوں کہ انہیں میری طرف سے ذرا سی تکلیف وہ سوچ نہ ملے...... درد بھی ہو تو نہیں بتاتی میں انہیں۔" جانے کیوں میں ان سے یہ سب باتیں کر رہی تھی، شاید انہیں گُر آتا تھا گفتگو کا کہ ہمارے درمیان لگ بھگ ایک گھنٹے تک بات ہوتی رہی تھی اور وہ بھی میری ذاتی زندگی کی بابت۔

چاہتوں کا مکاں

ایک مدت سے تعمیر کر رہی ہوں میں
چاہتوں کا مکاں
جس میں کڑی سزائیں
بے التفاتی
نفرتوں کی ہر ایک گٹھڑی کو
دفن کر کے
میں نے خشتِ الفت سے
بنیاد رکھی ہے اس مکاں کی
سو جس کی بنیاد میں ہو شامل
پُرخلوص جذبے، ہزار چاہتیں
بھلا وہ مکیں اس کے اثر سے
کب تلک رہ سکتے ہیں دور اس سے
میں بھی اسی یقیں کے سہارے
گزار رہی ہوں یہ لمحے سارے
کبھی تو چھینٹیں پڑیں گی دل پر
نفرتوں کے موسم چھٹیں گے دل سے
تمہارے قلب تک میری رسائی ہوگی
تمہاری بے رحم طبیعت کو
میری محبتوں سے آشنائی ہوگی
زندہ ہوں میں اسی یقین کے سہارے
گزار رہی ہوں یہ لمحے سارے

شاعرہ: حمیرا نوشین، منڈی بہاؤالدین

"آپ دوسری شادی کا سوچیں فاطمہ......" انہوں نے ہولے سے کہا کہ کوئی اور سن نہ لے۔ "ایک یہی چیز آپ کے والدین کو سکون دے گی۔" وہ مفت مشورہ دے رہی تھیں، مجھے برا لگا۔ وہ کون تھیں مجھے ایسا مشورہ دینے والی؟ اس طرح کی بات تو اتنے سال گزر جانے پر بھی نہ میرے والدین نے کی تھی نہ کسی بہن نے۔ "ایک بہن بن کر مشورہ دے رہی ہوں، مجھے یقین ہے کہ آپ کے ماں، باپ اور آپ کی بہنیں بھی یہی چاہتی ہوں گی۔"

عشا کے لیے وضو کرتے ہوئے اس رات پہلی بار...... میں نے غور سے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ اور خود سے پوچھا، کیا مجھے اشعر سے اتنی محبت تھی کہ میں نے اسے چھوڑنے کے بعد آج تک کسی اور کے بارے میں سوچا بھی نہیں؟ وہ تو اپنی دنیا بسا چکا، میں مشقت کی چکی میں تنہا ہوں، اسود ابھی اتنا چھوٹا ہے...... منزل تک کا طویل سفر کیا تنہا ہی گزرے گا؟ کسی سوال کا جواب نہیں پایا میں نے اس آئینے سے۔ نماز ختم کرکے جانماز تہ کی، اسود کو بازوؤں کے حلقے میں لے کر لیٹی، نیند کہیں روٹھ گئی تھی مجھ سے...... "کیوں سوچ رہی ہوں ایسا میں، کیا اسود کو کوئی اور مرد قبول کرسکتا ہے جسے اس کے باپ نے بھی مجھ سے نہیں مانگا؟" میں نے اسود کا ماتھا چوما، ایک سوچ نے ذہن کو مکڑی کے جالے کی طرح جکڑ لیا، مما اور پاپا کے درمیان جو کچھ چل رہا تھا اس کے بعد، میرا کسی اور نئی منزل کی طرف سفر کا سوچنا تو درکنار، مجھے تو اپنی باقی بہنوں کی شادیاں بھی خطرے میں نظر آرہی تھیں۔

میرے فون پر پیغام کی ٹون بجی، میں نے فون اٹھایا، ثانیہ خالہ کا پیغام تھا۔ "تم سے ملنا چاہتی ہوں، جلد از جلد......" میرے دل سے نفرت کی ایک شدید لہر اٹھی تھی۔ مجھے پھر وہ مناظر یاد آنے لگے...... خالو کی بھتیجی کی باتیں یاد آنے لگیں جس نے اس صبح پاپا کو ان کے گھر سے جاتے ہوئے دیکھا تھا...... پاپا کے الفاظ یاد آنے لگے کہ اس دورۂ ملتان کے دوران ان کا چکر ہی نہ لگا تھا خالہ کے ہاں اور خالہ کے بیڈروم سے ملحقہ باتھ روم میں پاپا کی اسی قمیص کا ایک کف لنک جو انہوں نے اس وقت بھی پہن رکھی تھی...... وہ کوئی اور ہی داستان کی کڑیاں تھیں...... جانے کب سوچتے، سوچتے میں نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

☆☆☆

چھوٹی سی تقریب تھی، صرف ہم گھر کے چند لوگ...... عمر نے ملیحہ کو بھی نہیں بلوایا تھا، بلی پچھلے ہفتے ماں سے ملنے گئی تھی اور اسے عمر نے کہہ کر بھیجا تھا کہ وہ اپنی ماں کو اس رشتے کے طے ہونے کا بتا دے۔ ناہید آپی کی سسرال سے تقریباً تیس لوگ تھے، عمر نے ایک بہترین ہوٹل میں شایانِ شان بندوبست کیا تھا، نبیل نے ہلکے سے کام والے سنہری جوڑے میں ملبوس بلی کو انگوٹھی پہنائی تو تالیاں گونج اٹھیں، بلی ہلکے میک اپ میں شرما رہی تھی، اس کے چہرے کی مسکراہٹ...... اس کی دلی خوشی کی داستان کہہ رہی تھی، عمر میرے ساتھ کھڑے تھے، ان کی نظریں بھی بلی کے چہرے پر مرکوز تھیں، میں نے آگے بڑھ کر انگوٹھی بلی کو پکڑائی، اس نے شرماتے ہوئے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے نبیل کو انگوٹھی پہنائی اور ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔

ناہید آپی، عمر کو گلے لگا کر رو دیں، اس جذباتی منظر نے کئی آنکھوں کو بھگو دیا۔ اماں صوفے پر سے اٹھیں اور دونوں بچوں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ دیر تک تصویریں کھینچی جاتی رہیں، بلی اور نبیل اسٹیج پر ساتھ، ساتھ، ایک پیاری سی جوڑی، سب کی توجہ کا مرکز...... جب سب گروپوں کی تصاویر مکمل ہوگئیں تو کھانا کھایا گیا۔ میں اور عمر ہر طرف مہمانوں کو دیکھ رہے تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ کھانا اچھے طریقے سے کھائیں، سکندر، حاشر اور خضر بھی سیاہ سوٹوں میں ملبوس اس روز ذمے داری کے ساتھ ہماری طرح مہمانوں کو وقت دے رہے تھے اور ان کا خیال رکھ رہے تھے۔ کھانے کے بعد باقی مہمان ایک، ایک کرکے رخصت ہوئے، ناہید آپی اس روز اپنی سسرال چلی گئیں کیونکہ وہ ان

لوگوں کے ساتھ ہی آ ئی تھیں۔

اگلے روز وہ صبح ہی واپس آ گئیں...... نبیل ان کے ساتھ نہیں آیا تھا، وہ اپنے چچا سجاد کے ساتھ گاؤں چلا گیا تھا جہاں ان دونوں نے زمینوں کے معاملات دیکھنا تھے۔ عمر دفتر چلے گئے تو لاؤنج میں، میں، اماں اور ناہید آپی بیٹھے تھے۔

''میں تمہاری بہت مشکور ہوں نیلم......'' ناہید آپی نے کہا۔ ''اماں ہمیشہ تمہاری بہت تعریف کرتی ہیں اور عمر بھی تم سے بہت خوش ہے، اب میں بھی تمہارے قصیدہ گویوں میں شامل ہو گئی ہوں اس احسان کے بعد۔''

''کون سا احسان آپی؟'' میں نے کسرِ نفسی سے کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ عمر کتنا ہٹیلا ہے، ایک بار جس بات پر نہ کہہ دے تو اس پر ہاں نہیں کہتا اور ایک بار جس شے پر انگلی رکھ دے...... اسے لیے بغیر ہٹتا نہیں...... یہ اس کی بچپن کی عادت ہے اور نبیل کے رشتے کے معاملے میں جو کچھ ہوا، میں اس پر خود بھی شرمندہ ہوں۔ دوبارہ دستِ سوال دراز کیا تو پورا یقین تھا کہ عمر کبھی نہیں مانے گا، اماں کی وہ کوئی بات نہیں ٹالتا مگر اس نے اماں کو بھی انکار کر دیا، یہ بھی جانتی ہوں کہ اسے منانے میں تمہیں کن کٹھنوں سے گزرنا پڑا ہوگا، چاہے تم لاکھ اس کی من پسند بیوی ہی سہی!'' وہ اپنے بھائی کو خوب سمجھتی تھیں۔

''میں نے جو کچھ کیا وہ کسی پر احسان نہیں آپی! معاملہ نبیل اور بلبلی کی خوشی کا ہے تو مجھے عمر سے بات کرنا ہی تھی۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اماں کو عمر نے انکار نہیں کیا تھا بس یونہی دو چار جذباتی باتیں کہہ دی تھیں ورنہ اگر اماں کو انکار کر دیتے تو میری کیا تاب تھی اس کے بعد۔''

''میں اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں...... وہ بہت شدت پسند ہے اور یہ شدت اس کے رویوں میں بھی ہے...... جن سے پیار کرتا ہے ان کا دل بھی بہت بری طرح دکھاتا ہے اور کمال یہ ہے اس کا کہ اسے علم بھی نہیں ہوتا کہ اس کے الفاظ کس طرح کسی کے دل پر نشتر چلاتے ہیں۔''

''ارے نہیں آپی...... عمر تو بہت پیار کرنے والے، بہت خیال رکھنے والے بیٹے، بھائی، باپ اور شوہر ہیں۔'' میں نے عمر کا دفاع کیا۔

''اس میں تو کوئی شک نہیں۔'' اماں نے کہا۔

''وہ اچھا ہے، اچھا بیٹا، بھائی اور باپ...... شوہر اچھا نہ بن سکا کہ اس کا دل مائل نہ تھا، اسی لیے تو چار بچے ملیحہ سے ہونے کے باوجود میں نے اسے اجازت دے دی کہ اسے چھوڑ کر اپنی مرضی کی لڑکی سے دوسرا بیاہ کر لے...... زندگی ایک بار ملتی ہے اور جو اسے گزارہا ہوتا ہے وہی جانتا ہے، اسے ناخوش دیکھ کر میرا دل تڑپتا تھا، ان بچوں پر بھی ترس آتا تھا جو مجبوری کے رشتے میں بندھے اس دنیا میں آ گئے تھے...... جانتی تھی کہ دنیا میں کوئی ایسی لڑکی نہ ہوگی جو عمر کے معیارِ نظر پر پوری بھی اترے اور عمر کے بچوں کو بھی قبول کرلے...... مگر نیلم نے ثابت کر دیا ہے کہ میری سوچ غلط تھی۔'' اماں بھی کھلے دل سے میری تعریف کر رہی تھیں۔

''بہت پیاری ہے میری بھابی، اماں!'' ناہید آپی نے مجھے ساتھ لگا لیا۔ ''ابھی مجھے تم سے ایک اور اہم کام بھی ہے نیلم!''

''اچھا وہ کیا کام ہے؟'' میرا اندازہ تھا کہ وہ اپنے اسی قیام کے دوران شادی کے لیے بھی کہیں گی۔

''آپ حکم کریں!''

''وقت آئے گا تو بتاؤں گی۔'' ناہید آپی نے بات بدلی۔ ''ابھی وقت نہیں آیا۔''

''ویسے مجھے کچھ اندازہ ہے کہ آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''جو بات مجھے تم سے اب کہنی ہے، اس کا اندازہ کوئی بھی نہیں لگا سکتا...... تاہم ابھی میں اس سلسلے میں کوئی بات کہہ نہیں سکتی!'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا...... چلیں میں چائے بنوا کر لاتی ہوں۔'' میں اٹھ کر کچن کی طرف جانے لگی۔

"ویسے اماں نیلم جیسی سمجھدار لڑکی کے انتخاب پر عمر کو جتنی داد دی جائے کم ہے...... اچھی بیوی ہے، اچھی بہو اور بھابی ہے اور عمر کے بچوں کے لیے بہت اچھی ماں ثابت ہوئی ہے۔" کاریڈور میں مڑتے ہوئے مجھے ناہید آپی کی آواز سنائی دی۔

"کیونکہ اس کے پاس ان بچوں کی اچھی ماں بننے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ہے......" اماں کی آواز کافی دھیمی تھی، مجھے چلتے، چلتے بریک لگ گئی۔

"نیلم کے اپنے بچے نہیں ہو سکے کیا؟" ناہید آپی نے پوچھا۔ "کسی ڈاکٹر وغیرہ کو دکھاتی۔"

"ٹھیک ہو گی وہ بالکل...... کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی اسے ڈاکٹر کو دکھانے کی!" اماں نے بے پروائی سے کہا۔ "عمر خود احتیاط کرتا ہے۔"

"ملیحہ سے نہ چاہنے کے باوجود اس کے چار بچے ہو گئے اور اب کیوں احتیاط کرتا ہے...... وہ تو دس بچے بھی افورڈ کر سکتا ہے اماں، ایک بچہ نیلم سے بھی ہو جاتا، وہ بھی اپنے بچے کی ماں کی ممتا سے لطف اندوز ہوتی۔"

"جو اس کا اپنا ایک بھی بچہ ہو جاتا تو عمر کے بچے رُل رہے ہوتے پگلی!" اماں نے خفگی سے کہا۔ "اس کے اپنا بچہ نہیں ہوا تو ان بچوں کو توجہ مل رہی ہے، ممتا ملنا اتنا ضروری نہیں، اہم یہ تھا کہ ان بچوں کی تربیت اچھی ہو جاتی، کوئی شک نہیں کہ نیلم نے ان بچوں پر... بھرپور توجہ دی ہے اور ان کی زندگیوں میں ماں کا خلا نہیں آنے دیا۔"

"آپ کو چاہیے تھا کہ آپ عمر سے کہتیں بلکہ اصرار کرتیں کہ ایک بچہ اور پیدا کر لیتا، ماں بننا ہر عورت کا فطری حق ہے، اس حق سے اسے اللہ کے سوا کوئی محروم نہیں کر سکتا۔"

"عمر کا کیا ہے......" اماں نے ان کی بات کاٹی۔ "اس کا تو ذہن ہی اس طرف نہ جاتا اور چار اور بچے پیدا کر لیتا...... وہ تو میں نے ہی اس کے سامنے نیلم کے ساتھ شادی کے لیے شرط رکھی کہ وہ ملیحہ کو بھی فارغ کر دے اور دوسرا یہ کہ نیلم سے کوئی اور بچہ بھی پیدا نہ کرے...... اس کے ذہن پر تو اس وقت نیلم کے عشق کا بھوت سوار تھا، اس کی عقل ہی کہاں ٹھکانے تھی۔"

چھت گری تھی شاید مجھ پر...... میں نے چلنے کی کوشش کی مگر غالباً میری ٹانگیں ملبے تلے دب گئی تھیں۔

"ملیحہ پڑی رہتی ایک طرف، اپنے بچے خود پالتی، اسے بھی طلاق دلوا دی آپ نے...... اس کے اور بچے ہو جاتے، کوئی کمی ہے کیا عمر کو؟ کیا اس بیچاری کا دل نہیں چاہتا ہوگا کہ اس کے بھی اپنے بچے ہوں؟"

"اسے ایک کونے میں پڑا رہنے دیتا، اس کے اور نیلم کے حقوق میں برابری نہ کرتا تو روزِ قیامت اللہ کو کیا منہ دکھاتا، میں اپنے بچے کو اللہ کے سامنے شرمندہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی...... اور یوں بھی ملیحہ سے جو بچے ہیں وہ ہمارا اپنا خون ہیں، اس خاندان کی خالص نسل ہے...... نیلم سے بچے پیدا کر کے کیا ہم اپنی نسل میں کھوٹ شامل کر لیتے؟" وہ تفاخر سے کہہ رہی تھیں۔

اپنے بیٹے کو دو بیویوں میں انصاف نہ کرنے پر اللہ کے سامنے روزِ قیامت شرمندہ نہ کرنے کی خواہش مند ماں...... اس کی بیوی کو اولاد پیدا کرنے کے حق سے محروم کرنے پر شرمندہ نہ تھی۔ مجھ سے ہلا تک نہیں جا رہا تھا، شاید کافی دیر ہو گئی تھی، میں ڈھے گئی تھی، اب کانوں میں آوازیں بھی نہیں آ رہی تھیں...... ناہید آپی کا ہیولہ نظر آیا، وہ شاید اسی طرف آ رہی تھیں...... میں نے اٹھنے کی ناکام کوشش کی، وہ گھٹنوں کے بل میرے پاس بیٹھ گئیں۔

"کیا ہوا نیلم؟" میرے کانوں نے سنا۔

"اماں......" وہ چیخ کر بولی تھیں۔ "گھنٹی بجا کر کسی کو بلائیں...... نیلم گر گئی ہے، پاؤں پھسل گیا ہے شاید یا پھر بلڈ پریشر کم ہو گیا ہے......" میرے اردگرد ہر طرف آوازیں ہی آوازیں تھیں، گھنٹیاں بج رہی تھیں، کوئی سائرن بجا تھا، گاڑیوں کے ہارن بھی تھے، بہت سے لوگ بھی تھے...... سفید لباسوں میں ملبوس، شاید فرشتے...... کیا میں مر رہی تھی؟ میں سو گئی تھی وہیں بیٹھے، بیٹھے، آنکھ کھلی تو کوئی اور کمرا تھا مگر عمر میرے پاس تھے،

میرا ہاتھ پکڑ کر بیٹھے ہوئے، چہرے پر پریشانی کا لیپ!
"میں کہاں ہوں؟" میں نے خشک ہوتے ہوئے لبوں سے سوال کیا۔

"سو جاؤ میری جان......" عمر نے میرے ماتھے پر بوسہ دیا۔ "تم اسپتال میں ہو، شاید چکر آیا تھا اور تم گر گئی تھیں۔"

"ہوں......" میں سوچنے لگی کہ کیا ہوا تھا، سب کچھ یاد آ رہا تھا، اپنی نارسائی کا دکھ میری آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت بہنے لگا......

"رو کیوں رہی ہوں جان؟ کیا درد ہو رہا ہے؟" عمر نے پوچھا تھا، ناہید آپی کمرے میں آ گئی تھیں۔

"ہوں......" یہ مشکل میرے منہ سے نکلا تھا، درد ہی تو تھا جس نے پوری زندگی کو اپنے حصار میں لے لیا تھا، میں بے قصور تختۂ دار پر لٹکی ہوئی تھی، بیٹے شادیاں چاہے جہاں بھی کرنا چاہیں کر لیں، خاندانی یا غیر خاندانی عورتوں سے تو قبول کر لی جاتی ہیں مگر ان سے اولاد قبول نہیں ہوتی کہ خاندان میں کھوٹ شامل ہو جاتی ہے...... آنسو لڑی کی طرح میری آنکھوں سے رواں تھے...... ناہید آپی نے بیٹھ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔

"عمر ڈاکٹر نے کیا بتایا ہے، کیوں چکر آیا ہے اسے؟"

"ڈاکٹر کا اندازہ ہے کہ اسے کوئی شاک پہنچا ہے، تاہم کچھ ٹیسٹ کیے ہیں انہوں نے جن کی رپورٹ آنے پر ہی اندازہ ہوگا کہ کیا ہوا ہے...... مگر مجھے حیرت ہے کہ اسے شاک کس بات سے پہنچا ہوگا۔"

میں نے آنکھ کھولی، ناہید آپی میرے چہرے کی طرف ہی دیکھ رہی تھیں، شاید کچھ اندازہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

☆☆☆

"کیا بات کرنی ہے آپ کو مجھ سے اکیلے میں اور جلدی؟" میں نے چوبیس گھنٹے گزر جانے کے بعد خالہ کے پیغام کا جواب دیا، انہیں بتانا چاہ رہی تھی کہ ان کی کوئی اہمیت میری نظر میں نہ تھی۔ میرا رویہ ہمیشہ ہی ان کے ساتھ اکھڑا اکھڑا سا رہتا تھا اور بہت کھل کر میں نے انہیں اس کی وجہ بھی بتا دی تھی مگر وہ بھی کسی ڈھیٹ مٹی سے بنی تھیں اور مما کو تو اپنی معصوم بہن پر کبھی شک ہی نہ ہوتا تھا۔

"خدا کے لیے اس طرح بات نہ کرو...... میں بہت تکلیف میں ہوں۔" ان کا جواب آیا، مجھے خوشی ہوئی کہ دوسروں کو تکلیف دینے والوں کو بھی کوئی تکلیف ہوئی۔

"چہلم پر ملتان آئیں گے تو بات ہوگی......" میں نے لکھا۔

"پاہ...... کون جانے!" ان کا مبہم سا پیغام آیا۔

"تم بھی نہیں میں؟"

"میں تو عدت کے باعث آ نہیں سکتی...... کاش تم سمجھ سکو کہ تم سے میرا ملنا کس قدر ضروری ہے۔" ان کا پیغام آیا، میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ دل میں بے چینی نے گھر کر لیا، جانے کیا کہنا چاہ رہی تھیں وہ...... مما سے پوچھا کہ خالہ کے پاس چلی جاؤں؟... تو انہوں نے اعتراض کیا کہ گرمی ہے اور اسود کے لیے جانا ٹھیک نہیں...... اکیلے جانا چاہوں تو چلی جاؤں۔ صدف بھی مما کے پاس تھی مگر اس کے پاس اسود کی ذمے داری چھوڑ کر جانا ممکن نہ تھا کہ وہ خود تندرست نہ تھی اور جب سے احمد آ گیا تھا اس کے بعد سے اس کا زیادہ وقت پھپھو کی طرف گزرتا تھا۔

"آپ اسود کو رکھ لیں، خالہ عدت میں ہیں اور تنہا بھی، ہم لوگ قل کے بعد سے گئے نہیں اور چہلم میں ابھی کافی دن ہیں......" میں نے مما کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا، کوئی ان کی چہیتی بہن کا اتنا خیال رکھے تو مما تو خوش ہوں گی۔

"چلو انتظار کر لو، جب تمہارے پپا کا کوئی ملتان کا دورہ نکلا تو تم ان کے ساتھ چلی جانا......"

"مما میں فلائٹ پکڑ لیتی ہوں......" میں نے آسان حل پیش کیا۔ اسود کی تو یوں بھی چھٹیاں تھیں اور اس کی وابستگی مما کے ساتھ زیادہ تھی۔

"جس طرح تم مناسب سمجھو......" مما نے ہتھیار ڈال دیے، میں نے اپنی تیاری کی اور خالو کی بھتیجی نادیہ

کے لیے کڑھائی والے دوسوٹ بھی خرید لیے، وہ باتونی سی لڑکی...... بڑے کام کی باتیں جانتی تھی۔

☆☆☆

ناہید آپی نے خود ہی عمر سے بات کی تھی اور ان سے درخواست کی تھی کی ایک اور تقریب رکھ کر نبیل اور بلی کا نکاح کر دیا جائے تاکہ نبیل اس کے ویزا کے لیے درخواست جمع کروا دے...... یہی ایک بات تھی جو میں سمجھ رہی تھی کہ ناہید آپی عمر سے منوانا چاہتی ہوں گی اور مجھ سے سفارش کروانا چاہتی ہوں گی۔ عمر سے خود بات کر کے انہوں نے میرے اس شبہے کی تردید کر دی تھی، اب مجھے تجسس تھا کہ انہیں اور کیا بات منوانا تھا، کسی اور بچے کا رشتہ تو ان کے کسی بچے کے ساتھ ہو نہیں سکتا تھا۔

اسپتال سے اگلے روز ہی مجھے فارغ کر دیا گیا تھا، چند سکون آور دواؤں کے ساتھ ڈاکٹر نے عمر سے کہا تھا کہ مریضہ کو خوش رکھیں، انہیں کسی بات سے فوری طور پر ایسا صدمہ پہنچا تھا جس کے باعث ایسی حالت ہوئی تھی۔ میں نے عمر کو منع کیا تھا کہ مما کی طرف یہ بات نہ پہنچے کہ میں اسپتال میں تھی، پہلے ہی صدف کی طرف سے پریشانیاں کیا کم تھیں کہ مما کو میرے بارے میں بھی اطلاع ملتی۔

''مگر مجھے بتاؤ تو سہی میری جان کہ تمہیں ہوا کیا تھا، کس بات پر اتنا صدمہ پہنچا کہ......'' عمر پوچھ رہے تھے اور میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

''مجھے یاد نہیں کہ مجھے کیا ہوا تھا......'' نقاہت کے علاوہ جھوٹ بولنے سے میری زبان سوکھنے لگی تھی۔

''بس تم خوش رہا کرو...... کوئی دکھ ہے تو وہ مجھے دے دو، کھل کر بات کرو...... کیا بات تمہیں پریشان کر رہی ہے......؟'' عمر مجھے بہلا رہے تھے اور میرے زخموں پر جیسے کوئی نمک چھڑک رہا تھا۔ ''اماں بھی تمہارے یوں بیمار پڑ جانے سے بہت پریشان ہیں۔'' دوسروں کی زندگیوں کو کٹھ پتلیوں کی طرح چلانے والی اماں بھی پریشان تھیں...... دل تو چاہ رہا تھا کہ ان کے سامنے جا کر ان سے کہوں کہ کیا دکھ ہے مجھے اور کس طرح میں عمر بھر ان کی منافقت اور ان کی سازش کا شکار ہوئی تھی مگر اس کے لیے شیر کا کلیجا چاہیے تھا۔

☆☆☆

''میں بولوں گی اور تم صرف سننا...... پھر فیصلہ کرنا!'' انہوں نے میرا ہاتھ تھام کر کہا، میرے اندر غصے کی ایک شدید لہر اٹھی، میں نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چھڑایا۔

''بات کریں آپ......'' میں نے دانت بھینچ کر کہا۔

''میں پانچ برس کی تھی یا چھ کی...... حنا آپی کی شادی ہوئی، وہ میرے لیے ماں جیسی تھیں، اماں کے پاس کہاں وقت تھا کہ وہ مجھے سنبھالتیں، مجھ سے بڑے بہن بھائی جوان بھی تھے اور اماں ان کی ذمے داریوں میں مصروف تھیں، وہ میری پیدائش پر شرمندہ سی رہتیں...... میں تو کسی بے ضرورت سامان کی طرح اس دنیا میں آ گئی تھی۔ آپی کی شادی میرے لیے ایک ناقابلِ تلافی نقصان جیسی تھی، میری زندگی میں ایک ایسا خلا آ گیا تھا جس کو کوئی اور پُر نہیں کر سکتا تھا، میں اپنی ذات میں تنہا ہو گئی، گھر میں کسی اور کے پاس بھی میرے لیے وقت نہ تھا۔

''آپی کی شادی کے دو سال کے بعد ابا کی اچانک ایک حادثے میں وفات نے اماں کو مجھ سے اور بھی غافل کر دیا، وہ اپنے دکھ کو سینے سے لگائے اپنے کمرے میں پڑی رہتیں اور میں اپنی ذات میں اور بھی تنہا ہوتی چلی گئی، ایسے میں آپی آتیں تو میرے لیے سانس لینا آسان ہو جاتی، آپی کی مجھ سے وابستگی کے باعث دانیال بھائی ... بھی مجھ پر بہت توجہ دیتے، میرے لیے ہر دفعہ چاکلیٹ، کھلونے اور آئس کریم وغیرہ لے کر آتے، آپی آتیں تو ان کی اور اماں کی بے شمار باتیں ہوتیں، وہ دونوں آپس میں مصروف ہوتیں اور دانیال بھائی میرے ساتھ رہتے، وہ میرے ساتھ کھیلتے، مجھے گود میں لیے بیٹھے رہتے، مجھے پڑھاتے اور جب میں تھک جاتی تو میرے ساتھ لیٹ کر مجھے سلا دیتے......

''آپی کے ہاں بیٹی کی ولادت ہوئی تو وہ مہینوں ہمارے ہاں رہنے کے لیے آگئیں...... اس دوران بھی دانیال بھائی ہمارے ہاں آتے رہتے، ان کا آنا اب تواتر سے ہونے لگا، ساری توجہ حنا آپی اوران کی بیٹی پر مرکوز کیے ہوئے میری غافل ماں نے کبھی سوچا بھی نہیں کہ کوئی ان کی معصوم بیٹی کی معصومیت سے کیسے کھیل رہا تھا، شوہر اور داماد پر اعتماد کی حد کردی تھی میری بہن اور ماں نے...... '' وہ سسکیں۔ ''میں سات آٹھ سال کی عمر سے ان کے ہاتھوں پامال ہونے لگی...... اماں آپی کے پاس سوتیں اور مجھے مکمل طور پر دانیال بھائی کے حوالے کرتے ہوئے نہ میری ماں کے ذہن میں کوئی وسوسہ آیا نہ میری بہن کو کچھ خیال...... مجھے شروع میں سب کچھ بہت برا لگا مگر دانیال بھائی میرا اتنا خیال رکھتے تھے، میری ضروریات اور خواہشات بن پوچھے پوری کر دیتے...... اماں اور آپی ہر آئے گئے کو کہتیں کہ دانیال...... ثانیہ کو بیٹی کی طرح چاہتا ہے، اس کا اپنا باپ بھی ہوتا تو اس کا اتنا خیال نہ کرتا۔

''میں نے اگر کبھی دانیال بھائی کے پاس جانے یا سونے سے انکار کیا تو اماں اور آپی سے ڈانٹ سننا پڑ جاتی کہ وہ میرا اس قدر خیال کرتا ہے، مجھ سے اتنا پیار کرتا ہے اور میں اس کے پاس جانے سے کتراتی ہوں' کاش میری ماں اور بہن اس وقت اپنی آنکھیں کھلی رکھتیں، میرا سہما ہوا وجود اور خوفزدہ چہرہ دیکھ پاتیں جس پر دانیال بھائی کی دھمکیوں کے باعث ایک مستقل زردی چھا گئی تھی، میں اپنے ہی گھر میں جو ایک لڑکی کی پناہ گاہ ہوتا ہے...... اپنی ماں اور بہن کی موجودگی میں اپنی معصومیت کھو کر انتقام کی آگ میں جلنے لگی، دانیال بھائی پہلے مجھے اچھے لگتے تھے مگر اب برے لگتے تھے، بچپن کے لالچی دل میں انہوں نے اپنی نوازشوں سے گھر کر لیا تھا، وہ مجھے ایسے، ایسے خوب صورت تحائف دیتے تھے کہ میری عمر کی لڑکیاں خوابوں میں بھی نہیں دیکھ سکتیں۔

ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری، تیسری کے بعد چوتھی بیٹی کی ولادت آپی کے ہاں ہوتی رہی، اماں خود جوڑوں کی مریضہ تھیں تو مجھے ہی آپی کے پاس بھجوا دیتیں کہ جب آپی کو اسپتال جانا ہو تو باقی بچیاں گھر پر اکیلی نہ ہوں...... مجھے بچیوں سے زیادہ دانیال بھائی کی تنہائی کا علاج کرنا ہوتا تھا...... شعور کی منزل کو پہنچی تو احساس ہوا کہ میرے ساتھ بہت برا ہوا تھا اور ہو رہا تھا، میں اس میں اپنی اماں کو خاص طور پر قصوروار سمجھتی ہوں کہ ان کو کیوں علم نہیں ہوا، انہوں نے اپنے داماد پر شک کیوں نہیں کیا اور کیوں اپنی کم عمر بچی کو اپنی شادی شدہ بیٹی کے بستر پر دھکیل دیا تھا، مائیں تو اولاد کی نگہبان ہوتی ہیں، وہ تو زمانے کے اتار چڑھاؤ اور اونچ نیچ کو سمجھتی ہیں، میری ماں کی گھاگ نظروں نے کیوں اپنی بیٹی کو پامال ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اور جانا۔

''میں اسی طرح اپنی عمر سے کئی سال پہلے...... اس قدر سمجھ دار ہوگئی کہ اس ساری اونچ نیچ کو سمجھنے لگی، میں نے اماں سے کھل کر بات کی...... اس وقت جب مجھے علم ہوا کہ دانیال بھائی کی ساری احتیاطیں بیکار گئیں اور میں بری طرح پھنس چکی تھی، اس وقت صدف، آپی کی گود میں تھی، اماں بجائے اس کے کہ آپی کو بتاتیں یا داماد کو لتاڑتیں تا کہ وہ آئندہ باز رہے...... انہوں نے الٹا مجھے لتاڑ دیا، بے حیا...... بدذات، کمینی، لالچی، بدکردار اور جانے کیا کیا کہا، میرے اندر انتقام کے شعلے اور بھی بھڑکنے لگے۔ مجھے وہ ایک گھٹیا سے کلینک پر لے گئیں اور مجھے اس ''مصیبت'' سے نجات دلا کر وہ اپنی دانست میں بری ہو گئیں، آپی سے بات نہ کرنے کو کہا کہ اس کا گھر اجڑ جائے گا، اس کی چار بیٹیاں ہیں، میاں بیوی کے درمیان تعلقات خراب ہو جائیں گے، دنیا کیا کہے گی...... میں اپنی زبان بند رکھوں تو سب کچھ ٹھیک رہے گا، اسی دوران اماں نے ایک بے جوڑ سا رشتہ قبول کر کے جاوید سے میری شادی کردی۔

جاوید دور پار سے ابا کی طرف سے ہمارے

رشتے داروں میں سے تھا، وہ بچپن سے ہی ایک کمزور اور ست سا بچہ تھا، اس کی دادی کبھی کبھار اسے ہمارے ہاں لے کر آتیں جب تک ہماری دادی زندہ تھیں......

یہ بچہ گھر کے کونوں کھدروں میں چھپتا پھرتا، اس کی شخصیت میں اعتماد کا فقدان تھا، جسمانی طور پر کمزور ہونے کے علاوہ وہ ذہنی طور پر بھی کمزور تھا، پڑھائی میں بھی اپنی عمر کے لحاظ سے کئی سال پیچھے تھا، ہم اس بچے کے ساتھ کھیلنا بھی پسند نہ کرتے تھے، دادی کا اپنی کزن سے بہت پیار تھا جو وہ دادی کو ملنے ملتان سے آجاتی تھیں ورنہ ہمارے ہاں سے کوئی بھی ان کے ہاں نہ جاتا تھا کہ ہمارے اور ان کے معیار اور طرز رہائش میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ فقط ایک بار اس کی دادی کی وفات پر، دادی کے بے پناہ اصرار پر ہم ان کے ہاں ملتان گئے، اس وقت جاوید جوان تھا اور اس کے بھائیوں نے اسے سبزی منڈی میں آڑھت کا کاروبار سیٹ کر دیا تھا جسے جاوید کے ماں باپ فخر سے ہم سب کو بتا رہے تھے، واپسی پر اماں کے ماتھے کے بل ہی نہ اتر رہے تھے کہ اتنے گھٹیا رشتے داروں کے ہاں انہیں دادی کے مجبور کرنے کے باعث جانا پڑا تھا۔

جب میرے ساتھ اتنا بڑا واقعہ ہوا تو اماں کو علم ہوا کہ میں اب اس قابل تھی کہ میری شادی کر دی جائے، میری جسمانی اور ذہنی حالت کے باعث اماں کو جاوید کا رشتہ واحد مناسب رشتہ لگا تھا کہ اسے کسی بات کا فہم ہی کہاں تھا...... میں نے صاف انکار کر دیا تو اماں نے پھر آپی کو میدان میں اتارا، آپی نے مجھ سے بات کی اور منہ کی کھائی، تب انہوں نے خود ہی دانیال بھائی سے بات کی اور انہیں ذمّے داری سونپ دی کہ مجھ سے بات کریں۔ میں ان سے سخت ناراض تھی، اماں جانتے بوجھتے ہوئے بھی انہیں منع نہ کر سکیں اور یوں میں ایک بار پھر ان کے ہاتھوں مجبور ہو گئی، انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ میرا خیال رکھیں گے، مجھ سے رابطہ رکھیں گے اور جاوید سے شادی یونہی وقتی ہوگی، بالآخر تو انہوں نے ہی مجھ سے شادی کر لینا تھی، میں ان کے ہاتھوں ایک بار پھر بے وقوف بن گئی، جانتے ہوئے بھی کہ وہ میری بہن کا شوہر ہے اور اسے چھوڑے بغیر مجھ سے شادی نہیں کر سکتا......

"مجھ پر اس وقت اس بات کا غصہ بھوت بن کر سوار تھا کہ اماں اور آپی نے مجھ پر ظلم کیا تھا، زیادتی کی تھی، میں نے ناچار اس "عارضی" شادی کے لیے ہاں کر دی...... جاوید سے شادی ہو کر میں ملتان چلی آئی، یہاں کچھ بھی میرے ذہنی معیار کے مطابق نہ تھا، نہ شوہر، نہ اس کا گھر، نہ خاندان اور نہ ماحول...... جبکہ ان کی تو گویا لاٹری نکل آئی تھی، ان لوگوں نے مجھے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا مگر میں اپنی مدھ میں تھی، جاوید کے ہاتھ لگانے سے مجھے گھن آتی تھی، کہاں خوشبوؤں میں بسے، صحت مند اور اسمارٹ دانیال بھائی اور کہاں سوکھا مریل اور احساس کمتری میں مبتلا جاوید...... میں بہ مشکل اسے برداشت کرتی، زیادہ تر میکے چلی جاتی تھی۔

"دانیال بھائی ہمارے ہاں آئے اور بتایا کہ انہوں نے ملتان میں اپنا نیا کاروبار سیٹ کیا تھا اور اب ان کا آنا جانا لگا رہے گا، جاوید نے اصرار کر کے انہیں اپنے گھر رہنے کو کہا، دانیال بھائی کو ایک چور دروازہ مل گیا تھا، ہم اپنے ہی گھر میں چوری چھپے کھیلنے لگے...... سب کے سامنے مجھے تانیہ بیٹی کہتے ہوئے دانیال بھائی اور ان کو بھائی جان کہتے ہوئے ہم اپنا مکروہ کھیل جاری رکھے ہوئے تھے۔ تمہیں بھی اکثر دانیال بھائی ساتھ لے کر آتے تھے، یہ وہی دور تھا جب تم نے اپنے بچپن میں ہماری چوری پکڑی تھی، تمہارے لیے تو اس چوری کی یاد ایک حادثے کی طرح ہے مگر میرا سوچو...... میں تو خود اس عمر میں پامال ہو گئی تھی......

"ملتان میں اپنے قیام کے دوران، جاوید کی موجودگی اور عدم موجودگی میں بھی دانیال بھائی ہمارے ہاں آتے رہتے، میرے ساس سسر سمجھدار تھے، ان کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا پڑتا تھا۔ جاوید تو بہت سیدھے سادے تھے، کئی بار ملتان آتے ہی دانیال بھائی کسی ہوٹل میں بکنگ کروا لیتے تو ہم دونوں گھر سے

خریداری کا بہانہ کر کے وہاں چلے جاتے۔ کبھی میں کسی سہیلی سے ملنے کا بہانہ کر لیتی تھی، ہماری پینگیں اب آزادی سے ہوا میں اڑ رہی تھیں، میں ماں بھی نہیں بن سکتی تھی کہ جس مصیبت میں مجھے دانیال بھائی نے پھنسایا تھا اس مصیبت سے نجات کے دوران اس اناڑی ڈاکٹر نے مجھے ماں بننے کی صلاحیت سے ہی محروم کر دیا تھا۔

یہ ملتان میں چند دن رہ کر دانیال بھائی واپسی پر آپی اور بچیوں کی اداسی کا بہانہ کرتے اور مجھے ساتھ لے آتے، اپنے گھر میں بھی وہ کوئی نہ کوئی موقع تلاش کر ہی لیتے تھے، میں تو آنکھیں بند کیے، ان کی انگلی تھامے گمراہی کے راستے پر بگٹٹ دوڑ رہی تھی، حیرت ہوتی ہے کہ آپی کس مٹی کی بنی ہوئی ہیں کہ انہیں کبھی شک ہی نہیں ہوتا...... ان کے سامنے کئی بار دانیال بھائی مجھے غلط طریقے سے چھو بھی لیتے، کبھی ذومعنی بات بھی کہہ دیتے، کبھی ایسے طریقے سے میری تعریف کر دیتے..... جیسے کوئی باپ بیٹی کی کرتا ہے نہ بھائی بہن کی...... اگر کبھی میں کہوں بھی آپی سے کہ دانیال بھائی نے فلاں بات مجھ سے غلط کی ہے تو ہنس دیتیں اور کہتیں سالی اور بہنوئی میں ایسا چلتا ہے......

''دانیال بھائی نے مجھ سے شادی کا جو جھوٹا وعدہ کیا تھا اسے کبھی وفا نہ ہونا تھا مگر مجھے انہوں نے عمر بھر اپنی آدھی گھر والی بنا کر رکھا، دھڑلے سے...... اب سوچتی ہوں کہ میں نے بہت غلط کیا، اپنے ساتھ بھی، آپی کے ساتھ بھی، مجھے اس وقت آپی کو بتانا چاہیے تھا جب پہلی بار دانیال بھائی نے حد پار کی تھی مگر میں اس وقت شاید بہت ناسمجھ تھی، اس وقت بتا دیتی جب اماں کو بتایا تھا تو بھی حالات مختلف ہوتے...... اب صرف پچھتاوے رہ گئے ہیں، میرے ساس سسر بھی شک میں پڑ گئے تھے، جاوید کو بھی شاید کسی نے شک ڈال دیا تھا کہ اس روز گھر سے کام پر جانے کا کہہ کر نکلے تھے، میں نے دانیال بھائی کو مطلع صاف ہونے کا پیغام بھیج دیا اور وہ دس منٹ میں ہمارے گھر پہنچ گئے تھے، جانے جاوید کی طبیعت خراب تھی یا انہیں شک تھا، وہ لوٹ آئے، ان کے پاس باہر کے دروازے کی چابی تھی اور اندر سے دروازہ بند کرنے کی ہم نے ضرورت نہ سمجھی تھی......

''وہ ہمیں دیکھ کر چیخے اور دانیال بھائی بوکھلا کر غسل خانے کو بھاگے، جاوید نے دروازہ پیٹا تو دانیال بھائی نکل کر بھاگے، جاوید نے انہیں عقب سے پکڑا، دانیال بھائی نے ان سے اپنا آپ چھڑانے کو زور لگایا تو جاوید اپنی جھونک میں نیچے گر گئے، میں تب تک کمرے سے اپنا حلیہ درست کر کے نکلی اور جاوید کی حالت دیکھ کر چیخنے لگی...... فوراً قریبی گھروں سے سارے رشتے دار پہنچ گئے، جاوید کو اسپتال لے جایا گیا مگر وہ پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔

''دانیال بھائی نے مجھے کال کی کہ میں کسی کو نہ بتاؤں کہ وہ ملتان میں تھے، میں نہ بتاتی مگر جاوید کی بھتیجی نادیہ نے سب کے سامنے پوچھ لیا کہ دانیال انکل کیوں اتنی سویرے ہمارے ہاں آئے تھے اور وہ بھی جاوید انکل کی غیر موجودگی میں...... مجھ سے کچھ بہانہ نہ بن پڑا، میں نے کہا کہ وہ کچھ سامان دینے آئے تھے اور جلدی چلے گئے تھے کیونکہ انہیں واپس جانا تھا، اس نے کہا کہ اس نے اس وقت ان کی گاڑی کو جاتے ہوئے دیکھا تھا جب جاوید انکل صحن میں گرے پڑے تھے اور ان کی گاڑی لگ بھگ آدھا گھنٹا وہاں کھڑی رہی تھی! اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اس کہانی کو نیا موڑ دیا جاتا، میں نے ایک نئی کہانی گھڑی اور بتایا کہ جاوید نے دانیال بھائی کو خود ہی آنے کو کہا تھا اور اس لیے دانیال بھائی کافی دیر سے آئے ان کا انتظار کر رہے تھے، ان کے آنے کے بعد دونوں کی آپس میں کوئی بات ہوئی اور دانیال بھائی کے جاتے ہی جاوید کھڑے، کھڑے صحن میں گر پڑے......''

''اب آپ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟'' میں نے سفا کی سے کہا۔ ''ہماری مما کی زندگی میں زہر گھولتے ہوئے آپ نے نہیں سوچا کہ

وہ آپ سے کتنا پیار کرتی ہیں۔ اب بھی! انہیں تو یہ ساری داستان آپ اپنے منہ سے سنائیں تو بھی انہیں یقین نہیں آئے گا کہ آپ سچ کہہ رہی ہیں...... اب کیا سمجھتی ہیں آپ کہ اس سب کی تلافی ہو سکتی ہے......؟ آپ کی...... (میں بدکرداری کہتے، کہتے رک گئی) آپ نے اپنے فرشتوں جیسے معصوم شوہر کی جان لے لی، جانے اپنے ساس سسر کو بھی آپ نے ہی مارا ہوگا......'' میں سسکنے لگی۔ ''مرنا تو آپ دونوں میں سے کسی ایک کو چاہیے تھا، پاپا کو یا آپ کو، آپ دونوں ساری بے حیائیاں کر کے زندہ دندناتے پھر رہے ہیں اور سزا پا گئے وہ......''

''نادیہ نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے ہوتے ہوئے دیکھا ہے......'' وہ جیسے خواب میں بولیں۔

''اسی نے کہا مجھ سے کہ میں اپنے گناہوں کا اپنی بہن کے سامنے اعتراف کروں ورنہ وہ سب کو چیخ، چیخ کر بتائے گی جو اس نے دیکھا تھا اور اس کی گواہی پر میں اور دانیال بھائی پھانسی کے پھندے تک پر لٹک سکتے ہیں، آپی سے بات کرنے کی تو ہمت نہیں میری، میں ان کی مجرم ہوں، میں ان کے سامنے کھڑی تک نہیں ہو سکتی، بس تمہیں بلایا کہ کم از کم میرے ضمیر کا بوجھ تو ہلکا ہو جائے...... تم نے تو کم عمری میں خود ہماری چوری پکڑی تھی، میں معصومیت اور پھر انتقام کی آگ میں جلتی ہوئی تباہی کے راستے پر آ گئی مگر مجھے انتقام کس سے لینا تھا...... دانیال بھائی تو عادی ہیں دوسری عورتوں سے تعلقات کے، میں کیوں ان کے پیچھے پاگل ہو گئی تھی......''

''کم از کم اب انہیں میرے سامنے دانیال بھائی کہتے ہوئے ہی شرم محسوس کر لیں۔'' میں کہہ کر اٹھ گئی، اپنا سامان سمیٹا اور اپنی فلائٹ کے وقت سے بہت پہلے ہی ائر پورٹ پہنچ کر بیٹھ گئی...... میرے اندر توڑ پھوڑ جاری تھی، دل چاہ رہا تھا کہ ہر چیز کو آگ لگا دوں، نکلتے وقت میں نے انہیں خدا حافظ بھی نہیں کہا تھا، انہوں نے ہی میرا بازو بھاگ کر تھاما تھا اور کہا تھا۔

''بیٹیوں کی ماؤں کو...... ہر وقت اپنی آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں ...... ان کے سگے باپ پر بھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے، بس میں نے اپنی زندگی سے یہی سبق سیکھا ہے۔''

بڑے بوجھل دل سے میں لوٹی تھی، فلائٹ رات دیر سے پہنچی تھی، میں کھانا کھائے بغیر سو گئی، تھکاوٹ ہی تھکاوٹ تھی، جسمانی سے بڑھ کر ذہنی!

☆☆☆

''فاطش......'' مما نے میرا دروازہ زور سے دھڑ دھڑایا تھا۔ ''جاگو جلدی!''

''کیا ہوا مما......'' میں نے بیڈ سے اٹھ کر بھاگ کر دروازہ کھولا، میں سمجھی کہ صدف کی طبیعت خراب نہ ہو یا اسود......

''ثانیہ نے کیا کچھ خاص کہا تم سے؟'' وہ بوکھلائی ہوئی تھیں۔

''خاص...... مطلب؟'' مجھے سمجھ میں نہ آیا کہ مما کے سوال کا مقصد کیا تھا اور میں انہیں کیا جواب دوں۔

''فاطی......'' مما میرے بیڈ پر ڈھے گئیں...... مجھے معلوم ہو گیا کہ کچھ بہت برا ہوا تھا۔

''کیا ہوا مما......''

''ثانیہ نے زہریلی گولیاں کھا کر خودکشی کر لی ہے......'' میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا، سارا جسم سن ہو گیا، میرے کمرے کے دروازے پر پاپا کا چہرہ ابھرا اور میرے اندر سے پاپا کے لیے نفرت کی شدید لہر اٹھی......!

عورت کے کتنے روپ ہیں یہ کوئی نہیں جان سکتا مگر ہر روپ کے پیچھے کسی نہ کسی مرد کا ہی عکس ہوتا ہے۔ زندگی کی راہوں میں ایسے ہی مرد اور عورت کی کہانی جن کے ہر روپ میں ایک نیا روپ تھا اور اسی نئے روپ کا اگلا باب پڑھیں اگلے شمارے میں......

منی ناول

زندگی خاک نہ تھی

شیریں حیدر

چوتھا حصہ

جہاز چلتے، چلتے اچانک ہچکولے کھانے لگا۔ پھر یوں لگا کہ بالکل بے وزن ہو گیا اور جانے کتنے ہزار فٹ نیچے چلا گیا...... چیخوں کی آوازیں آئیں اور ہر مسافر نے اپنی، اپنی زبان میں اللہ کو یاد کرنا شروع کر دیا...... میں نے مصطفیٰ کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور کلمۂ طیبہ کا ورد کرنے لگی... سیٹ بیلٹ باندھنے کے سگنل آن ہو گئے اور سب نے سیٹ بیلٹ باندھنا شروع کر دیں۔ کوئی اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی مگر سمجھ میں نہیں آ رہا

تھا کہ دل کی بے چینی اور بلند فشارِ خون کے باعث فقط اپنے ہی دل کی دھڑکن کانوں کو سنائی دے رہی تھی اور دھڑکنوں میں ہلچل مچی تھی، جانے کون سی گھڑی تھی جو یوں اچانک پروگرام بن گیا تھا۔ کاش میں نے انکار کر دیا ہوتا آنے سے...... موت کا خوف میرے اوپر طاری ہونے لگا۔ میری آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بہنے لگی۔ کیا گھڑی تھی جو میں نے عابد کے بغیر کہیں جانے کا سوچا تھا۔ میرے بغیر عابد کا کیا ہوگا۔ مجھے عابد کی تنہائی کا خیال تڑپانے لگا۔ مما اور پاپا کی کیا حالت ہوگی اگر میرے اور مصطفیٰ کے ساتھ کچھ ہو گیا تو؟ میں سوچتی جا رہی تھی اور آنسو میری آنکھوں سے تواتر سے بہہ رہے تھے۔

جہاز کا عملہ بھاگ، بھاگ کر مسافروں کو تسلی و تشفی دے رہا تھا۔ شاید کسی مسافر کی طبیعت خراب تھی کیونکہ اعلان کر کے پوچھا گیا تھا کہ اگر جہاز پر کوئی ڈاکٹر ہو تو...... فرسٹ کلاس سے ایک ڈاکٹر ہماری سیٹ کے پاس سے گزر کر پیچھے گیا، مسلسل اعلانات کیے جا رہے تھے کہ انجن میں خرابی کے باعث جہاز کو ایمرجنسی میں لینڈ کرنا پڑے گا۔ ایک قریبی ائرپورٹ کے لیے اجازت طلب کی جا رہی تھی مگر اس ملک سے تعلقات دوستانہ نہ ہونے کے باعث اس کے امکانات کم تھے۔ سفارتی کوششیں یقیناً جاری ہوں گی، جہاز میں مسلسل جھٹکے لگ رہے تھے، ڈاکٹر میری سیٹ کے پاس سے گزر کر واپس گیا تھا۔ پچھلی سیٹوں سے سسکیوں کی آوازیں آ رہی تھیں، ایک دو خواتین کی چیخوں کی بھی...... یقیناً وہ مسافر جانبر نہ ہو سکا تھا۔ آنے والا وقت جانے ہمارے لیے کیا، کیا خبریں لانے والا تھا۔

آنسو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے، اس وقت تک جب تک کہ اعلان نہ ہوا کہ قریبی ائرپورٹ پر ہنگامی لینڈنگ کی اجازت مل گئی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا...... مصطفیٰ کی طرف دیکھا۔ میں نے اپنے منتوں میں اپنے بیٹے کے لیے جانے کیا، کیا سوچ لیا تھا۔ اس نے تو ابھی دنیا میں دیکھا ہی کچھ نہ تھا، اس کی محدود سی دنیا تھی جس میں وہ پابندیوں بھری زندگی گزار رہا تھا۔ سکون دل تک اتر گیا تھا۔ جتنی آیات قرآنی یاد تھیں میں زیرِ لب پڑھنے لگی...... خدا خدا کر کے جہاز انتہائی جھٹکوں بھری لینڈنگ کر کے گرنے کے سے انداز میں اس انجان ائرپورٹ پر اتر گیا، ہمارے جہاز کو ائرپورٹ کی عمارت سے انتہائی دور کھڑا کیا گیا تھا اور ہمیں جہاز سے نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ یقیناً یہ سب کچھ خبروں میں دکھایا جا رہا ہوگا اور عابد دیکھ رہے ہوں گے...... مگر وہاں تو رات کے نصف سے زائد کا وقت ہوگا میں نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھ کر سوچا۔ مما لوگوں کو تو علم ہی نہ تھا اس لیے۔ اگر وہ خبریں سن بھی رہے ہوں گے تو انہیں کیا علم کہ اس مشکل میں پھنسے جہاز میں ان کی بیٹی اور نواسہ بھی تھے۔

جانے کتنے ہی گھنٹے گزر گئے تھے، جہاز کے لیے کچھ ایندھن دیا گیا تھا غالباً...... جہاز اڑ تو نہیں سکتا تھا مگر جہاز کے اندر درجۂ حرارت کو مناسب رکھنے کے لیے اس کا انجن چلتے رہنے کی ضرورت تھی۔ چھوٹے بچے تنگ پڑ گئے تھے اور چیخ چلا رہے تھے، مصطفیٰ بہت خاموش طبع اور صابر بچہ سہی مگر وہ بھی بے چین ہو رہا تھا، میں اسے اپنے فون میں سے تصاویر دکھا کر بہلا رہی تھی۔ اللہ نے ہماری سن لی اور اعلان کیا گیا کہ بوڑھی خواتین اور کم عمر بچوں کے ساتھ ان کی مائیں حوائج ضروریہ کے لیے ائرپورٹ کی عمارت تک جا سکتی تھیں...... میں بھی اپنا بیگ اٹھا کر چل دی، اس کے علاوہ ہمیں کچھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ ائرپورٹ کے کسی غسل خانے میں مصطفیٰ کو نہلا لیتی تاکہ ذرا اس کی تھکاوٹ اتر جاتی مگر ناچار اسی طرح چل دی۔

جہاز کے باہر سیڑھی لگا دی گئی تھی اور اس کے اختتام پر ایک بس کھڑی تھی، ہم لگ بھگ تیس چالیس عورتیں تھیں جو جہاز سے اتری تھیں، چند ایک نے نہ اترنے کو ترجیح دی تھی، غالباً ان کے بچے ان سے

اکیلے سنبھالے نہ جاتے تھے اور اجازت ہر بچے کے ساتھ صرف اس کی ماں کو ملی تھی، کسی مرد کو جہاز سے اترنے کی اجازت نہیں تھی...... پرواز بھی پاکستانیوں سے بھری ہوئی ہو اور ''نیک نامی'' تو ہماری ہے ہی دنیا بھر میں اسی لیے تو...... یہ بھی شکر تھا کہ یہ ایک غیر ملکی ائر لائن کی پرواز تھی تو کسی اور ملک میں اترنے کی اجازت مل گئی تھی ورنہ ہماری قومی ائر لائن ہوتی تو جہاز فضاؤں میں ہی پھٹ جاتا مگر اسے زمین پر نہ اترنے دیا جاتا۔

کوئی غلیظ سا غلیظ ائر پورٹ تھا۔ مجھے تو اپنے ملک کے ائر پورٹ بھی اس کے مقابلے میں بہت اچھے لگنے لگے۔ لاؤنج میں ایک علاقہ محدود کر کے اس کے گرد جنگلوں کی حفاظتی دیوار بنائی گئی تھی۔ درمیان میں بینچ تھے اور دیوار کے ساتھ ساتھ ائر پورٹ سیکیورٹی کے اسلحہ بردار درجنوں افراد...... ہم بھلا کیا کر لیتے۔ مگر ان کا اپنا نظام اور اپنے طریقے تھے۔ شکر کیا کہ کم از کم جہاز کی ان تنگ نشستوں سے کم از کم کچھ دیر کے لیے ہی سہی مگر نجات ملی تھی۔ ہم نے باری، باری غسل خانے استعمال کیے۔ بچوں کے بعد خواتین بھی باتھ روم استعمال کر چکیں تو ہمیں اسی طرح حفاظتی حصار میں اور قطار بنوا کر واپس جہاز کی طرف لایا گیا۔ گھنٹوں کے انتظار کے بعد کمک کے طور پر چپس اور جوس کے چھوٹے پیکٹ جہاز میں بھجوائے گئے جو کہ اونٹ کے منہ میں زیرے کے برابر تھے مگر اسے قبول کرنے کے سوا چارہ کوئی نہ تھا۔

اعلان کیا گیا کہ کسی قریبی ملک سے کوئی پرواز ہمارے جہاز کے انجن کے لیے مطلوبہ پرزہ لے کر روانہ ہو چکی تھی، اس کے آنے کے بعد جہاز کا پرزہ تبدیل کیا جائے گا اور اس کے بعد جہاز اڑنے کے قابل ہو سکے گا......

''کیا؟'' لوگوں کی اس اعلان پر چیخیں نکل گئیں۔ ''کیا ہم اس وقت تک اس جہاز میں اسی طرح محبوس رہیں گے۔ تنگ تنگ سیٹیں، گھٹی گھٹی فضا اور باہر جانے پر پابندی......'' اس سارے عمل میں چوبیس گھنٹے بھی لگ سکتے تھے اس لیے لوگوں کو صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنے کو کہا جا رہا تھا اور بتایا گیا کہ کوششیں جاری تھیں کہ جہاز کی مرمت کے دوران سب مسافروں کو ائر پورٹ پر اترنے کی اجازت دی جائے تاکہ لوگ چل پھر سکیں، باتھ روم استعمال کر سکیں اور ممکن ہو تو کچھ کھا پی لیں...... انتہائی تشویش ناک حالات تھے مگر کم از کم ہم سب زندہ بچ گئے تھے...... میں نے تصویر کا روشن پہلو دیکھا، کاش سب لوگ اس طرح سوچیں تو ان کی بے چینی دور ہو جائے۔ یہ کیا اللہ کا کم احسان تھا ہم سب پر کہ اس نے ہم سے زندگی جیسی نعمت نہ چھینی تھی۔ جس طرح جہاز فضاؤں میں بے وزن ڈول رہا تھا اس سے تو اس کے بچ جانے کے امکانات کم، کم تھے...... اللہ تیرا لاکھ، لاکھ شکر ہے۔ میں نے دل کی گہرائیوں سے کہا۔

مما کیا کر رہی ہوں گی...... میں نے سوچا۔ صدف بھی پہنچ گئی ہو گی...... باہر رات کی تاریکی پھیل رہی تھی۔

☆☆☆

اس نے میری طرف دیکھ کر ریٹی کے انداز میں منہ سکیڑا تو میں نے اک ادائے بے نیازی سے شانہ اچکایا۔ اس نے جرأت کر کے میرے ہاتھ کی پشت کو اپنی انگلی کی پور سے ہولے سے یوں چھوا جیسے ایسا حادثاتی طور پر ہوا ہو، اس پر بجائے اسے ڈانٹ دینے کے...... میں مسکرا دی تھی، ابرو اچکا کر میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا، اس کی مسکراہٹ نے میرے حسن کی تعریف کی...... سر کو جھٹک کر میں نے اسے جتلا دیا تھا کہ میں اپنے حسن کی طاقت سے آشنا تھی، وہ کرن کا منگیتر تھا، کرن نے اپنی منگنی کی ٹریٹ دی تھی، آئس کریم پارلر میں بیٹھے، بیٹھے ہی اس نے کال کر کے اپنے منگیتر کو بھی بلا لیا تھا...... ان دونوں کا دھماکے دار عشق ہم سب سے کہاں چھپا تھا، کرن کے والدین نے انکار کیا تو اس نے دھمکی دی کہ وہ خودکشی کر لے گی

مگر کسی اور سے شادی نہیں کرے گی۔

اس کے والدین اسے اپنے خاندان میں بیاہنا چاہتے تھے، انہیں تو علم ہی نہ ہوا کہ ان کی ذہین اور خوب صورت بیٹی، گھر سے حصولِ تعلیم کے لیے جانے والی...... کب عشق و محبت کے کھیل میں شریک ہوگئی، کب اپنے دل کے ہاتھوں اس حد تک بے قابو ہو گئی...... وہ بھی اس لڑکے کے ساتھ جس کی شہرت کچھ انہیں اچھی نہ ملی تھی مگر کرن کے سر پر سوار بھوت نہ اتر سکا اور یوں اس کے مجبور کرنے پر کرن کے ماں پپا نے ان دونوں کی منگنی کر دی ہمارے امتحانات چل رہے تھے پھر چھٹیاں ہوگئیں اور یوں چھ ماہ کے بعد وہ دن آیا تھا کہ ہمیں کرن ٹریٹ دے رہی تھی۔ ان چھ ماہ میں ہر روز کرن کال کر کے مجھے اس کی دیوانگی کے قصے سناتی، اس کی فرزانگی کی کہانیاں مجھے گھنٹوں سننا پڑتیں، کوئی لڑکا آج کے دور میں اس طرح دیوانہ بھی ہوسکتا ہے؟ میں سوچا کرتی...... 'کیا یہ وہی تھا جو اس لمحے سے قبل کرن پر مرتا تھا......' میں آئس کریم پارلر میں پاگلوں کی طرح اس کا چہرہ دیکھ کر کچھ کھوجنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مجھے اپنی محویت میں اندازہ بھی نہ ہوا کہ کوئی اور مجھے یوں دیکھ کر کیا سوچے گا۔ اس وقت چونکی جب میرے ہاتھ کی پشت کو اس کی انگلی نے چھوا۔ اشاروں ہی اشاروں میں گفتگو ہوئی۔

''آپ کی آئس کریم ٹھنڈی ہو رہی ہے...... مس؟'' اس نے مجھے خواب سے جگا دیا۔

''حنا......'' میں نے اسی گم خیالی میں کہا۔

''خوش رنگ حنا......'' اس نے ہولے سے مسکرا کر کہا تھا۔ میں آئس کریم کی طرف متوجہ ہونے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

''کرن میں ایسا کیا ہے جو اسے بھایا ہے...... کیا وہ مجھ سے زیادہ خوب صورت ہے؟ ہاں، کرن ہے تو خوب صورت...... حسین کہیں مجھ سے زیادہ مگر...... دانیال جیسا اسمارٹ اور چاہنے والا اسے ہی کیوں ملا، مجھے کیوں نہیں......؟'' میں سوچ رہی تھی۔

''تم پہلے نظر آجاتیں تو کرن تو مجھے نظر بھی نہ آتی......'' اس نے کہا تھا۔ ''تمہارا حسن تو جادوئی ہے!''

''اچھا......'' میں ہنسی تھی۔ ''باتوں کے تم بادشاہ ہو!''

''تم نے ہی کوئی سحر پھونکا ہے جو میں ایسی باتیں کرنے لگا ہوں۔''

''ایسی باتیں تم نے کرن سے بھی بہت کی ہیں پچھلے ایک برس میں۔''

''کہاناں تمہیں کہ تم پہلے مل جاتیں تو وہ نظر بھی نہ آتی مجھے......''

''پر وہ تمہیں ملی کہاں؟'' یہ وہ سوال تھا جو مجھے کرن سے پوچھنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہوئی تھی کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھ لے کہ مجھے اس کے منگیتر سے اتنی دلچسپی کیوں ہو رہی تھی۔ کرن خوب صورت اور ذہین تھی، اچھے خاندان سے تھی اور اس کے خاندان میں سے ہی کئی لوگ اس کے رشتے کے لیے خواہاں تھے...... یہ سب کرن نے مجھے خود بتایا تھا۔ مگر اس کی اور دانیال کی ملاقات کہاں ہوئی۔ یہ اس نے نہیں بتایا تھا۔

''ہم ایک حادثے کے نتیجے میں ملے تھے......'' دانیال نے مسکرا کر بتایا۔ ''میرے ایک دوست کی بائیک کو کرن کی گاڑی نے ٹکر مار دی تھی، میرے دوست نے مجھے اپنی مدد کے لیے بلایا کیونکہ وہ زخمی ہوا تھا، گیا میں اس کی مدد کو تھا کہ وہ زخمی تھا...... مگر میں تو قتل ہی ہوگیا۔'' وہ ہنسا... میں اس کی کیفیت کو سمجھ سکتی تھی۔ کرن کے حسن کے ساتھ سادگی کا تڑکا تھا، اپنے حسن سے بے خبری تھی، اسے اپنے حسن کی طاقت کو استعمال کرنا نہیں آتا تھا اس لیے اس میں دھیما پن تھا...... اس کے برعکس مجھے علم تھا کہ حسن کی طاقت کیا ہے اور اس سے جلا کر بھسم کیسے کیا جاتا ہے، میرا حسن تخریب کاری کی طاقت رکھتا تھا کیونکہ میں ایسی ہی تھی، بے باک اور خطرناک کھیل کھیلتے ہوئے خوفزدہ نہ ہونے والی۔

اسی لیے دانیال سے پہلی ملاقات میں مجھے یقین ہوگیا کہ وہ کرن کے لیے نہیں، میرے لیے بنا

تھا، اسی لیے میں نے اس کی حوصلہ شکنی نہیں کی تھی...... اس نے ایک انگلی کا اشارہ کیا تھا، میں نے اس کا پہنچا تھام لیا اور اس کے ساتھ آنکھیں بند کیے اس راہ پر بگٹٹ بھاگ رہی تھی جس کے دوسرے سرے پر کرن اسی طرح بے خبر دانیال کو چاہے جا رہی تھی، پھر وہ دن آ گیا۔ جب وہ میرے گھٹنے پکڑے رو رہی تھی اور میری منتیں کر رہی تھی اس وقت بھی میں کسی اور گمان میں تھی......

''ایک بار حنا جانی...... فقط ایک بار کہہ دو کہ دانیال کا خیال غلط ہے...... وہ جھوٹ کہتا ہے کہ تم بھی اسے چاہتی ہو...... وہ کہتا ہے کہ تم نے آگے بڑھنے میں اس کی حوصلہ افزائی کی ہے...... ایک بار کہہ دو کہ وہ سب کچھ جھوٹ کہتا ہے۔'' میں نے جن خاموش نظروں سے اسے دیکھا تھا وہ اس کے قتل کے مترادف تھیں۔

''میں نہیں مان سکتی حنا کہ تم ایسی کٹھور ہو سکتی ہو۔ میری سال بھر کی منگنی ٹوٹ رہی ہے...... ساری دنیا جانتی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور میں نے سب سے ٹکر لے کر اسے حاصل کیا تھا...... میرے پیچھے تین اور جوان بہنیں ہیں۔ یوں بے وجہ میری منگنی ٹوٹنے سے نہ صرف میری زندگی پر اثر پڑے گا بلکہ میری بہنوں کے لیے آنے والے رشتے...... پہلے میری منگنی ٹوٹنے کا سبب پوچھیں گے، خدارا حنا...... نہ کرو یہ سب......'' وہ میری منتیں یوں کر رہی تھی جیسے مجھے اپنے یا دانیال کے دل پر اختیار تھا کچھ۔

''مجھے کیا کہہ رہی ہو کرن...... دانیال سے بات کرو۔'' میں نے بے پروائی سے کہا تھا۔

''اس سے بات کی تھی حنا...... وہ کہتا ہے کہ تم سے بات کروں...... مجھ پر ایسا ظلم تم دونوں مل کر مت کرو۔''

''دل پر کس کو اختیار رہتا ہے کرن جان......''

''جب وہ میرے ساتھ ایسی باتیں کرتا تھا تو میں ہواؤں میں اڑتی تھی، اب وہ یہی باتیں تم سے کہہ رہا ہے...... اسے کوئی اور حسین مل گئی تو وہ اس سے بھی ایسی باتیں کرے گا، تم اسے واپس مجھے مت لوٹاؤ حنا...... مگر اپنی راہ بدل لو۔ مجھے دوستی پر اعتبار رہنے دو...... وہ ہم دونوں کے بیچ آ گیا ہے تو اسے نکال دو۔ ہماری پندرہ سال کی دوستی اس کی چند مہینوں کی رفاقت سے ٹوٹ رہی ہے...... وہ کسی ایک کا ہو کر رہنے والا نہیں ہے حنا...... میری مان لو!''

''کرن...... اگر میں کہوں کہ تم میرے اور دانیال کے بیچ میں آ رہی ہو تو؟'' میں نے غصے سے ابرو اچکائے تو اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ''جس کے حسن میں طاقت ہے وہی جیتتا ہے، دانیال کا میری طرف متوجہ ہو جانا اور مجھے تم سے زیادہ چاہنا...... یہ سب میں نے تو نہیں کیا۔''

''یہ لو......'' اس نے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی سے انگوٹھی اتاری اور میری طرف بڑھائی۔

''مجھے کیوں دے رہی ہو یہ انگوٹھی......'' میں نے رخ پھیرا۔ ''کیا میں تمہاری اتاری ہوئی انگوٹھی پہنوں گی؟'' میں اس وقت خود غرضی کی انتہا پر تھی۔

''تمہیں وقت بتائے گا حنا...... جو کسی سے چھین کر کھاتا ہے اسے عمر بھر سکون نصیب نہیں ہوتا۔''

''بند کرو یہ سب فضولیات کرن! کیا چھین کر کھایا ہے میں نے تم سے جو تم مجھے بد دعائیں دے رہی ہو؟''

''میں نے تمہیں کوئی بد دعا نہیں دی ہے حنا ابھی تک......'' اس نے کمال تحمل سے کہا، اس کی آنکھوں سے آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ ''بس یہ دعا ہے کہ دانیال کی یہ عادت برقرار رہے...... وہ جو حسین چہرہ دیکھے، اس کی طرف لپکے تب تمہیں احساس ہوگا کہ حسن کی طاقت کتنی عارضی ہے......''

''جسٹ شٹ اپ......'' میں نے دانت پیس کر کہا تھا، وہ اٹھ کر چلی گئی۔ اس وقت مجھے احساس بھی نہیں ہوا کہ میں ایک اچھی دوست کو کھو رہی تھی، اس سراب کے پیچھے بھاگتے ہوئے جس کے ساتھ زندگی

گزارنے میں جانے لیا، کیا عذاب سہنا تھے مجھے۔

دانیال دیوانگی کی حدوں کو چھو رہا تھا، پاگل ہو رہا تھا مجھے پانے کے لیے...... میرے ماں باپ کو اس کی دیوانگی سے خوف آتا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ عارضی نشہ ہے اور جلد اتر جائے گا مگر مجھے یقین تھا اس پر تو کسی اور کی کیا چلتی۔ ماں باپ کو ہم پر بے پناہ اعتماد تھا اور ہماری زندگیوں کا کوئی فیصلہ وہ ہم سے پوچھے بغیر نہیں کرتے تھے۔ دانیال کے بارے میں انہوں نے مجھے اپنے خدشات سے آگاہ کیا اور میں نے ان کے ہر خدشے کو جھٹلا دیا۔ ان کے ساتھ دلائل میں، میں تلخ بھی ہوگئی مگر اس وقت مجھے ان سب باتوں کی کوئی پروا نہ تھی۔ میں نے لڑ جھگڑ کر، کتنے ہی لوگوں کو ناراض کر کے دانیال کو جیت لیا تھا اور اس جیت کے نشے میں سرشار دن رات گزر رہے تھے۔ وہ صرف پُرکشش اور اسمارٹ مرد ہی نہیں...... ایک کامیاب کاروباری بھی تھا اور میں زندگی میں ہر اس خوشی کی مستحق ٹھہری جس کے کوئی عورت خواب دیکھ سکتی ہے مگر کب تک؟ مجھے یہ خوشیاں کسی اور کی خوشیوں کے مزار پر بیٹھ کر ملی تھیں۔ شاید میں کسی کی بددعاؤں کے حصار میں تھی مگر پھر بھی ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔

میں اس وقت جن ہواؤں میں تھی...... ان ہواؤں میں مجھ جیسی کم عقل لڑکیاں یونہی اڑتی ہیں، میں اس وقت کسی اور زعم میں تھی، کسی اور نشے میں تھی، جانتی تھی کہ میرا حسن کائنات کو سر کرنے کی طاقت رکھتا ہے...... دھیمی، دھیمی آنچ سلگانے والا نہیں، آگ لگانے والا حسن ہے مگر یہ نہیں جانتی تھی کہ حسن کی طاقت بہت عارضی ہے یہ نہیں سمجھتی تھی کہ جس حسن پر وہ مرمٹا ہے وہ حسن کسی اور کے پاس ہوگا تو اس کا لالچی من پھر للچا جائے گا۔ اس وقت میں انتہا کی خود غرض جو بن گئی تھی۔

☆☆☆

''مجھے کچھ علم نہیں مما کہ خالہ نے ایسا کیوں کیا؟'' میں نے پاپا کے چہرے پر لکھی وہ التجا پڑھ لی تھی جو ان کی ایک جھلک دیکھنے پر مجھے نظر آئی تھی اور یوں بھی خالہ کے بارے میں مما کبھی منفی سوچ ہی نہیں سکتی تھیں تو میں جو بھی بتاتی خواہ وہ حقیقت ہوتی یا افسانہ...... انہیں یقین ہی کہاں آنا تھا۔ یوں بھی ان کے جس عیب کو اللہ تعالیٰ نے عمر بھر ڈھکے رکھا تھا، پاپا کے جس راز کو مما پر آشکار نہ کیا تھا، اسے آشکار کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا۔ پہلے ہی مما جانے کس بات کے نتیجے میں پاپا سے خلع لینے کا فیصلہ کر چکی تھیں۔ ابھی تک تو یہ بھی راز تھا، مما کو پاپا کے بارے میں کئی ایسی باتوں کا علم رہا ہوگا جن کی بنیاد پر وہ کسی بھی وقت یہ فیصلہ کر سکتی تھیں مگر اب یقیناً کچھ ایسا ہوا تھا جو اُن کی برداشت کی حدوں کو توڑ گیا تھا۔

''تمہیں اس نے خاص طور پر ملنے کے لیے بلوایا تھا فاطش......؟'' مما کے لہجے میں آنسو تھے۔

''وہ اکیلا محسوس کر رہی تھیں مما......'' میں نے بات بنائی۔ ''میرے ساتھ تو ان کا بچپن سے پیار ہے۔ آپ کو معلوم ہے ان کے اپنے بچے نہیں ہوئے تو ان کی ساری ممتا میرے لیے تھی......'' میرے آنسو بھل، بھل بہنے لگے، مجھے ایک دم سے محسوس ہوا کہ میں جو کچھ کہہ رہی تھی اس میں کچھ جھوٹ نہ تھا۔ وہ واقعی مجھے اتنا ہی چاہتی تھیں...... میں نے تو انہیں بچپن سے اپنے پاپا کے ساتھ یوں دیکھ لیا کہ عمر بھر اس واقعے کی یاد کو بھلا نہ سکی مگر مجھے اس واقعے کے پسِ منظر کا علم نہ تھا...... سات سال کی بچی کیا ہوتی ہے...... میں ان کی بے بسی، ان کی تکلیف اور اس چھوٹی سی عمر میں ان کی ذہنی اذیت کو سوچ کر ہچکیوں سے رونے لگی...... مما نے میرا سر اپنے ساتھ لگا لیا۔

''چلو گی میرے ساتھ ملتان تم؟'' مما نے پوچھا۔

''یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے مما......'' میں نے آنسو اپنے ہاتھ کی پشت سے پونچھے۔

''میں نے سوچا...... شام کو ہی تو واپس پہنچی ہو۔''

''کون، کون جا رہا ہے؟'' میں نے اٹھ کر اسود کو اٹھا لیا جو نیند سے جاگ کر اپنی ماں کو روتے ہوئے

دیکھ کر منہ بسور رہا تھا۔

''کبھی کو جانا ہوگا!'' مما نے کہا۔

''میں سوچ رہی تھی کہ صرف میں اور آپ جاتے ...... اسود کو گھر پر چھوڑ دیتے ہیں...... صدف ہے، پاپا ہیں۔ میں اور آپ جا کر دو دن میں لوٹ آئیں گے......'' دل میں خیال آیا کہ خالہ نے خودکشی کی ہے، کہیں وہ کوئی خط وط نہ لکھ کر چھوڑ گئی ہوں، اس میں اپنے اور پاپا کے بارے میں کچھ الا بلا لکھ دیا ہو تو پاپا کیا منہ دکھائیں گے لوگوں کو؟ پاپا سے بھی بڑھ کر مجھے فکر تھی کہ مما کو جب یہ صدمہ پہنچے گا تو کیا وہ سہار پائیں گی؟ کوئی پاپا کا گریبان تھام لے تو......؟ میں نے بھی اشعر کی بے وفائی سہی تھی اور جانتی تھی کہ مما کے لیے پاپا کی ساری بے وفائیاں ایک طرف اور خالہ کے ساتھ جو کچھ ہوا...... وہ سب پر بھاری ہو گا شاید تابوت کی آخری کیل ثابت ہو...۔ مما مرتے دم تک خود کو اپنی بہن کا مجرم سمجھتی رہیں گی۔

''کیا بات کر رہی ہو بیٹا...... دانیال کس طرح رکیں گے...... جانتی نہیں ہو کہ تانیہ ان کی پانچویں بیٹی جیسی تھی......'' مما سسکیں تو میرے دل سے خون کے آنسو بہنے لگے...... کیا کوئی باپ ایسا کر سکتا ہے اپنی بیٹی کے ساتھ؟

''مگر مما!'' میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کسی طرح پاپا نہ جائیں، کیا معلوم وہ نادیہ، خالو کی بھتیجی، جو سب کچھ جانتی تھی۔ وہ سب کے بیچ کوئی ایسی بات کہہ دے...... پھر تو مما کو بھی نہیں جانا چاہیے۔ مگر......
......ایسا کیسے ممکن تھا کہ میرے کہنے سے وہ خود رکتیں یا پاپا کو رکنے دیتیں۔ اسود، صدف کے پاس ہرگز نہ رکتا کہ وہ اس سے مانوس نہ تھا سو اسے بھی ساتھ لے جانا پڑا۔ تمام راستے مما کی آنکھوں سے آنسو بار، بار بند توڑ کر بہنے لگتے اور میں ممکنات کے خوف میں مبتلا رہی۔

گاڑی خالہ کے گھر کی طرف مڑی، پاپا گاڑی چلا رہے تھے...... پوری گلی میں سوائے مردوں کے کچھ نظر نہ آ رہا تھا، پاپا کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا، جانے وہ اس گلی میں کتنی بار آئے ہوں گے...... آج وہ اس چہرے کو کس منہ سے دیکھ سکیں گے جس چہرے کی معصومیت انہوں نے سات برس کی عمر میں چھین لی تھی...... اس وجود کو کندھا دے پائیں گے جسے وہ عمر بھر پامال کرتے رہے تھے؟ میں ان کے بے تاثر چہرے کو دیکھ رہی تھی، دانت پر دانت جمائے تمام راستہ وہ تقریباً خاموش ہی رہے تھے۔ وہ جسے دوسروں کے سامنے بیٹی کہتے تھے۔ اس کے ساتھ بیٹی کے رشتے کو کس طرح پامال کیا...... خالہ نے مجھے کہا تھا کہ انہوں نے انتقام میں ایسا کیا...... کس سے انتقام لیا آپ نے خالہ؟ خود کو ہی تباہ کیا ناں آپ نے...... آپ کی بے وفائی نے آپ کے شوہر کی جان لے لی اور آپ کے ضمیر کے بوجھ نے آپ کو جینے نہ دیا...... جانے کیسے میں گاڑی کے رکتے ہی بھاگ کر باہر نکلی، مردوں کے بیچ میں سے راستہ بناتے ہوئے اندر پہنچی۔ برآمدے سے مجھے عین صحن کے وسط میں چارپائی نظر آئی۔

''خالہ......'' میں وہیں سے چیخ، چیخ کر رونے لگی۔

☆☆☆

''چند دن قبل تم نے مجھ سے کچھ مانگا تھا ناں نیل......'' عمر پوچھ رہے تھے اور مجھے کچھ یاد نہ آ رہا تھا کہ میں نے ایسا کیا مانگا تھا۔ ''مجھے تمہارے سچ پر بھی شک ہوا تھا اور تمہاری نیت پر بھی......''

''کوئی بات نہیں عمر...... ہو جاتا ہے ایسا میاں بیوی کے بیچ...... بلکہ ہر رشتے کے بیچ۔'' میں سمجھ گئی تھی کہ ان کا اشارہ بلی اور نبیل کے رشتے کی طرف تھا اور میری طرف سے یہ کہنا کہ بلی کی بھی مرضی اس رشتے میں شامل تھی، اس سے ان کے پندار کو ٹھیس پہنچی تھی مگر اب وہ بلی کا مسکراتا اور مطمئن چہرہ دیکھتے تو انہیں یقین آ گیا تھا کہ میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔

''اب میں تم سے شرمندہ ہوں نیلم...... تم بلی کے لیے ماں بن کر سوچتی ہو اور میں سمجھتا رہا کہ تم......''

"ارے کیا ہو گیا، کس بات پر شرمندہ ہیں آپ؟" میں نے ان کا ہاتھ تھاما۔

"میں نے اسی خدشے کے تحت تمہیں عمر بھر محروم رکھا نیل......" ان کی آنکھوں میں کوئی ستارہ چمکا تھا۔" مجھے ناہید آپی نے بتا دیا ہے جو باتیں ان کے اور اماں کے مابین ہوئیں اور انہیں غالب گمان ہے کہ تم نے وہ باتیں سن لیں......" میرے اندر سے درد اٹھا۔

"کوئی بات نہیں عمر......" میں نے جی کڑا کر کے کہا۔" انسان کو زندگی میں ہر حقیقت کا کبھی نہ کبھی سامنا کرنا ہی پڑتا ہے......"

"میں خود کو کس قدر بے وقوف سمجھ رہا ہوں۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں نیل......" عمر کی آواز بھرا گئی۔ "کئی بار سوچا کہ میرے اور تمہارے بچے ہوں مگر اماں سے کیا گیا عہد...... کیوں کیا میں نے ایسا غیر فطری وعدہ ان سے اور کیا نبھانا اتنا ضروری تھا، تمہارا اپنے بچوں سے ممتا بھرا برتاؤ دیکھ کر بھی سوچا نہیں کہ تمہارا دل کتنا بڑا ہے......"

"ان باتوں کو ہم کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں، مجھے نیند آرہی ہے اس وقت۔" میں دوا کے زیرِ اثر تھی اور سونا چاہ رہی تھی۔

"ابھی بات کرنا بہت ضروری ہے نیل...... پہلے ہی بہت اہم وقت ضائع ہو چکا ہے......"

"پلیز عمر......" میں نیم غنودگی میں تھی۔

"کیا تم ماں بننا چاہتی ہو نیل؟" اس نے سوال کیا۔

"وہ تو میں ہوں......" میں نے نیم خوابیدہ لہجے میں کہا۔

"اپنے بچوں کی؟" عمر نے سرگوشی کی۔

"میرے ہی ہیں وہ بچے......" میں ہولے سے بڑبڑائی۔

"میرے اور تمہارے اپنے بچے نیل جان!" میں جواب دینے کے بجائے اونگھ رہی تھی، وہ کچھ اور بھی پوچھ رہے تھے...... کچھ کہہ رہے تھے مگر میری حسیں سو چکی تھیں۔ میرے فون پر پیغام کی گھنٹی بجی تھی مگر مجھ میں فون اٹھا کر دیکھنے کی سکت بھی نہ تھی۔

"نیل...... جانِ عمر!" میں نے عمر کی آواز کسی کنویں میں سے آتے ہوئے محسوس کی۔

"ہوں......" میں نے نیند کے عالم میں کہا تھا۔

"تمہارے لیے تمہاری مما کا پیغام آیا ہے......" عمر نے کہا تھا اور میں غالباً خراٹے لے رہی تھی۔

☆☆☆

"تم میرے ساتھ کس بات پر ناخوش ہو صدف؟" احمد مجھ سے پوچھ رہا تھا اور میں الجھی، الجھی سی اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"میں نے کب کہا کہ میں ناخوش ہوں احمد؟"

"تم روز رات کو سوتے میں بڑبڑاتی ہو کہ تم مجھ سے خوش نہیں ہو...... غالباً خلع کا فیصلہ کر لیا ہے تم نے۔"

"اوہو......" میں نے تاسف سے کہا۔" مجھے تو علم نہیں کہ میں رات کو سوتے میں کیا بڑبڑاتی ہوں اور کیوں؟"

"کوئی الجھن ہے تمہارے ذہن میں صدف تو تم مجھ سے شیئر کیوں نہیں کرتیں؟" احمد میرا ہاتھ تھامے نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

"الجھن کیا ہو گی بھلا......؟" میں نے کھوئے، کھوئے لہجے میں کہا۔

"کچھ تو ہے ورنہ تمہاری عمر ایسی تو نہیں کہ یوں اچانک تمہارا نروس بریک ڈاؤن ہو جاتا......"

"میرے اختیار میں تو نہیں احمد کہ خود کو نروس بریک ڈاؤن ہونے سے بچا سکوں یا سوتے میں نہ بولوں...... یہ سب تو بے اختیاری کے کام ہیں ڈیئر......" میں نے اپنے ان اعمال کا دفاع کیا جو انجانے میں سرزد ہو رہے تھے مگر حقیقت تو یہ تھی کہ ان کی بنیادی وجہ سے میں آگاہ تھی، یہ اور بات کہ اپنا مان توڑنا نہیں چاہتی تھی...... اپنے ماں باپ کی عزت پر حرف نہ آنے دینا چاہتی تھی۔

''پھر بھی کچھ تو ایسا ہوا ہوگا جان...... کوئی وجہ، کوئی واقعہ کوئی حادثہ...... کسی پرانے واقعے کی یاد...... کسی نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہو جس کے باعث......''میرا دماغ بھک سے اڑ گیا...... احمد کیا سوچ رہا تھا، مجھے یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ سچ کو چھپانے کے لیے...... جس لاعلمی کے پردے میں ڈال رہی تھی وہ میرے شوہر کو کسی اور شک میں مبتلا کر سکتا تھا۔ احمد اب میرا وہ کزن نہیں تھا جس کے ساتھ میں بچپن سے ہی ہر چھوٹی بڑی بات شیئر کر لیتی تھی، نہ ہی وہ منگیتر کہ جسے دنیا میں سب سے پہلے میری خوشی کا خیال ہوتا اور وہ میرے لیے ہر کسی سے لڑائی مول لے لیتا تھا۔ میاں بیوی کے رشتے میں بندھ کر میری طرف سے ذرا سا تکلف در آیا تھا، میں اسے احترام دینے کی کوشش کرتی کیونکہ اب وہ میرا شوہر تھا... بچپن سے ہی جس تو تڑاخ کی عادت تھی اس سے چھٹکارا پانا کافی مشکل کام تھا مگر احمد تو ویسا ہی تھا، اسی طرح میرا خیال رکھتا بلکہ اب تو اور بھی چاہتا تھا۔ میری چھوٹی سے چھوٹی خوشی کے لیے، وہ خود کو بڑی بڑی مشکل میں ڈال لیتا...... یوں کسی بھی بیوی کی طرف سے اس طرح کی ذہنی بیماری میں مبتلا ہونا کسی بھی شوہر کو شک میں ڈال سکتا ہے۔

''بتاؤ گی نہیں مجھے، کیا بات تمہیں اتنا پریشان کرتی ہے کہ احمد کا پیار اور توجہ بھی اس کے سامنے ہیچ ہو جاتے ہیں؟'' اس نے اپنے بازو میرے گرد لپیٹے۔

''احمد......'' میں سسک پڑی، اس کی ہمدردی پا کر میں بکھر گئی اور احمد کے شانے پر سر رکھ کر اسے اپنا مسئلہ بتانے لگی۔ مما کا پیغام...... اس سے منسلک اپنے خدشات۔ مما سے پاکستان آ کر جو میری ایک دفعہ اس موضوع پر مختصر بات ہوئی تھی، سب کہہ سنایا۔

''ہوں...... تو تم نے اس بات کو اپنے سر پر سوار کر لیا ہے؟'' احمد کے لہجے میں کوئی تاثر نہ تھا۔

''تو کیا یہ ایسی بات نہیں کہ اسے سر پر سوار کیا جائے...... کیا تمہیں یہ سب سن کر حیرت نہیں ہوئی احمد؟''

''نہیں کوئی زیادہ نہیں!'' اس نے کمال بے نیازی سے کہا۔

''یعنی مما...... پاپا پر بے وفائی کا الزام لگا رہی ہیں...... ان سے خلع حاصل کرنے کا سوچ رہی ہیں اور اس کے لیے یہ جواز پیش کر رہی ہیں تو یہ کوئی بڑی بات نہیں......؟''

''مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی ڈیئر......'' اس نے مسکرا کر کہا، وہ مسکراہٹ جو مجھے زہر لگ رہی تھی۔ ''اس دنیا میں یہ سب اور اس سے زیادہ بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔''

''لیکن یہ سب کچھ میرے مما اور پاپا کے بیچ ہونا...... ناممکن ہے۔'' میں نے احتجاج کیا۔

''کیوں؟'' اس نے زور دے کر کہا۔ ''وہ دونوں کیا اس دنیا کی مخلوق نہیں ہیں؟''

''ہیں مگر...... تم سنو تو سہی احمد کہ مما، پاپا پر کس، کس طرح کے شک کرتی ہیں۔''

''میں جانتا ہوں یہ......''

''کیا......'' میں چلائی۔ ''تمہیں یہ سب مما نے خود بتایا ہے؟''

''آہستہ بولو......'' احمد نے میرے منہ پر ہاتھ رکھا۔ ''سب لوگ سو رہے ہیں، کوئی جاگ کر آ کر پوچھے گا تو کیا سبب بتاؤ گی؟''

''بتاؤ ناں احمد......'' میں ضدی بچے کی طرح مچلنے لگی۔ ''مما نے خود بتایا ہے تمہیں اس بارے میں؟''

''نہیں...... ممانی نے مجھے نہیں بتایا......'' وہ رکا، میں نے سوالیہ نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ ''ممانی کو میں نے بتایا ہے یہ سب کچھ۔''

''کیا؟'' میں روکتے، روکتے بھی ایک بار پھر چلا دی۔ ''کیا بتایا تم نے مما کو؟''

''کہ ماموں کیا کرتے پھر رہے ہیں، ان کے ساتھ کس طرح دھوکا کر رہے ہیں۔''

''کیوں تم نے یوں جھوٹے سچے واقعات مما کو

بتائیے...... کیوں انہیں پاپا سے بدظن کیا ہے؟" میں اس کے ساتھ یوں جھگڑ رہی تھی جیسے بچپن میں جھگڑا کرتی تھی، اس کا گریبان میں نے تھام لیا۔ ساتھ، ساتھ آنسو بہے جا رہے تھے۔

"ممانی نے اپنی ساری عمر سچائی اور خلوص کے ساتھ گزاری ہے صدف......" اس نے مجھے سمیٹ لیا۔ "مجھے ان کی وفا اور خلوص پر کوئی شبہ نہیں ہے......صرف ماموں کے ساتھ ہی نہیں۔ وہ ہم سب کے ساتھ بھی بہت اچھی ہیں، مجھ سے برداشت نہیں ہوا کہ وہ لاعلمی میں دھوکے کی زندگی گزاریں...... اس لیے میں نے انہیں اس خطرے سے آگاہ کر دیا۔ ماموں یہ سب کچھ ماضی میں کر کے چھوڑ چکے ہوتے صدف تو میں خاموش رہتا...... مگر حد تو یہ ہے کہ وہ اس عمر میں بھی اور چار، چار بیٹیوں اور دامادوں کے ہوتے ہوئے دھڑلے سے سب کچھ جاری رکھے ہوئے ہیں، میں تو ان کا بھانجا ہوں سو ان کے سامنے کھڑا نہیں ہوا مگر کوئی اور ہوگا تو وہ ان کا گریبان پکڑ لے گا......" احمد نے اپنا گریبان میرے ہاتھ سے چھڑوایا، میں سسک دی۔

"کیا ثبوت ہے تمہارے پاس احمد ان الزامات کا؟" میں نے ہارتے ہوئے اس سے پوچھا، جانتی تھی کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہوگا اس میں کچھ نہ کچھ سچائی تو ہوگی۔

"سب کچھ ہے میرے پاس صدف...... مگر میں تمہیں وہ سب کچھ دکھا کر صدمہ نہیں پہنچانا چاہتا! پہلے ہی جس کیفیت سے ممانی گزر رہی ہیں اس کے لیے میں خود کو مجرم سمجھتا ہوں مگر یہ سب ضروری تھا صدف، کبھی، کسی زخم کو علاج کے لیے نشتر سے چھیڑنا پڑتا ہے...... بسا اوقات گل جانے والے عضو کو جسم سے علیحدہ بھی کرنا پڑ جاتا ہے...... ممانی کو خود فیصلہ کرنے دو، ان کے ساتھ بہت ظلم کیا ہے ماموں نے میری جان......" احمد مجھے سمیٹنے کی کوشش کر رہا تھا اور میں اور بھی بکھر رہی تھی۔

☆☆☆

میں سو رہی تھی اور جانے کس وقت مما کا پیغام آیا تھا کہ خالہ نے خودکشی کر لی تھی، جانے اب یہ پیغام عمر نے پڑھا تھا کہ نہیں...... کیونکہ مجھے یاد آ رہا تھا کہ عمر نے رات کو آخری بات یہی کی تھی کہ میری مما کا پیغام تھا۔ میں نے ٹٹولنے والی نظروں سے عمر کو دیکھا۔

"عمر...... رات کو سونے سے پہلے کچھ کہہ رہے تھے آپ مجھے؟"

"میں نے تو بہت کچھ کہا تھا جانِ عمر!" عمر نے مسکرا کر کہا۔

"تم کس بارے میں کہہ رہی ہو؟"

"مجھے واقعی یاد نہیں...... آپ کو علم ہے کہ میری دواؤں میں نیند کی دوا بھی ہے غالباً!"

"میں نے تو بہت کچھ کہا تھا میری پیاری...... اب افسوس ہو رہا ہے کہ سب ضائع گیا۔"

"فون کے بارے میں کچھ کہا تھا شاید آپ نے؟" میں نے محتاط انداز میں سوال کیا۔

"ہاں وہ...... یہ رہا تمہارا فون......" وہ سرہانے کے نیچے ہاتھ مار رہے تھے۔ "تمہاری مما کی طرف سے افسوس ناک پیغام تھا......" فون میرے ہاتھ میں تھا۔ میں پہلے ہی سرہانے کے نیچے سے نکال چکی تھی، میں نے فون عمر کو دکھایا، آنسو میری آنکھوں سے بہہ نکلے...... "میں نے جان بوجھ کر نہیں پڑھا تھا پیغام...... اسکرین پر نظر آ رہا تھا جان، خودکشی کا لفظ پڑھ کر فطری طور پر تجسس کے ہاتھوں پورا پیغام پڑھ لیا۔" میں خاموش تھی۔ "جانا ہوگا ناں ہمیں؟" عمر نے سوال کیا، میری خاموشی ہی میرا جواب تھی۔ "کیا بات ہے نیل، تم ٹھیک تو ہو؟"

"ہوں" میں نے گہری سانس لی، خالہ کے بارے میں سوچا، بیچاری اکیلی رہ گئیں تو مستقبل کے اندیشوں کے باعث اپنی جان ہی لے لی، کاش ان کی کوئی اولاد ہوتی تو انہیں اپنے بڑھاپے کا سہارا نظر آتا، میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ "جانا تو ہوگا

عمر......'' میں نے کہا۔ ''مگر کیا ممکن ہے کہ ہم اماں کو یہ نہ بتائیں کہ خالہ نے خودکشی کی ہے؟'' میں نے درخواست کی، مما کے پیغام کے بعد فاطش کا صبح سویرے آنے والا پیغام بھی تھا کہ کسی کو یہ نہ بتائیں کہ خالہ نے خودکشی کی ہے...... میں نے جواب میں اس سے وجہ پوچھی تو اس نے جواب نہیں دیا۔ غالباً وہ کہیں مصروف ہوگی۔

''کیوں نہیں...... جو تم چاہو وہ بتاؤ!'' عمر نے کہا۔ ''میں تیاری کرتا ہوں چلنے کی!''

''آپ نہ جائیں بے شک......''

''ارے نہیں......'' عمر نے فوراً کہا۔ ''پہلے بھی خالو کی وفات پر مجھے جانا تھا اور کسی مصروفیت کے باعث نہ جا سکا تھا۔ حالانکہ زندگی کی کوئی مصروفیت اس سے اہم نہیں ہوتی......'' ان کے لہجے میں تاسف تھا۔

''جس طرح آپ مناسب سمجھیں۔'' میں نے اٹھ کر تیاری شروع کی نہیں تو شاید ہم جنازے پر نہ پہنچ پاتے مگر جانا تو تھا کہ مما، پاپا، فاطش اور اسود وہیں تھے...... جانے کسی نے رانی کو بتایا ہے کہ نہیں...... سوچ کر میں نے اسے کال کی مگر اس کا فون بند آ رہا تھا۔ پیغام بھیجا مگر جواب نہ آیا، غالباً وہ سو چکی ہوگی، چلو جاگے گی تو پڑھ لے گی۔ میں غسل خانے کی طرف بڑھ گئی تاکہ تیار ہو جاؤں اور پھر اماں کو بھی بتانا تھا روانگی سے پہلے۔

☆☆☆

''آپا جی...... اندر آ کر بات سن سکتی ہیں میری؟'' نادیہ کے ابا تھے، مما غم سے نڈھال خالہ کی چارپائی کے پاس زمین پر ہی بیٹھی تھیں۔ اسود اندر سو رہا تھا اور کوئی کام والی اس کے پاس تھی، میں مسلسل مما کے ساتھ تھی۔ وہ میری طرف دیکھ کر اٹھنے لگیں تو میں نے جلدی سے اٹھ کر سہارا دے کر انہیں اٹھایا۔ ہم دونوں اندر پہنچیں تو پاپا پہلے سے وہاں موجود تھے۔ میرے ذہن میں تھا کہ شاید خالہ کے مرنے کے کھانے کا کوئی مسئلہ ہوگا۔

ادبی لطائف

دہلی کے ایک مشاعرے میں جب بشیر بدر کا نام پکارا گیا تو راجندر سنگھ بیدی نے ساتھ بیٹھے مجتبیٰ حسین سے کہا۔ ''یار ہم نے در بدر ملک بدر شہر بدر تو سنا تھا، یہ بشیر بدر کیا ہوا؟''

☆☆☆

سعادت حسن منٹو نے راجندر سنگھ بیدی کو خط لکھا کہ......

''بیدی تمہاری مشکل یہ ہے کہ تم لکھنے سے پہلے سوچتے ہو، لکھتے وقت بھی سوچتے ہو اور لکھنے کے بعد بھی سوچتے ہو۔'' اس پر بیدی نے جواب میں منٹو کو لکھا۔

''منٹو تمہاری مشکل یہ ہے کہ تم نہ لکھنے سے پہلے سوچتے ہو، نہ لکھتے وقت سوچتے ہو اور نہ لکھنے کے بعد سوچتے ہو۔''

داغ دہلوی

داغ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک صاحب ان سے ملنے آئے اور انہیں نماز میں مشغول دیکھ کر لوٹ گئے۔ اسی وقت داغ نے سلام پھیرا...... ملازم نے کہا۔ ''فلاں صاحب آئے تھے اور واپس چلے گئے۔'' فرمانے لگے۔ ''دوڑ کر جا، ابھی راستے میں ہوں گے۔'' وہ بھاگا بھاگا گیا اور ان صاحب کو بلا لایا۔ داغ نے ان سے پوچھا کہ ''آپ آ کر چلے کیوں گئے؟'' وہ کہنے لگے۔ ''آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ اس لیے میں چلا گیا۔'' داغ نے فوراً کہا۔ ''حضرت! میں نماز پڑھ رہا تھا، لاحول تو نہیں پڑھ رہا تھا جو آپ بھاگے۔''

پسند: عرشیہ جنید، کراچی

"آپا جی، بھائی صاحب...... آپ سے ایک درخواست کرنی ہے کہ کسی کے سامنے یہ ذکر نہ کریں کہ بھرجائی نے خودکشی کی ہے۔ ہم نے سب کو یہی بتایا ہے کہ کسی برتن میں کسی نے دوا ڈال کر رکھی تھی اور وہ بغیر دیکھے اس میں پانی ڈال کر پی گئیں......" میں حیرت سے ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"کیوں انکل؟" میرے منہ سے سوال نکل گیا، جاننا چاہتی تھی کہ خالہ کی خودکشی کے اسباب کو وہ کس حد تک جانتے تھے۔

"اصل میں پتر...... خودکشی کا سن کر لوگ سو طرح کی باتیں سوچتے ہیں، کوئی کچھ سوچے گا کوئی کچھ...... کوئی اگر یہ سوچے گا کہ جاوید کے جانے کا غم برداشت نہ کر سکی اور خودکشی کر لی تو دوسرا یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ جانے اس کے ساتھ کیا غلط تھا جو اس نے اپنی جان لے لی...... زمانہ کسی کو کسی حال میں جینے نہیں دیتا، مرنے والی تو ہمیں دکھ دے کر چلی گئی اب اس کی میت پر لوگ انگلیاں اٹھائیں۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا......" وہ اپنے آنسو پونچھنے لگے۔ "میرے مرے ہوئے بھائی کی عزت پر بٹا لگے یہ میں نہیں دیکھ سکتا...... اور پھر اس کا تو کوئی جنازہ بھی نہیں پڑھائے گا، اسے کوئی گاؤں کے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت بھی نہیں دے گا...... یہی ہمارے ہاں کا دستور ہے......" میرا جسم سن ہو گیا۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی یہ باتیں نہ تھیں......

"ہوں......" بہ مشکل مما کے منہ سے نکلا۔

"ایک بات نکالو منہ سے یہاں کسی کے سامنے بھرجائی کی خودکشی کی...... پھر دیکھنا تماشا کہ کس طرح یہاں کیمرے اور خبروں والے پہنچیں گے جو کتوں کی طرح چٹخارے دار خبریں سونگھتے پھرتے ہیں...... اس کی میت کی چیر پھاڑ کروا کر ہی دم لیں گے......" وہ جاہل سا شخص جو باتیں کر رہا تھا وہ ہمارے گمان میں بھی نہ آئی تھیں۔

"کس، کس کو معلوم ہے حقیقت کی بابت؟" مما نے سوال کیا۔

"صرف مجھے اور نادیہ کو...... اس نے نادیہ کے نام خط لکھا تھا اس سے علم ہوا کہ اس نے خودکشی کی تھی۔" میرے کان کھڑے ہو گئے۔

"کہاں ہے وہ خط اور اس میں کیا لکھا تھا؟" مما نے فوراً پوچھا۔

"خط نادیہ کے پاس ہی ہوگا، مجھے اس نے زبانی ہی بتایا ہے کہ بھرجائی نے لکھا تھا کہ وہ اپنی زندگی سے تنگ آ گئی ہے......" وہ رکے۔ "جانے کیوں تنگ آ گئی وہ اپنی زندگی سے چند دنوں میں ہی...... اچھی بھلی ہی تو تھی۔"

"ہوا کیا اسے اچانک......؟" مما خود سے سوال کر رہی تھیں، اس سوال کا جواب شاید کسی کے پاس بھی نہیں تھا...... یا شاید کسی کے پاس تھا۔

"میں نے تو نادیہ سے کہا ہے کہ اپنی اماں کو بھی نہ بتائے...... عورتوں کا پیٹ ہلکا ہوتا ہے، اتنی بھاری بات کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی اور کسی نہ کسی سے کہہ ڈالتی۔" انتہائی عقلمندی کی تھی انہوں نے۔

"ٹھیک ہے......" کہہ کر مما دوبارہ باہر کو چل دیں، میں ان کے پیچھے چل دی۔ مما کی چال میں جو کمزوری تھی وہ صرف مجھے ہی نظر نہیں آ رہی تھی بلکہ ہر کوئی دیکھ سکتا تھا کہ وہ جس طرح ٹوٹ گئی تھیں۔ بیٹیوں جیسی بہن کی موت نے ان کے جسم کا جیسے خون نچوڑ لیا تھا۔ ان کا پیلا زرد چہرہ اور بے رونق آنکھیں...... میرے دل میں کھد بدی مچ گئی تھی، میں اس ہجوم میں نادیہ کو ڈھونڈ رہی تھی اور پھر اس کے بعد مجھے وہ موقع تلاش کرنا تھا کہ میں اس کے پاس موجود خالہ کا خط دیکھ سکتی۔ یہ تو میں جانتی تھی کہ اسے خالہ اور پاپا کے بیچ تعلقات کی کچھ سن گن تھی اور یہ بات اس نے خالہ سے کہہ بھی دی تھی اور خالہ نے مجھے بلا کر اپنے ضمیر کا بوجھ بھی ہلکا کیا تھا۔

☆☆☆

چوبیس عذاب ناک گھنٹے گزر چکے تھے...... جہاز

کا پرزہ پہنچ گیا تھا اور ہمیں اس متروک قسم کے ائر پورٹ کی عمارت میں ایک گوشے میں محدود کر کے رکھا گیا تھا، اتنے مسافروں کی دیکھ بھال کی قابلیت سے محروم وہ ائر پورٹ اس دنیا سے باہر کی کوئی جگہ لگ رہا تھا۔ بچے بلبلا رہے تھے، بڑے بھی بھوک سے نڈھال تھے، اگرچہ انہیں اپنے احساسات کو قابو کرنے کا سلیقہ تھا مگر ان کی حالت سے اندازہ ہو رہا تھا۔ کئی طرح کے مریض تھے، عورتیں تھیں، ضعیف لوگ تھے اور ائر پورٹ کی عمارت، سیکیورٹی کے حصار میں بینچوں پر بیٹھے ہوئے بے بسی سے اس مژدے کا انتظار کر رہے تھے کہ جہاز پرواز کے قابل ہو گیا ہے۔

میرے نام کی کوئی اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی، جانے کوئی اور زبان تھی یا پھر اسپیکر کا نظام اتنا برا تھا کہ مجھے سوائے رانیہ کے کچھ سمجھ میں نہ آیا، میں مصطفیٰ کو اٹھائے ہوئے سیکیورٹی کی ڈیوٹی پر مامور ایک باوردی شخص کے پاس گئی اور اس سے انگریزی میں پوچھا کہ کیا اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی......

''ائر پورٹ کے کاؤنٹر نمبر نو پر آپ کو رپورٹ کرنے کو کہا جا رہا ہے۔'' اس نے شستہ انگریزی میں کہا۔

''کیا میں وہاں جا سکتی ہوں؟'' میں نے اس سے اجازت طلب کی۔

''میں چیک کر کے بتاتا ہوں......'' کہہ کر وہ چند قدم چل کر دوسرے باوردی آدمی کی طرف گیا، غالباً وہ اس کا انچارج تھا۔ تھوڑی دیر رک کر اس سے بات کی، واپس آ کر مجھ سے پوچھا کہ میرے پاس کس ملک کی شہریت تھی، میرے بتانے پر اس نے حفاظتی حصار میں سے راستہ بنایا اور مجھے جانے کو کہا، ساتھ ہی بتایا کہ مجھے کس طرف جانا تھا، میرے ساتھ ایک اور نوجوان لڑکا چلنے لگا جسے اسی آدمی نے میرے ساتھ جانے کو کہا تھا۔ کاؤنٹر پر جا کر میں نے اپنا تعارف کروایا۔ فون کا چونگا مجھے پکڑا دیا گیا، حسبِ توقع عابد ہی تھے......

''کیسی ہو رانی؟ مصطفیٰ کیسا ہے؟'' چھوٹتے ہی عابد نے پوچھا۔

''السلام علیکم......'' میں نے تحمل سے کہا۔

''آپ کیسے ہیں؟''

''وعلیکم...... میں ٹھیک ہوں رانی، تم بتاؤ...... جانے کہاں، کہاں سے کوشش کر کے تم سے بات کرنے کا وسیلہ بنا ہے۔'' بے تابی عیاں تھی۔

''اللہ کا بڑا کرم ہے عابد جو ہم کسی حادثے سے بچ گئے...... ذرا سی آزمائش ہے، اس کا کوئی مسئلہ نہیں، مشکل تو ہے لیکن اللہ بہتر کرے گا، یہ وقت بھی گزر ہی جائے گا، آپ بس دعا کریں...... اور ہاں اپنے امی ابو کو نہ بتایئے گا......'' میں نے اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھنے کی کوشش کی ورنہ میں ایسی بہادر نہیں...... موت کو جتنا قریب سے سوچا اور محسوس کیا تھا اس کے بعد میرے اندر یہ معمولی سی تبدیلی آئی تھی ورنہ عام حالات میں تو میں عابد کی آواز سنتے ہی دھاڑیں مار مار کر رو دینے لگتی۔

''اچھا تم پریشان نہ ہونا......'' عابد نے کہا۔

''ابو کو معلوم ہے، انہوں نے ہی مجھے بتایا تھا اور میں نے ٹی وی آن کر کے سنا بھی اور میرا تو دماغ بھک سے اڑ گیا یہ سوچ کر کہ تم کس قدر پریشان ہو گی۔''

''اللہ کا لاکھ، لاکھ شکر ہے عابد...... اس نے ہمیں محفوظ رکھا، اس آزمائش میں، میں اور مصطفیٰ تنہا نہیں...... بہت سے لوگ ہیں، ہم سب اکٹھے ہیں اور سب کے لیے ایک جیسی آزمائش ہے......'' میں نے رسان سے کہا۔

''واؤ...... رانی!'' عابد نے یقیناً سیٹی کے انداز میں ہونٹ سکوڑے ہوں گے۔ ''میں تو تم سے بہت متاثر ہو گیا ہوں۔''

''میں سمجھی کہ آپ بہت سال پہلے مجھ سے متاثر ہو گئے تھے۔'' میں نے ہنس کر کہا تھا اور فون بند کر کے لوٹی تو وہ محافظ میرے ساتھ، ساتھ چل رہا تھا، مصطفیٰ جیسے نیند میں چل رہا تھا، میں نے ایک بینچ پر بیٹھ کر اسے اپنی گود میں لٹا لیا اور اس کے بالوں میں ہولے، ہولے

انگلیاں پھیرنے لگی۔

اچھا ہی ہوا کہ میں نے مما کو سرپرائز دینے کا سوچا تھا ورنہ اس وقت وہ جس کیفیت اور پریشانی میں ہوتیں وہ ان کی فکروں میں اضافہ ہی کرتا۔ مصطفیٰ کے ننھے، ننھے خراٹے...... میں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے تھکے، تھکے وجود سے ہلکی، ہلکی بو آ رہی تھی، اسے ہر روز نہانے کی عادت تھی اور اس وقت دوسرا دن چل رہا تھا کہ اسے نہلا نہ سکی تھی، میں نے اپنے پرس میں سے چھوٹی سی پرفیوم کی بوتل نکالی، اپنی ہتھیلی پر اس میں سے تھوڑا سا پرفیوم نکال کر ملا اور اسے مصطفیٰ کے جسم کے مختلف حصوں پر ملنے لگی، ہلکی سی خوشبو پھیل گئی مما جیسی، یہ پرفیوم مجھے مما نے پرس میں رکھنے کے لیے دیا تھا، یہ اسی پرفیوم کا miniature تھا جو وہ استعمال کرتی تھیں۔ ''مما!'' میں نے جیسے بے خیالی میں ان کو پکارا۔ گھڑی دیکھی۔ پاکستان میں کیا وقت ہوگا۔ صبح سویرے کا وقت ہوگا۔ میرا فون بند تھا اور اس وقت اس پر کوئی سروس نہ تھی، سوچا کہ آن کروں اور مما سے بات کروں، انہیں تشویش تو ہوگی کہ مجھ سے بات نہ ہوئی تھی، کال کی ہوگی تو عابد نے کیا بہانہ گھڑا ہوگا۔ پوچھ ہی لیتی عابد سے...... میں بھی کچھ اور بھی کچھ سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

''میں دن بھر موقع ڈھونڈتی رہی تم سے بات کرنے کا نادیہ......'' رات کھلی چھت پر چارپائیوں کی قطار میں، میں نے کوشش کر کے نادیہ کے ساتھ والی چارپائی لی تھی، میرے ساتھ مما کی چارپائی تھی اور وہ چھت کی آخری چارپائی تھی...... پاپا کہیں مردانے میں تھے۔

''میں جانتی تھی کہ ایسا ہی ہوگا۔'' کیسی تیز تھی وہ جسے میں سادہ سا سمجھ رہی تھی۔

''تم کیسے جانتی تھیں؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ کو اس خط کے پڑھنے کی بے تابی بھی ہوگی۔'' اس نے کہا تو میں خاموش ہو گئی، یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ کون سا خط؟

''جب تمہیں سب علم ہی ہے تو مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں...... تم خود ہی بتا دو مجھے۔''

''چاچی نے جو خط لکھا ہے وہ ایسا نہیں کہ میں کسی کو بھی اس کے مندرجات بتاؤں......'' اس نے ہولے سے کہا، ہم کوشش کر رہے تھے کہ ہماری آواز مما تک بھی نہ پہنچے مگر......

''کیا لکھا ہے اس خط میں جو بتانے کے قابل نہیں...... میں جاننا چاہوں گی۔'' مما نے اچانک کہا تھا گویا وہ ہماری گفتگو سن رہی تھیں۔

''آپ تو نہ ہی پوچھیں آنٹی......'' نادیہ نے کہا۔

''کیوں نہ پوچھوں......؟'' مما ذرا غصے میں آ گئیں۔ ''کیونکہ کوئی خط اس نے لکھا ہی نہیں ہوگا۔ یا یہ بھی تو ممکن ہے کہ اس نے سرے سے خودکشی کی ہی نہ ہو۔ اسے کسی نے زہر دے کر مار دیا ہو اور سارا ڈراما خودکشی کا ترتیب دے دیا ہو......'' مما غصے میں بول رہی تھیں۔ ''دیکھنا تو یہ ہے کہ اس کی خودکشی سے کس، کس کو فائدہ پہنچ سکتا ہے...... اس کے تو بال نہ بچہ۔ اس کے بعد کون والی وارث ہے......''

''آنٹی......'' نادیہ کچھ بولنے ہی لگی تھی کہ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اسے ہولے سے دبایا کہ وہ خاموش رہے۔ میں اس سے جو بات تنہائی میں کرنا چاہ رہی تھی اس میں مما کی مداخلت سے بھی بات بگڑ سکتی تھی۔

''اچھا چھوڑیں اس بات کو سو جائیں مما...... نادیہ سو جاؤ تم بھی۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھامے، تھامے کہا۔ مما نے کروٹ بدل لی مگر تھوڑی دیر کے بعد انہیں گھبراہٹ ہونے لگی۔ ان سے باہر سویا نہیں جا رہا تھا۔

''میں نیچے جا رہی ہوں سونے کے لیے...... تانیہ کے کمرے میں۔'' مما نے اٹھ کر اپنی چپل پہنی۔ ''کھلے آسمان تلے سونے کی عادت نہیں

مجھے...... تم بھی آجاؤ!''

''میں ٹھیک ہوں یہاں مما...... اور اسود بھی اب سو رہا ہے!''

''اسے کوئی مچھر وچھر کاٹ گیا تو!'' مما نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں نے اس پر اپنا دوپٹا لپیٹ رکھا ہے مما، آپ پریشان نہ ہوں اس کے لیے!'' میں نے کہا تو وہ چل دیں، مجھے نادیہ سے بات کرنے کا اس سے بہترین موقع اور کون سا مل سکتا تھا۔

''انہوں نے خط میں خودکشی کرنے کی وجہ کیا لکھی ہے......'' وہ رکی۔

''دانیال انکل ہیں!'' میرا دماغ بھک سے اڑ گیا، میں اندھیرے میں اس کے چہرے کو گھور رہی تھی۔

''اور......'' کافی دیر کے بعد بہ مشکل میرے منہ سے الفاظ ادا ہوئے۔'' اور کیا لکھا ہے انہوں نے؟''

''چاچی نے اپنے بعد اپنے حصے کی ساری جائداد...... رفاہی اداروں کو دینے کا کہا ہے...... یہ گھر انہوں نے مجھے دینے کو کہا ہے اور لاہور میں... چاچا نے ان کے لیے دو کنال کا پلاٹ لیا تھا...... اور ان کا زیور......'' وہ رکی، میں سن رہی تھی......'' یہ سب کچھ آپ کے لیے ہے!'' میں بے یقینی سے سب سن رہی تھی۔

''مم...... میرے لیے کیوں؟'' میں ہکلائی۔

''چاچی نے لکھا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ آپ کو بیٹی کی طرح چاہا ہے......'' وہ پھر گویا ہوئی۔'' کچھ چیزیں تو انہوں نے چاچا کی زندگی میں قانونی طور پر ہی ان لوگوں کے نام لگا دی تھیں جنہیں دینا تھیں...... باقی زمینیں وغیرہ ہیں، ان کا فیصلہ شرعی طریقے سے ہو گا، زمین تو یوں بھی ساری چاچا کی تھی سو اس کے بارے میں مجھے علم نہیں......''

گویا خالہ کے پاس اپنا جو کچھ تھا، اس میں سے حق مہر میں ان کے نام لکھا گیا گھر انہوں نے خالو کی بھتیجی کو دیا تھا...... اس کا جانے کیا سبب تھا۔ شہر کی جائداد جو کہ مہنگی ترین ہو گی۔ اس کی وارث میں، تنہا میں...... مگر کیوں؟

''نادیہ......'' میں گہری سوچ میں تھی کہ اس سے یہ بات کہوں یا نہ کہوں۔ ''تم سے ایک درخواست کرنا تھی۔''

''کہیں آپی!'' اس نے اندھیرے میں ہی میری طرف دیکھا۔

''میں تمہیں بہت زیادہ نہیں جانتی...... مگر جتنا جان پائی ہوں۔ اس سے مجھے لگتا ہے کہ تم بہت سمجھدار ہو۔''

''مکھن لگا رہی ہیں آپی؟'' وہ ہولے سے ہنسی۔

''نہیں، سچ کہہ رہی ہوں......'' میں نے کہا۔

''جس طرح تم نے خالہ کے بارے میں چیزوں کو صیغۂ راز میں رکھا...... جس طرح انہیں سمجھایا اور جس طریقے سے تم نے ان کے خط کے مندرجات اپنے ابا تک کو بھی نہیں بتائے۔''

''اس میں ایسا ہے کیا آپی جو میں ڈھول پیٹتی پھروں...... چاچی مجھے بہت چاہتی تھیں، اسی طرح جس طرح وہ آپ کو بیٹی سمجھتی تھیں اور میرے اوپر ان کا ایک ایسا احسان ہے کہ اس کے بدلے مجھے ان کے راز کو راز رکھنا ہے...... اور اب تو وہ خود نہیں رہیں تو ان کے راز کو افشا کر کے مجھے کئی زندگیوں میں زہر کیا گھولنا۔''

''تم اس سے کہیں زیادہ عقلمند ہو پیاری...... جتنا میں تمہیں سمجھ رہی تھی۔'' میں نے دل سے اعتراف کیا۔

''اب تم سے ایک اور درخواست بھی کرنی ہے۔''

''حکم فرمائیں آپی...... مجھے آپ بہت پیاری ہیں۔ میں تب سے آپ سے متاثر ہوں جب آپ چھوٹی سی تھیں اور چاچا کے ہاں رہنے آتی تھیں، میں آپ کو اپنے گھر کی چھت سے چھپ چھپ کر تا کا

(دیکھا) کرتی تھی۔"

"چھپ، چھپ کر کیوں بھئی؟" میں ہنسی۔

"کیونکہ مجھے لگتا تھا کہ پھولے، پھولے گالوں والی اور پیارے، پیارے فراک پہننے والی یہ لڑکی بہت مغرور ہوگی......" میرا اس بات پر قہقہہ نکل جاتا جو عام حالات ہوتے، میں نے اپنی مسکراہٹ کو دبایا۔

"بہت افسوس ہے بھئی...... تم نے مجھے بچپن سے ہی ایک اچھی دوست سے محروم کر دیا!" میں نے اس کے گال کو پیار سے چھوا۔

"آپ کچھ کہنے والی تھیں؟" اس نے بات بدلی، جو روشنی ہوتی تو میں دیکھتی کہ اس کے گال کیسے لال ہوگئے ہوں گے۔

"مما...... اصل میں اپنی بہن کی اس طرح وفات پر بہت جذباتی ہو رہی ہیں...... تم ان کی کسی بات کا برا نہ ماننا، وہ کچھ کہیں تو میں ان کی طرف سے معافی مانگ لوں گی، ویسے بھی وہ کچھ جانتی بھی تو نہیں...... جو تم اور میں جانتے ہیں......"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے آپی، وہ میری بھی ماں جیسی ہیں۔" اس نے کہا تو اطمینان میرے دل تک اتر گیا۔

سوچتے، سوچتے جانے کس وقت میں نیند کی وادی میں چلی گئی تھی...... صبح کاذب کے وقت آنکھ کھلی تو اسود کو لے کر نیچے چلی گئی، خالہ کے کمرے میں مما تنہا سو رہی تھیں، میرے جانے سے جاگ اٹھیں۔

☆☆☆

ماموں کا لیپ ٹاپ خراب تھا...... انہوں نے پیغام بھیج کر مجھے بلوایا، میں نے آ کر دیکھا تو اس کی ہارڈ ڈسک میں کوئی مسئلہ تھا، ماموں کو بتایا تو انہوں نے کہہ دیا کہ اسے پھینک کر میں انہیں کوئی اور بہتر لیپ ٹاپ لے دوں...... میں نے انہیں بتایا کہ اچھا خاصا لیپ ٹاپ تھا، تھوڑی سی مرمت کے بعد جیسی تیسی قیمت پر ہی سہی مگر اسے بیچا جا سکتا تھا۔ انہیں بہر صورت نیا لیپ ٹاپ ہی چاہیے تھا۔

"تم اسے مرمت کروا کر رکھ لو اگر تم برا محسوس نہ کرو تو مجھے نیا لیپ ٹاپ لینے میں مدد کر دو۔" ماموں نے سخاوت کا مظاہرہ کیا، وہ میرے فقط ماموں ہی نہیں، سسر بھی ہونے والے تھے، یوں بھی ان کی طرف سے مجھے گاہے بگاہے تحائف ملتے رہتے تھے کہ ان کے پاس پیسے کی کوئی کمی نہ تھی۔

میں ان کے دفتر گیا اور انہیں اپنے لیپ ٹاپ پر نئے لیپ ٹاپ کے ماڈل دکھائے...... انہیں ان کے فیچر سمجھائے مگر مجھے اندازہ ہو گیا کہ ماموں کو لیپ ٹاپ کے استعمال... کا کچھ خاص اندازہ نہیں تھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ لیپ ٹاپ صرف اپنی ای میل اور فیس بک کو چیک کرنے کے لیے لینا چاہتے تھے۔ اگرچہ انہیں اس مقصد کے لیے اتنی رقم استعمال کرنے کی ضرورت نہ تھی تاہم مجھے ان کے انتخاب پر کوئی اعتراض تھا نہ اعتراض کا حق۔ انہوں نے نیا لیپ ٹاپ لے لیا اور پرانے والا میرا ہوا۔

ماموں والا لیپ ٹاپ ملا تو وہ میرے پہلے لیپ ٹاپ سے بہت بہتر تھا، میں نے اپنے لیپ ٹاپ کو بیچنے کا سوچا، اس کے لیے مجھے اپنی ساری معلومات ماموں والے لیپ ٹاپ میں منتقل کرنا تھیں، ان کے لیپ ٹاپ کو خالی کر کے ہی میں اپنے لیپ ٹاپ کی معلومات اور ڈیٹا اس میں منتقل کر سکتا تھا۔ پاس ورڈ ماموں نے مجھے بتا دیا تھا، میں نے اسے کھولا، تھوڑی دیر اپنی ماہرانہ تکنیک سے میں نے اس کی فائلیں کھولیں کہ اگر ان میں کچھ اہم ہو تو وہ یو ایس بی پر منتقل کر کے ماموں کو دے دوں۔ اور میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں...... میں دیکھتا جا رہا تھا، پڑھتا جا رہا تھا اور حیرت کی وادیوں میں کھوتا جا رہا تھا۔" تو یہ سب ہو رہا تھا!" ماموں کو تو میں بہت شریف سمجھتا تھا، آئیڈیل تھے وہ میرے اور میرے آئیڈیل کی تصویر کا دوسرا رخ کتنا مکروہ تھا۔

☆☆☆

"اپنے پاپا کو بلواؤ فاطمہ باہر سے...... مجھے ان سے کوئی بات کرنی ہے۔" مما نے کہا تو میں نے کسی سے کہہ کر پاپا کو پیغام بھجوایا۔ تھوڑی دیر میں پاپا آ گئے۔

"آپ سے ایک بات کرنا تھی دانیال!"

"ہوں؟" پاپا نے سوالیہ انداز میں مما کو دیکھا۔

"میں تانیہ کے قتل کی رپورٹ لکھوانا چاہتی ہوں...... مجھے شک ہے کہ اسے جاوید کے بھائیوں نے مار دیا ہے، زمین کے لالچ میں، ان سب جائدادوں کے لالچ میں جو یہاں ملتان اور لاہور میں تانیہ کے نام تھیں۔"

"ٹھیک ہے...... میں دیکھتا ہوں۔" پاپا کے انداز میں ایسی بے پروائی تھی جو مما کو کھٹک گئی۔

"آپ کو نہیں لگتا کہ جائداد کے لالچ میں تانیہ کو قتل کروا دیا گیا ہے...... آپ کیس کروائیں، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ جن لوگوں کو اس کی جائداد ملنے والی ہے ان کے نام مشکوک لوگوں میں نامزد کروا دیں۔" مما نے سوال بھی کیا اور وضاحت بھی کر دی۔

"ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو......" پاپا نے کہا۔

"میں کچھ کرتا ہوں۔"

"جب آپ خالہ کی وفات سے مستفید ہونے والوں کے نام لکھوائیں پاپا تو ان میں میرا نام بھی لکھوائیں کہ انہوں نے اپنی جائداد کا ایک حصہ میرے نام بھی لگایا ہے، جس کی مالیت کروڑوں تک ہے!" مما مجھے گھور رہی تھیں۔ میں نے اپنے فون میں سے اس خط کے اس حصے کی کھینچی گئی تصویر مما کو دکھائی جہاں پر انہوں نے اپنے لاہور والے پلاٹ کو میرے نام لکھا تھا۔

"خط کہاں ہے...... میں پورا خط دیکھوں گی!" مما کا اصرار تھا۔ "اور ان پر اپنی بہن کے قتل کا مقدمہ بھی ضرور کروں گی......"

"ہاں، ہاں...... کیوں نہیں!" پاپا نے شاید اوپری دل سے مما کی تائید کی تھی مگر مما کا غمناک چہرہ بھی اس بات پر کھل اٹھا تھا، ان کے اور پاپا کے بیچ تناؤ کو عام لوگ محسوس نہیں کر سکتے تھے مگر چونکہ ہم جانتے تھے سو میرے لیے اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ مما کے دل میں پاپا کے لیے تمام نفرت یا ناپسندیدگی کے باوجود بھی احساس تشکر جاگا ہوگا۔

"خط خالہ نے نادیہ کے نام لکھا ہے مما...... اسے وہ صرف اس وقت عدالت میں پیش کرے گی جب اس پر اس خط کو دکھانے کے لیے مقدمہ کیا جائے گا...... خط اس نے اپنے باپ کو بھی نہیں دکھایا، آپ دیکھیں خط پاپا!" میں نے خط کی ایک اور تصویر پاپا کو دکھائی۔

"میں دانیال کے اور اپنے مابین تعلقات کی وجہ سے ہونے والی شرمندگی کے باعث خودکشی کر رہی ہوں۔" اسکرین پر خالہ کی لکھائی میں خط کا پہلا فقرہ...... صرف پاپا کو نظر آیا تھا اور ان کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

"خالہ ہی کی لکھائی ہے ناں پاپا؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں!" پاپا جیسے کسی کنویں سے بولے تھے۔

"کیا آپ سمجھتے ہیں پاپا کہ ہمیں ابھی نادیہ سے پورا خط دیکھنے کے لیے اصرار کرنا چاہیے؟" میں نے پاپا سے سوال کیا۔

"نہیں!" پاپا کے لہجے میں ایسی لرزش تھی جو ان لوگوں کے لہجے میں ہوتی ہے جنہیں شاید سزائے موت دی جاتی ہوگی۔

"جب عدالت میں ضرورت ہوگی تو......" پاپا کے لہجے میں جان کہاں تھی، میرے دل میں ہوک اٹھی مگر فقط ایک لمحے کے لیے ساتھ ہی مجھے خالہ سے وابستہ تکلیف یاد آئی۔

"آپ ٹھیک ہیں ناں پاپا؟" میں نے ان کے چہرے پر نظر جما کر سوال کیا۔

''ہوں......'' انہوں نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔

''کسی سے کہہ کر ناشتے کا کوئی بندوبست کروپاپا کے لیے...فاطش بیٹا، انہوں نے دوا کھانا ہوتی ہے!'' مما نے فکر مندی سے کہا، میں ان کا سادہ چہرہ دیکھ رہی تھی۔کیا نہیں مما...... کیا پاپا ایسی عورت کی محبت اور توجہ کے لائق تھے؟ کیا میرا دل اتنا بڑا نہیں ہو سکتا تھا کہ میں ہر شے کو اسی طرح برداشت کر پاتی، کیا میں اپنی ماں جتنا حوصلہ کر کے...... اشعر کی بے وفائیوں کے ساتھ گزارہ کر سکتی تھی؟ کہاں سے ایک بھولی ہوئی یاد آ گئی تھی...... کیا میں اسود کی خاطر قربانی دے کر زندگی نہیں گزار سکتی تھی؟ مما نے ایک بار کہا تھا۔''اولاد بہت بڑی مجبوری ہوتی ہے، عورت کے پیروں میں بندھی زنجیر...... جس کی لمبائی گھر کی چار دیواری تک ہوتی ہے، اس زنجیر میں بندھی عورت اپنے جوگی نہیں رہتی......'' کتنا بڑا سچ تھا اور کیسی تلخ حقیقت مگر میں اسے کچھ نہ پائی تھی، مما نے بھی تو آبلہ پائی کا اتنا طویل سفر کیا تھا، ہماری خاطر ہی ناں اور اب اگر انہوں نے پاپا سے خلع لینے کا سوچا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ وہ برداشت کے آخری درجے تک پہنچ گئی تھیں۔اس درجے تک جس پر میں چند ماہ میں ہی پہنچ گئی تھی۔

☆☆☆

میں اپنے دوستوں کے گروپ کے ساتھ بھوربن ...گیا تھا، گھر میں کسی کو میرے پروگرام کا علم نہ تھا، وہاں میں نے رات کے کھانے کے وقت ہوٹل میں ماموں کو دیکھا...... مگر اکیلے نہیں بلکہ کسی اور عورت کے ساتھ، میں سمجھا کہ وہ کسی کاروباری سلسلے میں اس عورت سے مل رہے ہوں گے انہوں نے مجھے نہیں دیکھا اس لیے میں بہانہ کر کے وہاں سے اٹھا اور اپنا کھانا کمرے میں منگوا لیا، ریسپشن پر کال کر کے ماموں کا نام بتایا اور پوچھا کہ وہ کس کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

''سوری سر...... ہم اپنے مہمانوں کے بارے میں تفصیلات دوسروں سے شیئر نہیں کرتے!'' جواب آیا۔

''دیکھیے وہ میرے سگے ماموں ہیں یار، ہم اکٹھے ہی آ رہے تھے، گاڑی خراب ہونے کی وجہ سے راستے میں رک گیا تھا، اب مجھے ان سے ملنا ہے...... آپ بے شک انہیں کال کر کے چیک کر لیں۔'' میں نے چال چلی۔

''وہ تو تین دن سے یہاں ہیں اور آپ آج پہنچے ہیں؟'' اس نے میرا کمرا نمبر پوچھا اور چیک کر کے کہا۔

''بتایا ہے ناں کہ گاڑی خراب ہو گئی تھی اس لیے۔ میں رک گیا تھا اور ماموں کرائے کی گاڑی لے کر آ گئے تھے......'' میں نے ہوا میں تیر چھوڑا جو کہ نشانے پر لگ گیا تھا۔

''میں نے کال کیا ہے ان کے کمرے میں سر...... وہ فون نہیں اٹھا رہے، غالباً ابھی تک وہ کھانا کھا رہے ہیں یا ممکن ہے کہ باہر سیر کے لیے نکل گئے ہوں......''

''اچھا، چلیں میں خود ہی فون کر کے ان سے رابطہ کر لیتا ہوں۔''

''ان کا کمرا نمبر 214 ہے سر...... وہ جب بھی آتے ہیں وہیں ٹھہرتے ہیں، اصل میں ان کی بیگم کو اس کمرے سے پہاڑوں کا نظارہ بہت پسند ہے، اس لیے۔ وہ جب بھی آنے والے ہوں، پہلے سے اطلاع کر دیتے ہیں تو ان کا کمرا بک ہو جاتا ہے......'' میں فون بند کرنے ہی لگا تھا کہ اس نے مجھے ضرورت سے زیادہ ہی معلومات دے دیں...... میرے ارد گرد دھماکے سے ہونے لگے۔

''نام کیا ہے تمہارا یار، بھول گیا میں؟'' میں نے پوچھا۔

''نام تو میں نے بتایا ہی نہیں سر...... کلیم نام ہے میرا ویسے!''

''بہت شکریہ نکلیم...... میں نے آج تک اتنا مہذب فون آپریٹر نہیں دیکھا......''

''بہت شکریہ سر۔'' وہ یقیناً باچھیں کھول کر مسکرایا ہوگا۔ ''میں ریسپشن ڈیسک پر ہوتا ہوں، دن کی ڈیوٹی میرے بھائی سلیم کی ہوتی ہے اور رات کی میری......''

''اچھا...... ماشاء اللہ...... کہاں کے رہنے والے ہو؟'' میں نے اس سے فری ہونے کی کوشش کی، شاید اس سے مجھے کچھ اور معلومات مل سکیں، وہ بھی غالباً اس وقت فارغ تھا۔

''جی میں ہوں تو دیول شریف کا مگر اب ہم دونوں بھائی یہیں قریب ہی رہتے ہیں، کرائے کا کمرا ہے، زیادہ وقت تو ہمارا یہیں گزرتا ہے۔''

''اچھا...... بہت شکریہ!''

''کوئی کام ہو جناب...... تو ہمیں خدمت کا موقع دیں۔'' اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

''کیا کام کر سکتے ہو تم میرا؟'' میں اس کے لہجے سے چونک گیا تھا۔

''سر آپ کے ماموں تو...... وہ تو بہت مالدار آدمی ہیں، بڑی بڑی آسامیاں لے کر آتے ہیں...... میرا مطلب ہے کہ آپ کو بھی کوئی...... میں بہت کم نرخوں میں بندوبست کر سکتا ہوں۔'' اس کی بات کا متن سمجھ کر میرے کان گرم ہو گئے۔

''اچھا میں بتاؤں گا......'' مجھے علم ہو گیا کہ وہ مجھے بہت سی معلومات دے سکتا تھا۔

''ویسے سر...... وہ آپ کے ماموں ہی ہیں یا آپ میڈیا کے کوئی آدمی ہو؟'' اس نے سوال کیا، پس منظر میں کسی کی آواز آئی، وہ کمرے کا چیک کر رہے تھے...... ''بہت شکریہ سر!'' کہہ کر اس نے فون بند کر دیا، گاہک کو اٹینڈ کرنا اس کا پہلا فرض تھا، میرے دل میں کھد بد مچا کر وہ فون بند کر گیا تھا۔

''ماموں کہاں ہیں؟'' میں نے صدف کو پیغام بھیجا......

بچپن

کیوں نہ اس گزرے ہوئے پل کو دیکھ لیں۔ جس میں زندگی چمکتے جھلملاتے ستارے کے مانند مگر پُرفریب سی تھی، خواہشات اور آرزوئیں تو اس وقت بھی بہت تھیں مگر ان کے پورا ہونے اور نہ ہونے کا احساس اتنا زیادہ شدت آمیز نہ تھا۔ دیر پا مسکراہٹیں تو آج بھی مل ہی جاتی ہیں۔ مگر وہ لمحات تو تھے ہی مسکراہٹوں کے جو مسکراہٹ ملتی دل تک اثر کرتی۔ اس وقت دوریوں کا احساس فاصلوں کی بنیاد پر کیا جاتا تھا اور جب نزدیکیاں ملتیں تو بھی دوریاں برقرار رہتیں۔ حرارت اس قدر نہ تھی کہ حالات کی برف سے پگھل کر ڈھکے ہوئے احساسات نمودار ہو کر دل کی آنکھ کے سامنے آ سکتے۔

اچھا تھا کہ اس وقت تنہائیوں سے آگاہی نہ تھی کہ تنہا ہو کر خود کو تنہا نہ سمجھتے تھے سوچیں صرف محدود تھیں مگر ان کا انجام غیر محدود کسی سے جدا ہو کر ملن کی خواہش کم کم ہی تھی، آنسو آنکھوں ہی سے چھلکتے تھے مگر دل تک رسائی کچھ بھی نہیں تھی اور اگر تھی بھی تو دماغ سے بالاتر ہو کر...... چاہتیں عارضی تھیں اور دکھ پل بھر کے لیے ہی ہوتے، اب کے برعکس روشنیاں زیادہ مسرت آمیز تھیں اور اندھیروں سے خوف محسوس ہوتا۔ زندگی کا ایک ہی روپ تھا جس میں زمانے نے رنگ بھر لیے اور وقت کے ساتھ، ساتھ مختلف رنگوں میں ڈھلتا گیا۔ غرض کے وہ پل بھی گزر گئے اور جو کچھ اب ہے یا آنے والے پل میں وہ بھی نہیں رہے گا کیونکہ یہی زندگی کے ارتقائی مراحل ہیں شاید۔

از: صائمہ جواد، کراچی

''پاپا کراچی گئے ہیں کسی کام کے سلسلے میں......''
''کب گئے ہیں اور کب لوٹیں گے؟''میں نے پوچھا۔
''تین دن ہو گئے ہیں احمد...... خیریت تو ہے؟''اس کے لہجے میں تشویش در کر آئی تھی۔
''ہاں ہاں...... سب ٹھیک ہے، بس پوچھنا تھا کہ ان کا نیا لیپ ٹاپ ٹھیک ہے، کوئی مسئلہ تو نہیں کر رہا؟''مجھے فوراً بہانہ سوجھا۔

''تم کہو تو میں چیک کرلوں ان کی اسٹڈی میں جا کر......''اس نے پوچھا۔
''نہیں نہیں...... وہ تو ساتھ لے کر گئے ہوں گے۔ٹھیک ہے...... میں انہی کو کال کر کے پوچھ لوں گا۔''میں نے گھبرا کر فون بند کیا۔

تو گویا ماموں دوہری زندگی گزار رہے تھے...... ممانی کے ساتھ دھوکا کر رہے تھے۔ مجھے یہ سب سوچ کر دکھ ہوا اور میرا سر واقعی درد سے پھٹنے لگا۔ کیا میں ماموں کا سامنا کروں یا......' میں نہیں چاہتا تھا کہ ماموں نہ صرف ممانی کو دھوکا دیں بلکہ گناہ بھری زندگی گزاریں۔ ممانی ان کے ساتھ مخلص تھیں، ان کے پورے خاندان کے ہر فرد کی من پسند تھیں کیونکہ انہوں نے باہر سے آ کر بھی ہم سب لوگوں کو اس طرح اپنا لیا تھا کہ وہ ہمیں اپنوں سے بڑھ کر اپنی لگتی تھیں اور میں تو ان کا خاص الخاص منظورِ نظر تھا کہ میں ان کی سب سے لاڈلی بیٹی کا منگیتر تھا۔

یا میں ماموں کے اس گناہ یا جرم سے چشم پوشی کروں...... اگر اللہ نے ان کا راز کسی پر آشکار نہیں کیا تھا تو میں بھی خاموش رہوں؟ میرے دل و دماغ میں جنگ جاری تھی، کیا پیسے والوں کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے پیسے کو منفی کاموں کے لیے استعمال کریں؟ ممانی کو کال کر کے بتاؤں کہ کال کر کے ماموں سے پوچھیں کہ وہ کراچی میں کہاں ٹھہرے ہوئے تھے؟ ممانی کے اندھے اعتماد کو وہ ٹھیس پہنچا رہے تھے۔

☆☆☆

میں سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے، آنکھیں موندے بیٹھی تھی، مصطفیٰ میری گود میں سو رہا تھا، میں نے آہستہ، آہستہ اس کی پشت پر اپنے ہاتھ پھیرتے ہوئے گزرے ہوئے چوبیس گھنٹوں کی بابت سوچا، جہاز کو اس قابل بنا دیا گیا تھا کہ وہ کسی قریبی ائرپورٹ تک پہنچ سکے...... وہاں سے ہمیں کوئی اور جہاز اپنی منزلِ مقصود...یعنی پاکستان تک پہنچاتا۔ جہاز کی لینڈنگ کے لیے ہدایات دی جا رہی تھیں اور بتایا گیا کہ اگلے چند منٹوں میں ہم لینڈ کرنے والے تھے، دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔
دبئی ہماری عارضی منزل ٹھہرا، یہاں سے تین گھنٹے میں ہمیں اگلی پرواز سے پاکستان بھیجا جانا تھا، مزید ساڑھے تین گھنٹے کی پرواز اور میں پاکستان میں ہوتی، اپنے پیاروں کے پاس!
تمام مسافروں کی تقلید میں، میں بھی مصطفیٰ کا ہاتھ تھامے چل رہی تھی، کوشش کر رہی تھی کہ گروپ کے ساتھ رہوں، ہم سب سامان وصول کرنے جا رہے تھے...... چونکہ یہ فلائٹ ایمرجنسی میں یہاں اتری تھی اس لیے اس کے سامان کی دوبارہ چیکنگ کی تو اصولاً ضرورت نہ تھی مگر جانے کیوں ہمیں اسی طرف لے جایا جا رہا تھا...... بعدازاں معلوم ہوا کہ کسی قسم کی دہشت گردی کی افواہ پھیلی ہوئی تھی سو ساری پروازوں کی سخت چیکنگ ہو رہی تھی۔ میں نے اپنے دو سوٹ کیس وصول کر لیے تھے...... تیسرے سوٹ کیس کا گلابی ربن غائب ہونے کے باعث میں اسے پہچان ہی نہ سکی اور وہ کہیں میرے پاس سے گزر گیا۔ چند گز کے فاصلے پر وہ سوٹ کیس مجھے زمین پر پڑا نظر آیا، اس کا ہینڈل ٹوٹ چکا تھا...... گلابی ربن ہینڈل کے ساتھ ہی تو بندھا تھا اسی لیے وہ غائب تھا۔ پورٹر نام کی کوئی مخلوق نظر نہ آئی تو میں نے خود ہی ٹرالی گھسیٹی اور جا کر وہ سوٹ

کیس اٹھالیا، معمول سے بھاری بھی تھا وہ سوٹ کیس یا شاید اس کا ہینڈل ٹوٹ جانے کے باعث مجھے ایسا محسوس ہوا تھا۔

میں اپنا سامان لے کر ان لوگوں کے پیچھے چل پڑی جو کہ چیکنگ کی طرف جارہے تھے...... مصطفیٰ کو بھی میں نے ٹرالی پر بٹھالیا تھا کہ وہ چل، چل کر تھک گیا تھا۔ قطار کافی طویل تھی اور وہاں بیٹھنے کو کوئی جگہ بھی نہ تھی۔ تھکاوٹ اب نئے انداز سے طاری ہو رہی تھی...... جماہیاں آرہی تھیں۔ میری باری بالآخر آ گئی۔

وہاں سے باہر نکلی تو ایک طویل قطار اپنے، اپنے سامان کے انتظار میں کھڑی تھی مگر سامان کو کلیئر کرنے کا عمل کافی سست تھا، کنویئر بیلٹ رکی ہوئی تھی، تھوڑی دیر کے بعد چلتی، ایک سوٹ کیس گزرتا اور پھر چند منٹ کا وقفہ آجاتا، تبھی وہاں چند اور لوگ آئے جو کہ پولیس کی وردی میں تھے، اس کے تھوڑی دیر کے بعد کچھ اور باوردی افراد آئے، ان کے ہاتھوں میں لمبی چینز تھیں جن کے دوسرے سروں پر بڑے، بڑے کتے تھے جو جوش سے بھونک رہے تھے...... انہیں ہمارے اس سامان کے پاس لے جایا گیا جو کنویئر بیلٹ پر سے اتار کر ایک ڈھیر کی صورت نیچے رکھا گیا تھا۔ وہ تیزی سے سامان کے گرد گھوم رہے تھے۔ ان سب نے مل کر ایک، ایک سوٹ کیس کو سونگھنا شروع کر دیا، ہم سب بیزاری سے کھڑے اس عمل کو دیکھ رہے تھے، پولیس کی وردیوں میں ملبوس وہ سارے اس منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے یقیناً......

کتوں کی چیکنگ کے بعد...... ایک، ایک کر کے سوٹ کیس واپس کنویئر بیلٹ پر رکھے جارہے تھے، کتوں کو واپس لے جایا گیا تھا مگر باقی پولیس والے وہیں تھے۔

''یہ سوٹ کیس کس کا ہے؟'' ہم سب اچک، اچک کر دیکھ رہے تھے۔ میرے سامنے کتنے ہی لوگ تھے اس لیے مجھے نظر نہ آرہا تھا۔ ذرا سی بھیڑ چھٹی۔ میں آگے بڑھی اور دیکھنے لگی۔ وہ میرا سوٹ کیس ہی تھا، میں اس کی طرف بڑھی۔ ''میرا سوٹ کیس ہے یہ!'' میں نے دعویٰ کیا تو دو پولیس والے آگے بڑھے۔

''ہمارے ساتھ چلیں......'' ایک نے کرخت آواز میں انگریزی میں کہا۔

''کہاں......'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''چلیں تو علم ہو جائے گا۔''

''میں اپنا باقی سامان تو لے لوں!'' میں نے اپنے لہجے کو نارمل رکھنے کی کوشش کی۔

''اس کی آپ فکر نہ کریں، وہ یہیں پر ہے......'' میں ان کی تقلید میں چل پڑی، ان کے پاس ٹرالی میں میرا سوٹ کیس تھا۔ ایک کمرے کے دروازے کے باہر پردہ ہٹا کر وہ اندر داخل ہوئے اور مجھے اس کے ساتھ ایک کمرے میں جا کر جامہ تلاشی دینے کو کہا گیا۔ ابھی تو جامہ تلاشی ہوئی تھی...... میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

''بچے کو باہر بھیجنا ہوگا......'' اندر موجود خاتون نے کہا، میں نے بہ مشکل مصطفیٰ کو باہر بٹھایا اور دوبارہ اندر گئی...... اس روز مجھے جامہ تلاشی کا صحیح مطلب سمجھ میں آ گیا۔

''میری اس طرح تلاشی کیوں لے رہے ہیں؟'' میں نے حیرت سے اس سے سوال کیا۔

''تمام مشکوک لوگوں کی اسی طرح تلاشی لی جاتی ہے میڈم......'' اس نے غالباً اس لیے احترام سے بات کی تھی کہ میرے پاسپورٹ کا رنگ سبز نہ تھا ورنہ تو شاید اس کا لہجہ ہی کچھ اور ہوتا۔

''مشکوک؟'' میرے دماغ میں اس کا کہا ہوا لفظ اٹک گیا۔

''مجھے اس سے زیادہ کچھ علم نہیں ہے...... اس کے بعد آپ دوسرے دروازے سے نکل کر اگلے کمرے میں چلی جائیں......''

''مگر میرا بیٹا تو اس وقت اس سے پہلے والے،

کمرے میں ہے...... ''میں نے احتجاج کیا۔ ''اس کمرے میں!'' اشارہ کر کے میں نے اس سے کہا۔ وہ عربی میں کچھ بڑبڑائی اور باہر جا کر مصطفیٰ کو لے کر آئی۔ میں نے لپک کر اسے اٹھایا اور دوسرے دروازے کی طرف چل دی۔ وہاں کئی لوگ تھے...... دو ایک عورتیں بھی تھیں، وہ سب لوگ پولیس کی وردیوں میں تھے یا غالباً ائرپورٹ سیکیورٹی کی۔

''یہ سوٹ کیس آپ ہی کا ہے ناں میڈم...... رانیہ دانیال!'' اس نے میرے ہاتھ سے پاسپورٹ لے کر کھول کر اس میں سے میرا نام پڑھا۔

''جی!'' میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ وہیں پر موجود لوگوں میں سے دو کے ہاتھ میں کیمرے تھے، وہ غالباً وڈیو بنا رہے تھے، دونوں مخالف سمتوں میں کھڑے تھے۔

''آپ کو پورا یقین ہے کہ یہ آپ کا سوٹ کیس ہی ہے؟'' پھر سوال کیا گیا۔

''جی، مجھے پورا یقین ہے......'' میں نے جواب دہرایا۔

''کیا اسے آپ نے خود ہی پیک کیا تھا...... اس میں سارا سامان خود رکھا تھا؟'' عجیب سا سوال تھا۔

''ہاں...... زیادہ تر، ممکن ہے کہ کچھ سامان میرے شوہر نے رکھا ہو۔'' مجھے سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اس نوعیت کے سوالات کیوں پوچھ رہے تھے وہ۔

''اس بچے کو ذرا وہاں بٹھا دیں!'' ایک آدمی نے صوفے کی طرف اشارہ کیا، میں نے مصطفیٰ کو پیار سے سمجھایا کہ وہ بیٹھ کر ٹی وی دیکھے اور خود واپس اسی جگہ پر آ گئی۔

''کیا آپ اپنے پورے ہوش و حواس میں ہیں رانیہ دانیال؟''

''میرا خیال ہے......'' میں نے طنز سے کہا۔

''مجھے اپنا خیال نہ بتائیں...... میرے سوال کا سیدھا سادہ جواب دیں۔'' اس نے غصے سے کہا۔

''جی......'' میں ڈر سی گئی، اس کے لہجے میں کچھ بہت زیادہ عجیب تھا۔

''سوٹ کیس کھولیں......'' اس نے کہا۔ میں آگے بڑھی۔ ''آپ نہیں......'' وہ دہاڑا۔ ''آپ اس سوٹ کیس کو چھو بھی نہیں سکتیں۔'' اس کا لہجہ انتہائی غصیلا تھا۔ کیمروں والے اپنے کام میں مصروف تھے۔

''مگر یہ میرا سوٹ کیس ہے...... میں اسے کیوں نہیں چھو سکتی؟'' میرے لہجے میں حیرت بھی تھی اور غصہ بھی، اسی اثنا میں کسی نے وہ سوٹ کیس کھول دیا تھا...... میں ڈر سے چیخ مار کر پیچھے کو ہٹی...... ''نہیں، نہیں......''

''کیا ہوا...... کیا نہیں، نہیں؟'' سوال داغا گیا۔

''یہ سوٹ کیس میرا نہیں ہے......'' میں نے ہکلا کر کہا۔

''سارے مجرم پکڑے جانے پر اسی طرح کہتے ہیں۔'' اس نے میرے چہرے کو گھورتے ہوئے کہا۔

''یقین مانیں یہ سوٹ کیس میرا نہیں ہے......'' میں گڑگڑائی۔ ''یہ...... میرا کیسے ہو سکتا ہے؟''

''اچھا، کیوں نہیں ہو سکتا آپ کا؟'' وہ ہنسا تھا۔

''میرا کیسے ہو سکتا ہے یہ......'' میں ہکلا رہی تھی مسلسل...... ''میں تو پاکستان جانے کے لیے اپنا ٹکٹ بھی کریڈٹ کارڈ پر لائی ہوں، اگر یہ میرا ہوتا تو......'' میری آواز کانپ رہی تھی اور آنکھیں اس سوٹ کیس کو دیکھ کر پھٹی جا رہی تھیں...... جس میں چند کپڑے تھے، جو شاید صرف اوپری تہ میں رکھے گئے تھے اور ان کے نیچے سیکڑوں کے حساب سے ڈالروں کے نئے نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں۔

زندگی کیسے کیسے رنگ و روپ بدلتی ہے۔ یہ خود وہ بھی نہیں جانتے جوان مرحلوں سے گزر رہے ہوتے ہیں مگر ہماری مصنفہ نے خوب جانا ہے، سب کے دلوں کا حال اسی احوال کی مزید داستان پڑھیے اگلے ماہ کے شمارے میں......

منی ناول

زندگی خاک نہ تھی

شیریں حیدر

پانچواں حصہ

دروازہ کسی نے کھٹکھٹایا تھا...... یا میں نے خواب میں سنا تھا، میں نے دوسرے بیڈ پر سوئے ہوئے کاشف کو دیکھا، وہ رات دیر تک دوستوں کے ساتھ تاش کی بازی جما کر لوٹا تھا، مجھے معلوم نہیں کہ وہ کتنے بجے آیا تھا۔

''کاشی!'' میں نے اسے پکارا مگر اس کی طرف سے خراٹوں میں جواب آیا، دروازے پر پھر دستک ہوئی، دستک کی آواز اتنی مدھم تھی مگر میں نے ہمت کر کے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

''کون ہے، کیا بات ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''سر میں کلیم!'' اس نے مسکرا کر تعارف کروایا۔ ''آپ سے فون پر بات ہوئی تھی ناں سر!''

''تو؟'' میں نے جماہی روکنے کی ناکام کوشش کی۔

''وہ بات ادھوری ہی رہ گئی تھی سر...... کسی کسٹمر

کے آ جانے کی وجہ سے، میں آپ سے پوچھ رہا تھا کہ کس طرح کا مال پسند کریں گے آپ...... لوکل بھی ہے، کوئی نہ کوئی ولایتی مال بھی مل جاتا ہے اور کال پر اچھا مال بھی دستیاب ہوتا ہے...... جیسا کہ آپ کے ماما جی ساتھ لے کر آتے ہیں۔''

''اچھا...... تو تم کلیم ہو!'' میں نے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا اور باہر کاریڈور میں نکل آیا۔ ''تم تو اس سے بالکل مختلف ہو جیسا میں نے تم سے بات کرتے ہوئے تصور کیا تھا!'' حقیقت بھی یہی تھی کہ میں اس کے ''وہ بات'' کرنے کے انداز سے سمجھا کہ کوئی خرانٹ سا آدمی ہوگا مگر وہ تو بہ مشکل چوبیس، پچیس سال کا ایک دبلا پتلا اور معصوم صورت لڑکا تھا۔

''آپ نے کیا تصور کیا تھا سر......'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''جو بھی سمجھا تھا مگر تم میرے تصور سے بڑھ کر اسمارٹ ہو۔''

''بہت شکریہ سر......''

''بات یہ ہے یار کہ اس بار تو میں اپنے دوست کے ساتھ ہوں...... ایک کمرے میں...تو تمہاری اس اچھی آفر کو میں کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''کوئی مسئلہ نہیں سر...... علیحدہ کمرے کا بندوبست بھی میرا ہوگا، سارے، کمرے بک تھوڑی ہوتے ہیں، خالی کمرے اسی لیے ہوتے ہیں ناں اور ان کا کوئی علیحدہ سے کرایہ بھی نہیں دینا پڑے گا آپ کو۔'' اس نے میرے مسئلے کا حل بتایا۔

''پھر سہی یار......'' میں نے دل ہی دل میں زچ ہوتے ہوئے کہا مگر اسے صاف انکار کر کے میرا مقصد نہ حاصل ہوتا۔ ''مجھے اپنا ذاتی موبائل نمبر دے دو تم، اگلی بار میں آنے سے پہلے تم سے رابطہ کروں گا۔''

''ٹھیک ہے سر......'' اس نے مایوسی سے کہا، اپنا کارڈ جیب سے نکال کر میری طرف بڑھایا، میں نے کارڈ لیتے وقت ہزار روپے کا ایک نوٹ اس کے ہاتھ میں منتقل کیا، اسے لیتے ہوئے وہ ہچکچایا۔

''کوئی بات نہیں یار...... لے لو، اسے میری طرف سے ایڈوانس ہی سمجھ لو، کہا تاں اگلی بار آؤں گا تو!'' اس نے نوٹ لے کر جیب میں ڈالا۔

''یہ ماموں کیا پہلی بار آئے ہیں یہاں؟'' میں نے تاک کر سوال کیا۔

''نہیں سر...... آتے رہتے ہیں، یہ تو ہمارے بڑے مستقل گاہک ہیں، ہوٹل کے بھی اور ہمارے بھی۔'' اس نے جوش سے کہا۔ ''ہمارے کچھ ساتھی بڑے شہروں سے بھی ہمارے ساتھ رابطے میں رہتے ہیں اور جس نوعیت کا گاہک ہو اسی نوعیت کا مال ہم منگوا کر پہلے سے رکھتے ہیں مگر یہ والی میڈم...... یہ ہمارے ذریعے نہیں آئیں، یہ بہت اونچا مال ہے، صاحب خود ہی لے کر آئے ہیں۔'' وہ رکا۔ ''ویسے وہ واقعی آپ کے ماما جی ہیں ناں سر...... کہیں آپ میڈیا کے کوئی آدمی تو نہیں ہو؟'' اس نے اپنا خدشہ پھر دہرایا۔

''تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا یار......'' میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''مگر تم تو جانتے ہو کہ جن کے پاس پیسہ ہوتا ہے وہ اس طرح کی عیاشیوں میں پڑ ہی جاتے ہیں، بس مجھے علم نہیں تھا کہ میرے ماموں بھی ایسے ہی ہیں......'' جانے کیوں حقیقت میرے منہ سے نکل گئی حالانکہ اس سے قبل ماموں کے لیپ ٹاپ سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس کس قسم کی لت میں مبتلا تھے۔

''سر......'' اس کی آواز میں لرزش تھی۔ ''سر میرے راز کے بارے میں کسی کو علم نہ ہو اور نہ ہی آپ کے ماموں کو علم ہو کہ میں نے ان کے بارے میں آپ کو کچھ بتایا ہے......''

''ایک شرط پر!''

''جی؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''ماموں کو بھی علم نہ ہو کہ میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔'' میں نے اس سے وعدہ لیا۔

اس نے باچھیں پھیلا کر ہنس کر وعدہ کیا، میں کمرے میں لوٹا تو کاشف بدستور سو رہا تھا۔

☆☆☆

ناہید آپی نے جانے سے قبل ایک سادہ سی تقریب میں نکاح اور رخصتی کا مطالبہ کر دیا تھا، اس لیے مجھے بہت تھوڑے وقت میں تیاری کرنا تھی۔ ناہید آپی تاریخ مقرر کرنے ہی کے سلسلے میں آئی تھیں، ان کے ساتھ ان کے دیور سجاد بھی تھے۔ خالہ کی وفات کے لیے مما کی طرف افسوس کرنے کے لیے بھی جانا تھا، ناہید آپی، نبیل اور عمر کے ساتھ میں بھی تھی، سجاد بھائی کو کہاں اکیلے گھر پر چھوڑتے سو عمر نے انہیں بھی ساتھ ہی لے لیا۔ راستے میں ۔۔۔۔ عمر نے گاڑی روک کر کچھ سامان مما کے لیے لیا، عمر کبھی کسی کے ہاں خالی ہاتھ نہیں جاتے تھے۔

”مگر عمر ہم تو افسوس کے لیے جا رہے ہیں۔“ میں نے دبے الفاظ میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

”افسوس کرنے کے لیے صرف آپی جا رہی ہیں، ہم تو ملتان سے ہو آئے تھے نیلم!“ انہوں نے میرا احتجاج مسترد کر دیا۔

”کیا فرق پڑ جاتا ہے نیلم ایسی چھوٹی، چھوٹی چیزوں سے......“ آپی نے بھی رسان سے کہا تو میں خاموش ہو گئی۔ ”ایسی ہی چھوٹی، چھوٹی پیاری چیزیں ہیں ہماری معاشرت کی جن کی کمی بیرون ملک میں بہت محسوس ہوتی ہے...... حالانکہ ہمارے خاندان میں کوشش کر کے ان روایات کو بیرونِ ملک میں بھی زندہ رکھا گیا ہے...... مگر ہمیں علم ہے کہ ہماری اگلی نسل ان چیزوں کو بھول جائے گی، اسی لیے ہم سب سوچتے ہیں کہ بہویں پاکستان سے لے کر جائیں تاکہ اگلی نسل کو کچھ تو اپنے ملک، مذہب اور معاشرت کا علم ہو۔“ آپی کہہ رہی تھیں۔

”نئی نسل کا تعلق تو آپ اس ملک سے تب قائم رکھنا چاہیں جب خود آپ لوگوں نے اس ملک سے اپنا تعلق قائم رکھا ہو......“ عمر نے ہنس کر کہا۔ ”چھوڑیں آپی، اپنے بچوں کو اس کا پابند نہ کریں، کسی اور ملک میں رہ کر ممکن ہی نہیں کہ آپ اپنی اگلی نسل کو اپنے اصلی [illegible] محبت کرنے والا بنا سکیں۔“

”ہماری تو مجبوریاں ہیں عمر......“

”آپ کے بچوں کی مجبوریاں آپ سے کہیں بڑھ کر ہوں گی آپی...... اور پھر ان کا تو خمیر بھی آپ کی طرح اس مٹی سے نہیں اٹھا۔ آپی جو کام آپ عمر بھر خود نہ کر سکیں، اس کی اپنے بچوں سے توقع مت کریں...... آپ دونوں میاں بیوی یہاں پیدا ہوئے، یہیں پلے بڑھے، بھائی صاحب پڑھ لکھ کر اعلیٰ تعلیم کے لیے گئے اور وہیں کے ہو گئے، آپ بیاہ کر گئیں اور آپ کو بھی اس ملک نے جکڑ لیا، اولاد اور ملازمتیں مجبوریاں بن جاتی ہیں، آپ لوگ مجبوریوں کی اس قید سے رہائی نہ پا سکے، آپ اپنے ملک کو لوٹ کر نہ آ سکے تو ان بچوں سے تو توقع نہ کریں جو پیدا بھی وہیں ہوئے، پلے بڑھے بھی اور اب ہر لحاظ سے اسی نظام کا حصہ ہیں......“ عمر نے اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔

”بیلی وہاں جائے گی تو کیا اس کے دل میں پاکستان آنے کی تڑپ نہیں ہوگی؟“ آپی نے سوال کیا۔

”اس کے دل میں تو ہوگی مگر نبیل اس کے ساتھ آیا تو بادلِ ناخواستہ آئے گا یا اسے تنہا ہی بھیجے گا...... اسی طرح، جس طرح آپ آتی ہیں اکیلی کیونکہ بھائی صاحب کا تقریباً سارا خاندان وہیں ہے...... آپ بھی تب تک آئیں گی جب تک آپ کو اپنے بچوں کے لیے پاکستان میں رشتے ڈھونڈنا ہیں...... یا جب تک اماں کا وجود ہے، اسی طرح بیلی بھی تبھی تک آئے گی جب تک میں زندہ ہوں...... میرے بعد اس کے لیے بھی اپنے ملک میں کشش ختم ہو جائے گی۔“ عمر نے افسردگی سے کہا۔

”کیسی باتیں کر رہے ہو تم عمر......“ آپی جھٹ سے بولیں۔ ”اللہ تمہیں سلامت رکھے اور بیلی کا تو پورا بھرا پرا میکا ہے، اس کی ماں اور اس کے بھائی! مجھے معلوم ہے کہ وہ چاہے بھی ان زنجیروں سے نکل کر واپس نہ آ سکے مگر وہ میری اگلی نسل کے دلوں میں اپنے ملک کی محبت کا پودا ضرور لگائے گی۔“

”آپ کی اگلی نسل کا ملک تو وہی ہوگا آپی!“ عمر نے ہنس کر کہا۔ مما کا گھر آ گیا تھا سو اس موضوع پر گفتگو

وہیں ختم ہوگئی...... تین چار گھنٹے ہم وہاں بیٹھے کیونکہ سجاد بھائی اور عمر نے فاتحہ خوانی کے بعد مل کر خوب محفل کا رنگ جمایا تھا...... سیاست پر گرما گرم بحث کے لیے پاپا کو بہت عرصے کے بعد کوئی ملا تھا۔ واپسی پر اپنے گھر کے پورچ میں ہم گاڑی سے اترے، ناہید آپی اور نبیل اندر چلے گئے، عمر ابھی باہر ہی تھے، وہ گیٹ کی طرف چوکیدار سے کوئی بات کرنے گئے تھے......

''بھابی آپ سے کوئی ذاتی بات کرنا تھی مجھے......''

''مجھ سے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا، مجھ سے تو ان کا سلام دعا سے زیادہ کا واسطہ بھی نہ تھا۔

''جی!'' انہوں نے کہا۔ ''اکیلے میں......''

''کیسی؟'' میں حیرت کے سمندر میں قلابے مار رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ جانے وہ کیا کہہ دیں۔

''یوں نہیں...... '' انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے آپ سے علیحدگی میں بات کرنے کا موقع اور وقت چاہیے!'' وہ مجھے حیرت کے سمندر میں غوطہ زن چھوڑ کر اندر چلے گئے۔

☆☆☆

''السلام علیکم ماموں!'' میں نے عین ان کے سامنے اور ان کی ہمراہی کی پشت پر کھڑے ہو کر کہا تو ماموں سکتے میں چلے گئے، ان کی آنکھیں جھپک رہی تھیں، نہ ان کا منہ ہل رہا تھا جس میں انہوں نے نوالہ ڈالا تھا، ہاتھ بھی وہیں معلق ہو گئے تھے جہاں وہ نوالہ ڈالنے کے بعد ابھی نصف راستے میں تھے۔ انہیں موت کا فرشتہ نظر آ جاتا تو اتنی حیرت میں مبتلا نہ ہوتے۔

''السلام علیکم آنٹی!'' میں نے ان کے سامنے آ کر انہیں سلام کیا، انہوں نے سر ہلا کر اک ادائے بے نیازی سے جواب دیا، تب تک ماموں نوالہ نگل چکے تھے۔

''وعلیکم...... '' انہوں نے آہستگی سے کہا۔ ''تم یہاں کہاں؟''

''یہی تو میں آپ سے پوچھنے والا تھا...... یہ کراچی تو نہیں ماموں۔'' میں نے تیر چلایا۔

''تم چلو سامی!'' انہوں نے اپنے ہاتھ سے کمرے کا کارڈ نکال کر ان خاتون کو دیا، جسے قریب سے دیکھنے پر مجھے اس کے چہرے پر میک اپ کی تہیں نظر آئیں، اتنی سویرے، سویرے میک اپ کر لیا تھا اس نے اور اس کا نام بھی بلیوں جیسا تھا۔

''اوکے ڈیئر...... '' انہوں نے ناشتا جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''تم بات کرو...... میں اپنا ناشتا کر رہی ہوں' مجھے اندازہ ہے کہ تمہارا جھوٹ پکڑا گیا ہے، کوئی نئی بات نہیں میرے لیے، اس طرح کی صورتِ حال ہو جاتی ہے کبھی کبھار......''

''سامی...... '' ماموں کے لہجے میں ذرا تلخی تھی۔

''ستووانی...... '' اس نے چھری ہاتھ میں پکڑ کر ماموں کو مخاطب کیا۔ ''تمہارا جھوٹ پکڑا گیا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ اس کے بعد تم مجھے ملنے والے نہیں ہو...... کم از کم میرا حساب چکتا کرو اور پھر بیٹھ کر اپنے بھانجے سے جو بات کرنی ہے کر لو۔''

ماموں کے چہرے کے ہر مسام سے پسینہ پھوٹ پڑا، وہ بے بسی سے مجھے دیکھنے لگے، میں دل میں کڑھ رہا تھا کہ اس مقام تک گر گئے ہیں ماموں...... گلی، گلی میں منہ مارنے والی عورتوں کو ممانی پر ترجیح دیتے ہیں۔

''تم چلو احمد...... '' ماموں نے ملتجی لہجے میں کہا۔

''مجھے پانچ منٹ دے دو۔'' میں نے انہیں اتنا بے بس کبھی نہیں دیکھا تھا، میں کسی کو بتاتا کہ ماموں اس طرح کی حرکتوں میں ملوث ہیں تو کوئی یقین بھی نہ کرتا، اسی لیے میں نے ان کے ہوٹل میں قیام کے رجسٹر، ان کے کمرے کی بکنگ، ان کی اور اس خاتون کی کمرے سے نکلتے ہوئے اور کئی اور مواقع کی اکٹھے تصاویر بھی خفیہ طور پر اپنے فون کے کیمرے سے بنائی تھیں۔ میں آگے جا کر ایک اور میز کے گرد رکھی دو کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا، اس طرح کہ ان کی میز مجھ سے قریب بھی تھی اور نظر کے سامنے بھی، فون کے کیمرے سے میں نے ان کے درمیان معاملات طے پانے اور رقم کی ادائیگی کے مرحلے کی تصاویر بھی چوری چھپے بنالی تھیں۔

''کیا ہے یہ سب ماموں؟'' میں نے انہیں سوال

کی زد پر لیا۔" اتنا بڑا دھوکا، اتنا نا قابلِ معافی جرم......"

"کیا ہو گیا ہے یار...... میری بزنس پارٹنر ہے وہ، کسی کاروباری معاملے پر اختلاف چل رہا تھا، کراچی میں ہی ملنا تھا اس سے مگر میرے ائر پورٹ پہنچنے سے پہلے ہی اس کی کال آ گئی کہ یہاں ہے یہ... اور" انہوں نے ماتھے سے پسینہ پونچھا، ان کی کہانی میں کتنے سقم تھے اور یوں بھی ایسی سرد جگہ پر صرف جھوٹ بولتے ہوئے ہی پسینہ آ سکتا ہے۔"مجھے یہاں آنا پڑ گیا!"

"مگر آپ تو ابھی تک گھر پر سب کو یہی بتا رہے ہیں کہ آپ کراچی میں ہیں......" میں نے ان کا جھوٹ انہیں بتایا۔

"وہ...... اگر یہاں کا کہوں تو دس طرح کی تفصیل دینا پڑتی ہے یار......" ماموں نے اپنی طرف سے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"مگر یہ کون سا کاروبار ہے جس کی پارٹنر کے ساتھ آپ کو چار راتیں ایک ہی کمرے میں قیام بھی کرنا پڑتا ہے اور پھر ان چار راتوں کا معاوضہ دے کر فارغ بھی کرنا پڑتا ہے؟" ماموں ابھی تک، شاید مجھے دس بارہ سال کا لڑکا سمجھ رہے تھے۔"مجھے بھی تو علم ہو ماموں! آپ کا کوئی بیٹا نہیں ہے...... کل کلاں کو ممکن ہے کہ مجھے ہی آپ کے اس کاروبار کی باگ ڈور سنبھالنا پڑے اور اسی طرح کی عورتوں سے اسی طرح معاملات طے کرنا پڑیں، آپ تو ممانی کو جھوٹ سچ بتا سکتے ہیں مگر آپ کی بیٹی اتنی سادہ نہیں...... وہ تو میری کال سے میری لوکیشن چیک کر لیا کرے گی، اسے تو ذرا سا شک...، پڑ گیا تو اگلی پرواز لے کر میرے پیچھے آ جائے گی۔ پھر مجھے وہ اپنی کسی کاروباری ساجھے دار کے ساتھ ہوٹل کے ایک ہی کمرے میں دیکھے گی تو...... آپ کو تو علم ہے ماموں، وہ ایک لمحہ میرے پاس نہیں رکے گی۔"

"کس طرح کی بکواس کر رہے ہو تم؟" ماموں دانت پیس کر بولے۔

"میں کروں تو بکواس...... آپ کر رہے ہیں تو کاروبار......"

"دیکھو...... احمد!" انہوں نے اپنے لہجے پر قابو پایا۔"تم نہیں سمجھو گے، اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، حالات ہی ایسے بن گئے ہیں......"

"کس چیز کے حالات ماموں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہاری ممانی، اب مکمل ماں بن گئی ہے، بیوی نہیں رہی...... وہ مجھے نظر انداز کرتی ہے، ہفتوں اسے علم نہیں ہوتا کہ میں بھی اسی کمرے میں ہوتا ہوں جس میں وہ ہوتی ہے...... اس کی مصروفیات اب بہت مختلف ہو گئی ہیں، اپنی بیٹیوں کے بعد اب ان کے بچوں کے مسائل میں الجھی ہوئی وہ عورت...... مجھے مطمئن نہیں کر پاتی، اس لیے بھی کبھار...... دل بہلانے کو کبھی منہ کا ذائقہ بدلنے...... مرد کو اتنی چھوٹ کی ضرورت ہوتی ہے، جب بہت فرسٹریشن ہو جاتی ہے تو......"

"خدا کے لیے ماموں......" میں نے غصے سے کہا۔"جن بیٹیوں کے مسائل میں الجھ کر ممانی آپ کو بھلا بیٹھی ہیں بقول آپ کے...... وہ آپ کی بھی بیٹیاں ہیں، اگر آپ نے ممانی کا ساتھ دینے کے بجائے اپنے لیے چور راستے تلاش کر لیے ہیں تو...... پھر تو عورت کو بھی پورا حق حاصل ہے ناں کہ وہ اپنی تنہائی اور مسائل شیئر کرنے کے لیے بے پروا خاوند کا نعم البدل تلاش کر لے......"

"کچھ شرم کرو احمد......" انہوں نے غصے سے کہا۔

"کچھ حیا ہے تمہیں، میں مرد ہوں، وہ عورت ہے۔"

"افسوس ہو رہا ہے کہ آپ مرد ہیں، ماموں آپ گناہ کی دلدل میں سر تا پا دھنسے ہوئے ہیں...... اپنے کیے پر آپ کو ندامت بھی نہیں......"

"تم میرے بھانجے ہو احمد اور میرے ہونے والے داماد، مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تمہیں اس عورت سے اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی ہے جو اس خاندان سے ہے بھی نہیں۔" انہوں نے مجھے گھورا۔

''وہ عورت اس خاندان سے ہو یا نہ ہو ماموں، یہ خاندان اس عورت سے ہے...... مجھے یہ کہتے ہوئے دکھ ہو رہا ہے کہ وہ جتنی اچھی، باحیا، وفادار، باکردار اور خاندان کا خیال کرنے والی ہیں...... وہ کسی انتہائی شریف شوہر کی مستحق تھیں۔'' میں نے ایک، ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

''تمہیں یہ بات اپنے باپ کی عمر کے ماموں کو کہتے ہوئے شرم آنی چاہیے......''

''مجھے تو آپ کو اپنا ماموں کہتے ہوئے زیادہ شرم آرہی ہے......''

''کیا؟'' وہ تقریباً چیخے، اس حال میں اس سے زیادہ بلند آواز سے بات نہیں کی جاسکتی تھی۔ ''ایک ذرا سی غلطی کا تمہیں کیا علم ہوا تم مجھے ماموں سمجھنے سے انکاری ہو گئے ہو۔''

''یہ ذرا سی بات نہیں ہے ماموں......'' میں نے کہا، میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ''مجھے یہ جان کر دکھ ہوا اور روزِ قیامت آپ کے انجام کو سوچ کر اس سے زیادہ دکھ ہوتا ہے...... سامی تو ایک ہے جس کے ساتھ آپ جانے کب، کب اور کہاں، کہاں رنگ رلیاں مناتے رہے ہیں......'' میں رکا۔ ''فاخرہ، کشش، نبیلہ، انعم، راحیلہ، شگفتہ، سعیدہ، ملاحت، تمکین...... اور جانے کون، کون سے نام ہیں جن سے آپ نہ صرف بے ہودہ چیٹ (chat) کرتے ہیں بلکہ آپ کی ان سب سے ملاقاتیں بھی ہوتی ہیں...... آپ کے دفتر میں نصف سے زائد ایسی سیکرٹری رہ چکی ہیں جن سے جی بھر جاتا ہے تو آپ نئی لے آتے ہیں، دن میں بھی آپ دھڑلے سے اپنے شہر میں ہوٹلوں میں نت نئی عورتوں کے ساتھ جا، جا کر رہتے ہیں اور بہانے کر کے راتوں کو بھی...... ملتان میں آپ کا کوئی کاروبار نہیں ہے...... وہاں بھی آپ اسی طرح کے کاموں کے لیے جاتے ہوں گے...... آپ ایسی عورتوں کے گھروں پر بھی جاتے ہیں۔ جن کے شوہر ایک دو دن کے لیے گھر سے یا شہر سے باہر ہوتے ہیں!'' ماموں کے چہرے کا کوئی رنگ نہ رہا تھا، ان کی آنکھوں سے خوف ابل رہا تھا۔ ''کہیں تو کچھ اور بھی بتاؤں؟''

''تم کیا میری جاسوسی کرتے پھر رہے ہو؟'' جب بولے تو یہی بات ان کے منہ سے نکل سکی۔

''مجھے آپ کی جاسوسی کرنے کی کوئی ضرورت ہے، نہ شوق اور نہ ہی میرے پاس وقت......'' میں نے غصے سے کہا، اپنی انگلی سے انگوٹھی اتاری، ان کے ہاتھ کے پاس رکھی۔ ''مجھے آپ جیسے زانی شخص کا داماد بننے کا کوئی شوق نہیں ماموں...... باپ اتنا بدکردار ہے تو بیٹی جانے کیسی ہوگی...... ایک بیٹی نے پہلے ہی کسی لڑکے کے ساتھ خود ہی محبت کی شادی کی اور جانے اس کے اندر کیا عیب تھا کہ سال بھر بھی اس کی محبت کی شادی نہ چلی۔'' میں نے اٹھنے کے لیے کرسی گھسیٹی، ماموں بالکل خاموش تھے۔ 'کہیں مر تو نہیں گئے شرم سے؟' میں نے سوچا۔ ''میں جا رہا ہوں ماموں...... اور دنیا بھر کو آپ کا یہ چہرہ دکھا کر ہی دم لوں گا۔''

''خدا کے لیے احمد...... یوں بدنام کر کے مجھے جیتے جی مت مارو۔'' وہ دونوں ہاتھ میرے سامنے باندھے ہوئے تھے، میرے اندر سے نفرت کی ایک شدید لہر اٹھی، کاش وہ یہ کہتے۔ 'میں توبہ کرتا ہوں احمد...... آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔' میں نے کرسی کو ٹھوکر مار کر گرایا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ہال سے نکل گیا۔

☆☆☆

''آپ فکر نہ کریں آپی!'' وہ میرے گلے سے لگ کر سسک پڑی۔ ''آپ سے وعدہ کیا ہے ناں تو یہ خط کسی عدالت میں بھی نہیں دکھاؤں گی اور اگر مجھ پر سختی کی گئی تو کہہ دوں گی کہ چاچی کو خود میں نے...... زہر دے کر قتل کر دیا تھا۔''

''ارے نہیں پگلی، ایسی نوبت نہیں آئے گی۔'' میں نے اسے تھپکا اصل میں ممانے اس روز اس کی اور اس کے ابا کی بہت بے عزتی کی تھی، ان پر خالہ کے قتل کا الزام لگایا اور انہیں لالچی اور خود غرض اور جانے کیا، کیا کہا تھا۔

''چاچی دنیا سے چلی گئی ہیں...... ان کا راز اب راز ہی رہے گا مگر ایک بار آپی، آپ اپنے پاپا کو یہ ضرور جتلائیں کہ انہوں نے چاچی کی زندگی برباد کر دی تھی، ان کی معصومیت، ان کی سادگی کو زہر میں بدل دیا تھا انہوں نے، وہی زہر ان کی موت کا باعث بن گیا...... وہ ایسی سادہ تھیں کہ عمر بھر ان کے ہاتھوں کھلونا بنی رہیں۔''

''کروں گی، ضرور کروں گی۔'' بے بسی، شرمندگی اور غصے سے میرے آنسو نکل پڑے، ایسا غصہ آ رہا تھا اس وقت پاپا پر کہ وہ میرے سامنے ہوتے تو میں پھٹ پڑتی...... میں نے پہلے ہی سوچا تھا کہ انہیں احساس ضرور دلاؤں گی کہ انہوں نے کیا کچھ غلط کیا۔

''مجھ پر چاچی نے ایک بہت بڑا احسان کیا تھا آپی، مجھے ایک لڑکا پسند تھا اور گھر والے مجھے اپنے ایک جاہل دکاندار کزن سے بیاہنا چاہتے تھے مگر چاچی نے اس کی مخالفت کی اور ابا کو میرے حق میں منایا...... کہتی تھیں، میں نے ایک اور تانیہ کو جنم نہیں لینے دیا...... وہ اپنی شادی شدہ زندگی سے بہت ناخوش اور غیر مطمئن تھیں آپی...... انہوں نے اس خاندان کی کتنی ہی لڑکیوں کو حصولِ تعلیم کی طرف مائل کیا اور ان کے والدین سے مخالفتیں مول لے کر انہیں اپنے خرچ پر پڑھایا......''

''تم اپنا دل مما کی طرف سے برا نہ کرنا، مجھے ان کے کہے کی معافی دے دو اور اپنے ابا سے بھی کہنا کہ انہیں معاف کر دیں۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''ٹھیک ہے آپی!'' اس نے میرا ہاتھ عقیدت سے چوم لیا۔ ''اب اس کے بعد آپ یہاں کبھی نہیں آئیں گی ناں آپی!''

''ہوں......'' میرے حلق میں آنسوؤں کا گولہ اٹکا، واقعی یہ تو میں نے سوچا ہی نہ تھا۔ ''آؤں گی پیاری ایک بار...... تم اپنی شادی پر مجھے نہیں بلاؤ گی؟'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''پکی بات ہے آپی؟'' اس نے جوش سے پوچھا۔

''تو اور کیا میں جھوٹ بولوں گی۔'' اس کے چہرے پر کئی چراغ جل اٹھے تھے۔

☆☆☆

''میں اپنے بیٹے کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ یہ سوٹ کیس میرا نہیں ہے......'' میں ہچکیوں سے رو رہی تھی اور مصطفیٰ مجھے دیکھ کر چلا، چلا کر رو رہا تھا، یوں رونا اس کے پھیپھڑوں کے لیے ٹھیک نہ تھا، میں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا، اسے تھپکا، میرا جسم لرز رہا تھا۔ ''مصطفیٰ...... میرا پیارا بیٹا، مما کی جان!'' میں نے اسے تھپکا۔

''پہلے آپ نے یہ سوٹ کیس خود وصول کیا، چند منٹ قبل آپ نے ان کیمروں کے سامنے تسلیم کیا کہ یہ سوٹ کیس آپ ہی کا ہے اور یہ کہ آپ ہوش و حواس میں تھیں۔'' وہ گویا ہوا...... ''صرف کرنسی ہی نہیں، ان کرنسی کی تہوں کے نیچے نشہ آور پاؤڈر بھی ہے...... رانیہ دانیال صاحبہ!''

''میں اس کا کوئی جواب نہیں دوں گی......'' مصطفیٰ کو اپنے ساتھ لگانے سے مجھے لگا کہ میرا ہوا میں معلق وجود طاقت پا گیا ہو اور میرے قدم زمین پر ٹک گئے ہوں۔ ''آپ مجھے کوئی وکیل بلا کر دیں، میں اس کے ذریعے خود پر لگائے گئے الزام کا دفاع کروں گی!'' میرے حواس لوٹنے لگے تھے اور مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ ڈرنے والا مرتا ہے۔

''الزام؟'' وہ ہنسا۔ ''کون سا الزام...... ابھی آپ نے تسلیم کیا ہے اس سوٹ کیس کی ملکیت کو......'' میں خاموش رہی۔ ''بولیں ناں......'' اس نے پھر اصرار کیا۔ ''کس بنیاد پر آپ کہہ سکتی ہیں کہ یہ الزام ہے...... آپ نے یہ بھی مانا تھا کہ یہ سوٹ کیس آپ نے خود یا ممکن ہے کہ اس کا کچھ حصہ آپ کے شوہر نے پیک کیا ہو......'' اس کی گفتگو جاری تھی اور میں خاموش۔ ''کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کا شوہر کسی گھناؤنے کاروبار میں ملوث ہو اور اس نے آپ کو پھنسانے کو ایسا کیا ہو...... کہیں اس نے آپ کو زبردستی تو نہیں بھیجا؟'' میں اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

واقعی...... عابد نے بھیجا تو مجھے زبردستی ہی تھا،

اچانک پروگرام بنا کر...... مالی حالات میں مسائل کے باوجود...... پھر اپنے کزن سے کہا تھا کہ وہ ائرپورٹ سے سیدھا مما کے ہاں پہنچا دے...... اور یہ بھی عابد کا ہی آئیڈیا تھا کہ مما کو اطلاع نہ دی جائے...... سوٹ کیس کچھ میں نے پیک کیا تھا کچھ عابد نے، کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی ایسے وقت میں کہ جب میں گھر پر نہ تھی یا میں سو رہی تھی تو عابد نے اسے کھول کر اس میں یہ سب کچھ بھر دیا ہو؟ منفی خیالات کی یلغار سے میرا سر دکھنے لگا۔ ''مجھے چائے مل سکتی ہے پلیز؟'' میں نے بلکتی لہجے میں کہا۔ ''میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے...... ساتھ سر درد کی دو گولیاں۔''

''تم کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں نہیں ہو میڈم......'' ایک آواز آئی۔ ''تم اس وقت کرنسی اور منشیات کی اسمگلر کے طور پر ہمارے سامنے کھڑی ہو۔''

''اسمگلر......'' میں بڑبڑائی تھی۔ ''میں؟'' میرا سر چکرا رہا تھا، مائیگرین کا حملہ شروع ہو چکا تھا، دنیا تاریک ہو رہی تھی۔ ''پلیز...... مجھے میرے پرس سے مائیگرین کی دوا دے دیں۔'' میں بڑبڑائی تھی مگر جانے کسی کو میرے الفاظ کا مفہوم سمجھ میں آیا تھا کہ نہیں، میرا دماغ غنودگی میں جا رہا تھا اور کانوں میں مصطفیٰ کے چیخ، چیخ کر رونے کی آوازیں۔ ''کوئی اسے چپ کروا دو پلیز...... رونے سے اسے دورہ بھی پڑ سکتا ہے......'' میں بڑبڑا رہی تھی مگر اس حالت میں میری بڑبڑاہٹ ہمیشہ بے معنی سی ہوتی ہے۔

''اس طرح کے ملزموں کو کوئی دوا نہیں دی جا سکتی، خواہ وہ آپ کے اپنے ہی پرس میں کیوں نہ موجود ہو، کیا معلوم کہ مائیگرین کی گولیوں کی بوتل میں زہر رکھا ہوا ہو اور وہ کھا کر خود کو ختم کرنا چاہتے ہوں، جیسا کہ عام مجرم کرتے ہیں۔'' غنودگی میں مجھے یہ آخری آواز آئی تھی۔ عابد بتاتے ہیں کہ اس حالت میں، میں جو کچھ بول رہی ہوتی ہوں اس کی انہیں سمجھ نہیں آتی...... عابد...... ان کا خیال آتے ہی میرے اندر سے غم و غصے کی ایک لہر اٹھی۔

☆☆☆

''سفر کی تھکان تھی یا بازاروں میں ہر وقت خریداری کے لیے گھومنے کا نتیجہ کہ میری طبیعت گری، گری رہنے لگی، میں بے پروائی کرتی رہی اور ٹالتی رہی، کبھی کوئی دوا اور کبھی کوئی اپنے آپ لے لیتی۔ عمر تک کو نہ بتایا کہ طبیعت ناساز تھی ورنہ وہ اگلے ہی لمحے مجھے خود ڈاکٹر کے پاس لے جاتے، اتنا وقت کہاں تھا کہ ڈاکٹر کو دکھاتی، اس لیے بے پروائی کرتی رہی۔

کبھی کبھار سوچ آتی کہ سجاد بھائی نے جو بات کی تھی، شاید میں نے اس کا اتنا اثر لیا تھا مگر اس بات پر تو مجھے خوش ہونا چاہیے تھا...... عمر سے بھی بات کی تو انہوں نے سجاد بھائی کی تائید کی، ناہید آپی سے کہا تو انہوں نے کہا کہ یہی وہ بات تھی جو وہ مجھ سے منوانا چاہتی تھیں...... ان کا اپنا خیال تھا اور وہ سجاد سے بات کرنے کا موقع ڈھونڈ ہی رہی تھیں مگر اچھا ہوا کہ سجاد کے اپنے دل میں وہ بات آ گئی تھی۔

''آپ اتنی اچھی ہیں بھابی......'' انہوں نے اس روز کہا تھا۔ ''آپ کے والدین سے سرسری سی ملاقات تھی، کچھ خبر آپ کے میکے کے حالات کی بھابی ناہید سے مل جاتی ہے۔ کبھی کبھار جیسے کوئی اہم خبر!'' وہ رکے۔ ''مگر آج پہلی بار میں نے آپ کو بہن کو دیکھا ہے...... امید ہے کہ آپ برا نہیں منائیں گی اگر میں انتہائی جائز خواہش کا اظہار کروں کہ میں اس کے ساتھ نکاح کا خواہش مند ہوں......''

''کیا؟'' میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ''آپ فاطش سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟''

''ہاں...... اس میں برا کیا ہے؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ کو علم ہے کہ فاطش۔'' میں کہتے، کہتے رکی۔ ''طلاق یافتہ ہے اور اس کا ایک لگ بھگ چھ سال کا بیٹا بھی ہے۔''

''جانتا ہوں......'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔ ''میں بھی طلاق یافتہ ہوں اور میری بھی ایک بیٹی ہے مگر وہ اپنی ماں کے پاس ہے...... بچے مائیں ہی پال سکتی ہیں،

میں اس کا خرچہ دیتا ہوں!''

''مگر فاطش کسی صورت نہیں مانے گی، نہ شادی کے لیے نہ اسود کو چھوڑنے کے لیے۔'' میں نے کہا۔

''میں نے کب کہا کہ اسے اسود کو چھوڑنا ہوگا۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔'' ہاں البتہ شادی کے لیے منانا ہی اہم مرحلہ ہے، اسی لیے آپ سے بات کر رہا ہوں، سب سے پہلے آپ سے...... اور اسے منانا پڑا تو جس، جس کی منتیں کرنا پڑیں، کروں گا......'' انہوں نے عزم سے کہا۔'' جانتی ہیں کیوں؟'' سوال کیا گیا۔

''میں کیسے جانوں گی کہ کیوں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کیونکہ...... مجھے اس سے پہلی نظر کی محبت ہوگئی ہے...... جیسے عمر کو آپ سے ہوگئی تھی۔''

''اچھا......'' میں نے لمبی سی اچھا کی، کوئی اور جواب ہی نہ سوجھا۔

''جی......'' وہ ہنسے۔'' اور آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے خاندان میں جو کوئی پسند آ جاتا ہے...... اسے کس طرح حاصل کرتے ہیں ہم لوگ...... عمر اور نبیل کی دو مثالیں تو آپ کے سامنے ہیں۔'' میری بھی ہنسی نکل گئی۔

''میں تو سمجھی کہ آپ کو بولنا ہی نہیں آتا سجاد بھائی!''

''اپنے دل کی آواز تو کسی نہ کسی کو بول کر ہی سنائی جاتی ہے ناں! اب بھی چپ رہوں گا تو کس طرح من کی مراد پاؤں گا!'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔'' میرے لیے کوشش کریں گی ناں آپ؟''

''ہاں کوشش تو کر سکتی ہوں......'' میں نے کہا۔ ''مگر وعدہ نہیں...... سب سے اہم اور مشکل مرحلہ تو فاطش سے بات کرنے کا ہی ہے، وہی مان کر نہیں دے گی۔'' میں نے کہا۔'' اس نے اسود کے لیے خود تنہا رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے، اس سے قبل مما جب بھی اس سے کہتی تھیں بلکہ وہ تو اس پر بات ہی نہیں کرتی کہ اسے دوسری شادی کا سوچنا چاہیے تو وہ انکار کر دیتی ہے۔'' میں نے انہیں حقیقت بتائی۔

''دوسری شادی کا سوچنے کا کہنے میں...... اور اسے یہ بتانے میں کہ کوئی اس سے محبت کرنے لگا ہے...... فرق تو ہے ناں بھابی!'' وہ اتنے سلجھے ہوئے آدمی تھے، میں کبھی کبھار سوچتی کہ ان کی بیوی انہیں کیوں چھوڑ کر چلی گئی ہوگی، مجھے سن کر اچھا لگا کہ وہ فاطش کو چاہنے لگے تھے۔

''میں کوشش کروں گی سجاد بھائی......'' میں نے ان سے کہا، ان کی آنکھوں میں ایک جوت جلی تھی۔

☆☆☆

صدف اب کافی سنبھل گئی تھی، اسے عمر بھر پاپا کے بارے میں کوئی کچھ نہ بتاتا، کوئی اس سے ایسی بات نہ کرتا کہ جو اس کے دل کو تکلیف پہنچاتی، وہ ایسی پیاری بچی تھی، حساس سی کہ اس نے بچپن میں مما کا بہت زیادہ پیار لیا تھا مگر اس کو خود سے پاپا سے اس طرح محبت تھی کہ سردی گرمی میں، اسکول اور کالج کے زمانے میں اور شادی ہونے تک بھی وہ پاپا کے انتظار میں باہر برآمدے میں بیٹھی رہتی، وہ آتے تو اندر آتی، وہ لیٹ ہو جاتے تو جلے پیر کی بلی کی طرح اندر باہر گھومتی...... پاپا شہر سے باہر جاتے تو دن میں کتنی ہی بار کال کر کے ان کی خیریت پوچھتی، کھانے کی میز پر بیٹھتی تو اسے کھانے کی بھوک نہ لگتی کہ پاپا کی خالی کرسی کو دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوتا تھا...... رات اپنے کمرے میں نیند نہ آتی کہ پاپا اس کے ماتھے پر ہر رات کو سونے سے پہلے بوسہ دیتے تھے، پاپا کی عدم موجودگی میں مما اس کے پاس اس کے کمرے میں لیٹ جاتیں، اس کے بالوں میں پیار سے انگلیاں پھیرتیں، اس کے کندھوں کو ہولے ہولے دباتیں، اس کے ماتھے پر بوسے دیتیں اور وہ جانے کتنی ہی مشکلوں سے نیند کی وادی میں اترتی۔ اسے سنبھلنے میں کچھ وقت تو لگنا ہی تھا......

''آپی، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرے پاپا ایسے ہو سکتے ہیں۔''

''ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچ سکتا تھا......'' میں نے پیار سے اسے گلے لگالیا۔

''ایسا کیوں کیا پاپا نے آپی؟'' وہ سسکی۔

"ہماری اتنی پیاری اور ان سے اتنا پیار کرنے والی مما!"

"دھوکا اپنوں سے ہی ملتا ہے پیاری...... انہی سے ملتا ہے جنہیں ہم چاہتے ہیں، غیروں سے تو کوئی توقع ہی نہیں ہوتی ناں۔"

"ہم کس منہ سے اپنے گھروں میں فخر سے رہیں گے اگر مما اور پاپا کے درمیان علیحدگی ہو گئی تو؟ کس طرح ہم لوگوں کے منہ بند کریں گے کہ ہمارے پاپا......" وہ ہچکیاں لے رہی تھی۔

"دنیا میں ایسا ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا، کسی کا منہ بند نہیں کر سکتے مگر اس ایک بات کے بارے میں لوگ بہت زیادہ عرصہ باتیں نہیں کریں گے...... انہیں کوئی اور موضوع مل جائے گا جو اس سے دلچسپ ہوگا تو وہ اس قصے کو بھول بھال جائیں گے۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"مگر مما، وہ کہاں رہیں گی اور کیسے...... پاپا کا اس عمر میں کیا ہوگا، انہیں پہلے ہی بلڈ پریشر کا مسئلہ ہونا شروع ہو گیا ہے، مما نہ ہوں گی ان کے پاس تو ان کا خیال کون رکھے گا؟" اس کے ذہن میں بھی وہی سوچ تھی جو میرے اور نیلم کے ذہنوں میں تھی مگر اس مسئلے پر نہ تو ہم نے کھل کر آپس میں بات کی تھی اور نہ ہی مما کے ساتھ اکٹھے بیٹھ کر اس پر تبادلۂ خیال ہوا تھا، مما کو سوچنے اور وقت دینے کی ضرورت تھی۔

"تم فکر مند نہ ہو صدف پیاری...... اللہ سب بہتر کرے گا، ہمیں مما کو پوری سپورٹ دینا ہوگی، انہوں نے ہمیں بہت پیار اور تحفظ دیا ہے......"

"اور پاپا؟" اس نے حیرت سے آنکھیں پٹپٹا کر پوچھا۔ "انہیں ہم تنہا چھوڑ دیں گے سب کے سب مل کر...... ہم سب مما کو سپورٹ کریں گے تو کیا پاپا کے دل و دماغ پر اس کا اثر نہیں ہوگا؟" اس نے سوال کیا۔ "میں اپنے پاپا کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی...... مجھے کیا علم کہ پاپا کا کتنا قصور ہے اور مما کا کتنا۔" میں حیرت سے اس کے چہرے کو تک رہی تھی۔

☆☆☆

میں دل ہی دل میں کئی دن تک وہ الفاظ مرتب کرتی رہی جو مجھے فاطش سے کہنا تھے...... سوچا رانی آپی سے بات کروں گی، مما سے ابھی اس لیے بات نہیں کر رہی تھی کہ ابھی خالہ کی وفات کا زخم تازہ تھا ان کا، چند دن اور بیت جاتے اِدھر سجاد بھائی کو اس لیے جلدی تھی کہ ان کے جانے میں وقت تھوڑا باقی تھا، نبیل کے نکاح کے بعد انہیں جلد ہی چلے جانا تھا۔

ان سوچوں نے میرے سر کو یوں ہی بھاری کر رکھا تھا...... میں نے اس روز غلطی سے عمر سے کہہ دیا کہ سر بھاری ہے تو انہوں نے مجھے گاڑی میں بٹھایا اور ڈاکٹر کے پاس چل دیے...... ایک دو بار میں نے پہلے بھی شدید تھکن کی شکایت بھی کی تھی ...... اس وقت میں نہ، نہ کرتی رہ گئی، ڈاکٹر نے کچھ ٹسٹ لکھ کر دیے، ہم دونوں ان سے پرچی لے کر لیبارٹری میں چلے گئے، خون اور پیشاب کے ٹسٹ دیے، عمر نے ان سے ارجنٹ ٹسٹ کرنے کو کہا، ہم وہاں سے نکلے اور ایک آئس کریم پارلر چلے گئے تاکہ کچھ وقت گزر جائے، عمر نے اس روز بہت دنوں کے بعد مجھ سے اتنی ڈھیر ساری باتیں کیں، تجدیدِ محبت کی، اپنی غلطیوں کی...... ہم فاطش کے مسئلے کو بھی زیرِ بحث لائے اور عمر کا مشورہ تھا کہ میں فاطش سے پہلے مما اور پاپا سے بات کروں...... میں گاڑی میں ہی بیٹھی تھی، ٹسٹوں کی رپورٹ لے کر عمر گاڑی میں آ بیٹھے......

"کیا رپورٹ ہے عمر......؟" ان کے چہرے پر سنجیدگی سے خوفزدہ ہو گئیں۔

"سب ٹھیک ہے......" انہوں نے مختصراً کہا اور گاڑی چلا دی۔ "کل یہ رپورٹیں لے کر دوسرے ڈاکٹر کے پاس جانا ہوگا۔"

"کیا واقعی سب ٹھیک ہے ناں عمر......" ان کے عجیب سے پُراسرار انداز سے میرے دل میں کھد بد ہونے لگی۔ "کوئی گڑبڑ ہے تو بتا دیں مجھے...... مجھ میں سب سننے کا حوصلہ ہے۔"

"سب ٹھیک ہے جانِ عمر......" اتنا کہہ کر انہوں نے مزید سوالات کا منہ بند کر دیا۔

"مجھے تم سے کوئی بات کرنا ہے نیل......"

کمرے میں رات کو عمر نے میرے ساتھ بیڈ پر بیٹھ کر کہا، میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ "تم ذرا دل کڑا کر کے سننا!"

"عمر" میری آواز لرز رہی تھی۔ "کیا بات ہے، جلدی کہیں پلیز۔"

"تمہاری رپورٹوں کے بارے میں۔"

"کیا؟" میں ہونقوں کی طرح ان کا منہ دیکھ رہی تھی، یقیناً وہ کہنے والے تھے کہ میرے جسم میں کہیں نہ کہیں کینسر تھا۔ "کیا ہے میری رپورٹوں میں؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"وہ ایسا ہے کہ......" وہ کہہ کر پھر رک گئے، میں نے مستفسرانہ نظروں سے انہیں دیکھا، تین کٹوروں میں آنسوؤں سے دھند بھر گئی۔ "روتا نہیں نیل......" انہوں نے میرے آنسو پونچھے۔

"میں رو دوں گی عمر......" میں نے ہچکی لے کر کہا۔ "پلیز جلدی بتائیں...... کیا ہوا ہے مجھے، کیا بیماری ہے مجھے...... بتاتے کیوں نہیں عمر؟" میں نے ان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔

"بات یہ ہے نیل......" وہ پھر کچھ کہتے، کہتے رکے اور میرا دل اچھل، اچھل کر حلق کو آنے لگا۔

☆☆☆

بند بند سا کوئی کمرا تھا...... کسی روزن سے کوئی روشنی نظر نہیں آرہی تھی، میں نے پوری آنکھیں کھول کر کسلمندی سے دیکھا، میں سفید بستر والے بیڈ پر تھی، جیسے اسپتالوں کے بیڈ ہوتے ہیں، یہی بیڈ کمرے کا واحد فرنیچر تھا، مڑ کر دیکھا تو مصطفیٰ پیروں کی طرف سو رہا تھا، اسے یوں گہری نیند میں دیکھ کر میرے اندر سکون اتر گیا، میں نے اسے چھوا تو میری روح تک سیراب ہوگئی۔

"ممی کی جان!" میں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا، جواب میں وہ یونہی بے سدھ رہا، کتنی گہری نیند سو رہا تھا وہ، میرا سر ابھی تک ذرا بوجھل تھا، مجھے دھیرے، دھیرے واقعات یاد آنے لگے...... "کیا میں کسی

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال

پاکستان علامہ اقبال ہی کے خواب کی تعبیر ہے۔ اس عظیم تخلیق کار نے امت مسلمہ میں نئی روح پھونکی...... وہ فقط ایک فلسفی اور قانون دان نہیں بلکہ ایسے صوفی تھے جس نے ترکِ دنیا کو رد کیا اور اسلام کی عملی روایات سے استفادہ کیا۔ 1930ء میں الٰہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے جو خطبہ دیا اسے نظریۂ پاکستان کی پہلی اینٹ قرار دیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال 9 نومبر 1877 کو سیالکوٹ میں شیخ نور محمد کے گھر پیدا ہوئے اجداد کا تعلق کشمیر سے۔ والدین دار آمی تھے۔ بیٹے نے شعور کی آنکھ کھولی تو وہ انہیں مولانا غلام حسن کے پاس لے گئے۔ پھر وہ شہر کے نامور عالم مولانا سید میر حسن کی شاگردی میں آگئے۔ اردو، فارسی اور عربی پڑھی۔ شاعری کا باقاعدہ آغاز اسکاچ مشن اسکول میں انٹرمیڈیٹ کی تعلیم کے دوران ہوا جلد ہی شعر گوئی روح کا تقاضا بن گئی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجویشن کرنے کے بعد 1899ء میں فلسفے کے مضمون میں ایم اے کیا۔ اسی زمانے میں پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ کی سرپرستی میسر آئی۔ شاعری کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مدرس کی حیثیت سے چار برس اورینٹل کالج سے وابستہ رہے۔ ترجمے کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر گورنمنٹ کالج میں انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہوگئے۔ 1905ء میں یورپ کا رخ کیا۔ کیمبرج یونیورسٹی ٹرنٹی کالج میں داخلہ لے لیا۔ بیرسٹری کے لیے لنکن ان کا رخ کیا۔ میونخ یونیورسٹی سے فلسفے میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ مئی 1908 میں آل انڈیا مسلم لیگ کی برٹش کمیٹی کی مجلسِ عاملہ کا رکن نامزد کیا گیا۔ وطن لوٹ کر وکالت کا پیشہ اپنایا۔ البتہ تدریس سے بھی جڑے رہے۔ مسلم قومیت کا اصول رفتہ رفتہ اقبال کے سامنے واضح ہو رہا تھا۔ اپریل 1922ء میں انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں اقبال نے اپنی طویل نظم خضر راہ سنائی جسے ایک شاہ کار کا درجہ حاصل ہے۔ 1923ء میں انہیں سر کا خطاب ملا، مگر حکومتِ برطانیہ کا یہ اعزاز کسی بھی سطح پر آزادیِ اظہار میں رکاوٹ نہیں بنا۔ مسلم لیگ پنجاب کے سیکریٹری بننے کے بعد انہوں نے صحیح معنوں میں عملی سیاست میں قدم رکھا۔ عالمی مسائل پر ان کے تجزیے اور آراء کی اہمیت بڑھنے لگی۔ ان کے پیغام کو برصغیر کے مسلمان اہمیت دینے لگے۔ ان کی شاعری زندہ شاعری ہے، جو برصغیر کے مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ بنی۔ انہوں نے نئی نسل میں انقلابی روح پھونکی۔ ان کی کئی کتب کے انگریزی، جرمنی، فرانسیسی، چینی، جاپانی اور دوسری زبانوں میں ترجمے ہوچکے ہیں۔ علامہ اقبالؒ مولانا رومی کو اپنا روحانی استاد مانتے تھے اور انہیں پیر رومی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ انہیں پاکستان میں قومی شاعر کا درجہ حاصل ہے۔ ان کے فارسی کلام نے ایران پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔

مرسلہ: نگہت آصف، اسلام آباد

اسپتال میں ہوں؟" میں نے سوچا۔

دیکھنے میں تو اسپتال نہیں لگ رہا تھا، دروازے کے قریب ایک ٹوٹا ہوا بینچ پڑا تھا جس پر میرا بیگ دھرا تھا، میں اٹھی اور ہولے، ہولے قدموں سے چلتی ہوئی وہاں تک پہنچی، نقاہت سی محسوس ہو رہی تھی، جانے میں نے کب کچھ کھایا ہوگا، بھوک سے کمزوری ہو رہی تھی۔ میرے بیگ کا وزن کافی کم لگا مجھے، میں اسے لیے، لیے واپس پلنگ کے پاس آئی اور اس پر مصطفیٰ کے پیروں کی طرف سامان الٹ دیا...... میرے تمام کاغذات، دوائیں، پاسپورٹ، ٹکٹ، موبائل فون، کیمرا...... سب کچھ غائب تھا۔ صرف میرے والٹ میں رکھی تھوڑی سی پاکستانی کرنسی اور کچھ ڈالر، میک اپ کا تھوڑا سا سامان، مصطفیٰ کے لیے رکھے ہوئے بسکٹ، میں نے وہ بسکٹ نکالے اور انہیں ٹونگنے لگی۔ کچھ خیال آنے پر میں نے بیگ کی اندرونی جیب کھولی، اس میں رکھے کارڈ ہولڈر میں میرے کچھ دکانوں کے کارڈ تو موجود تھے مگر پاکستانی اور غیر ملکی بنکوں کے ڈیبٹ اور کریڈٹ کارڈ، اے ٹی ایم کارڈ، ہیلتھ انشورنس کارڈ اور شناختی کارڈ بھی موجود نہ تھے، اس کے علاوہ ٹیلی فون نمبروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی ڈائری بھی رکھی ہوئی تھی، وہ بھی نہ تھی۔

میں کس مصیبت میں پھنس گئی تھی، سوائے اپنے، عابد کے اور ان کی اماں کے گھر کے مجھے کسی کا فون نمبر زبانی یاد نہ تھا، پاکستان میں بھی مما کے گھر کا نمبر یاد تھا، کسی کا موبائل نمبر زبانی یاد نہ تھا...... سوچا یہی تھا کہ اب میں ان سے کہوں گی کہ مجھے ایک فون دے دیں، کم از کم رابطہ کر کے عابد کو بتاؤں تو سہی کہ میں کس مشکل میں پھنس گئی ہوں...... عابد کے خیال کے ساتھ ہی ایک تلخ سے احساس نے میرے سارے حواس کو مختل کر دیا، عابد نے اس طرح کیوں کیا تھا میرے ساتھ؟

مجھے یہ تو اچھی طرح معلوم تھا کہ میں دنیا کے کسی بھی کونے میں چلی جاؤں، کسی بھی مشکل میں گرفتار ہو جاؤں...... وکیل کے ذریعے اپنے موقف کا دفاع کرنا میرا حق تھا مگر اب تو میرے پاس کوئی رقم بھی نہیں تھی، وکیل کیونکر حاصل کر سکوں گی۔ یوں بھی میری درخواست کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی کسی نے...... پاپا سے رابطہ ہو جائے تو کام بن سکتا ہے کہ پاپا کے تو کئی ملکوں میں روابط تھے، وہ کسی نہ کسی طرح مجھے اس مصیبت سے ضرور نجات دلا دیں گے۔ میں خود ہی سوچ رہی تھی کہ دھیان مصطفیٰ کی طرف چلا گیا۔

اسے میں دیر تک دیکھتی رہی، اس کے وجود میں کوئی معمولی سی بھی جنبش نہ تھی، میرا جسم سن ہو گیا۔ مصطفیٰ ٹھیک تو ہے؟ میں نے اسے چھوا، ہلکا سا جھنجوڑا۔ "مصطفیٰ...... میرے بیٹے، میری جان!" آواز دی...... مگر مصطفیٰ کسمسایا تک نہیں۔ میرا دماغ بھک سے اڑ گیا چند گھنٹوں کے اندر، اندر مائیگرین کا دوسرا شدید حملہ شروع ہو رہا تھا۔

☆☆☆

"آپ سے کوئی کام تھا مجھے ممانی جان!" میں نے ممانی جان کو اس وقت کال کی جب مجھے معلوم تھا کہ وہ گھر پر اکیلی ہوں گی۔

"ارے تم نے اتنا تکلف کب سے برتنا شروع کر دیا بیٹا، تمہارا اپنا گھر ہے، جب چاہو آؤ، جو چاہے بات کرو۔" انہوں نے ہمیشہ کی طرح پیار سے کہا۔ "تمہیں بات کرنے کے لیے اجازت کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟"

"وہ...... ممانی جان، بات اصل میں ایسی ہے کہ میں کسی ایسے وقت پر گھر آنا چاہتا ہوں جب ماموں گھر پر نہ ہوں، کہیں شہر سے باہر ہوں یا پھر آپ کو معلوم ہو کہ وہ دیر سے گھر لوٹیں گے۔"

"ان کے پروگراموں اور مصروفیات کے شیڈول سے مجھے کم، کم ہی آگاہی ہوتی ہے۔" وہ ہنسیں۔ "آپ بتاؤ بیٹا، مسئلہ کیا ہے...... کیا ماموں سے کسی بات پر اختلاف ہو گیا ہے یا کچھ ایسی چیز چاہیے...... کوئی پیسے وغیرہ؟"

"ارے نہیں ممانی جان......" میں نے فوراً

ٹوکا۔ ''مجھے کچھ ذاتی کام ہے۔''

''تو جب چاہے آ جاؤ بیٹا!'' انہوں نے پورے خلوص سے کہا۔

''مجھے اکیلے میں ملنا ہے آپ سے ممانی جان۔'' میں نے اصرار کیا۔

''تو ہم کہیں لنچ پر باہر مل لیتے ہیں؟'' انہوں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''نہیں باہر نہیں......'' میں نے فوراً کہا، جو بات مجھے ان سے کہنا تھی اس سے انہیں شدید جذباتی دھچکا پہنچنا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ ایسا کوئی منظر کسی ہوٹل میں ہو۔

''ٹھیک ہے...... جب مجھے وثوق سے علم ہوا کہ دانیال نہیں ہوں گے گھر پر تو میں تمہیں بتا دوں گی۔'' انہوں نے کہا۔ ''مگر ایسا عموماً اسی وقت ہوتا ہے جب تمہیں بھی یونیورسٹی جانا ہوتا ہے......''

''میں چھٹی کر لوں گا اس روز...... اگر یونیورسٹی میں بھی ہوا تو وہاں سے آ جاؤں گا۔'' میں نے فوراً کہا۔

''ایسا بھی کیا اہم مسئلہ درپیش ہے بیٹا؟'' ان کے لہجے میں تشویش تھی۔ ''مجھے تو پریشانی سی ہونے لگی ہے اب۔'' میں جواب میں خاموش رہا، یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ کوئی پریشانی والی بات نہیں تھی...... ''تم کل ہی صبح نو بجے آ جاؤ بیٹا، میرے تو لہو میں بے چینی سی دوڑنے لگی ہے۔'' انہوں نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

میں نو بجے ان کے گھر کے باہر تھا مگر اچھی طرح تسلی کر لی کہ گھر میں ممانی کے سوا اور کوئی بھی نہ تھا، لاؤنج میں بٹھا کر ملازمہ جوس لے کر آئی، ممانی اپنے سادہ سے مگر انتہائی پُروقار اور متانت لیے ہوئے انداز میں داخل ہوئیں، میں ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ ان جیسی نفیس خاتون میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی......

''بیٹھو بیٹا!'' وہ میرے قریب ہی دوسری کرسی پر بیٹھ گئیں...... ''جوس لو ناں!'' انہوں نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ ''سب ٹھیک تو ہے ناں احمد بیٹا! کیا مسئلہ ہے؟'' انہوں نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''ارے...... یہ تمہاری منگنی کی انگوٹھی کہاں ہے...... سب خیر تو ہے ناں بیٹا؟ صدف سے کوئی ان بن ہو گئی ہے؟'' میں اس عظیم عورت کے چہرے کو دیکھ کر سٹپٹا گیا جس نے اپنی بیٹی سے وابستہ رشتے کے ہاتھ میں انگوٹھی نہ دیکھ کر، چند لمحوں میں جانے کیا کچھ سوچ لیا تھا، یہ جانتی ہی نہ تھیں کہ ان کی بیٹی کی زندگی سے بڑھ کر ان کی اپنی زندگی میں کیا طوفان آ چکا تھا۔

☆☆☆

''مجھے یہ سوچ کر بھی شرم آتی ہے پاپا کہ آپ نے خالہ کے ساتھ کیا، کیا۔'' میں پاپا کی اسٹڈی میں انہیں دودھ دینے کے بہانے آئی تھی، مجھے موقع مل گیا کہ میں ان سے بات کروں۔

''کیا، کیا؟ کیا اول فول بک رہی ہو تم؟ تمہیں اتنی جرأت کیسے ہوئی مجھ سے یوں بات کرنے کی؟'' پاپا کی آواز میں دہاڑ تھی۔

''میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ کبھی اس طرح گستاخی سے بات کروں گی مگر مجھے ایسا کرنا پڑ رہا ہے۔'' میں نے ہمت کر کے کہا۔ ''اب میں خاموش رہی تو معاملہ جو پہلے ہی حد سے بڑھ چکا ہے، اس میں واپسی کی ساری راہیں مسدود ہو جائیں گی۔''

''تم فضول میں قیافے لگا رہی ہو......'' پاپا ہٹ دھرمی سے بولے۔

''میں فضول میں قیافے نہیں لگا رہی پاپا!'' میں نے اپنی آواز کو نیچا رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی۔ ''میں پورے وثوق سے بات کر رہی ہوں۔''

''میں پھر بھی کہوں گا کہ تم مجھ سے اس موضوع پر بات نہ کرو......''

''کیوں بات نہ کروں پاپا؟'' میں نے غصے سے کہا۔ ''اس لیے کہ آپ میرے باپ ہیں اور مجھ سے عمر اور رتبے میں بڑے ہیں تو میں آپ کی ہر زیادتی پر خاموش رہوں؟''

''کیا زیادتی کی ہے میں نے تمہارے ساتھ؟'' وہ دہاڑے۔

''آپ یقین کریں پاپا......'' میں سسکی۔ ''جب،

جب میں اس بات کو سوچتی ہوں ...... بلکہ جب جب کیا، یہ سب تو میرے ذہن سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں نکلتا، سات سال کیا عمر ہوتی ہے پاپا ایک بچی کی؟ اور آپ نے میرے ساتھ زیادتی یہ کی ہے کہ آپ نے مجھے اپنے گناہ کے لحات کا عینی گواہ اس وقت بنایا جب مجھے اس کے مفہوم بھی معلوم نہ تھے...... میں نے سات برس کی عمر میں آپ کو اس طرح دیکھا کہ آج تک اس منظر کی جھلک مجھے نہیں بھولتی...... وہی سات برس کی عمر پاپا...... جس عمر میں آپ نے خالہ کو پامال کیا جنہیں آپ ہمارے، مما کے اور دنیا بھر کے سامنے بیٹی کہتے تھے، آپ تو اپنی بیٹی کے ساتھ بھی یہ سب کچھ کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں پاپا!'' ایک زناٹے دار تھپڑ نے مجھے تارے دکھا دیے۔

''تم حد سے بڑھ رہی ہو......'' وہ چیخے۔

''حد؟'' میں نے ہنکارا لیا۔ ''ہونہہ! حد کیا ہوتی ہے پاپا، کاش آپ کو معلوم ہوتا...... اور کاش آپ کو معلوم ہوتا کہ آپ پر کون سی حد عائد ہوتی ہے...... سنگسار کرتے ہیں اس حد کو پار کرنے والوں کو!'' میں نے ایک، ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ''بدکردار کہتے ہیں ایسے مرد وزن کو، زانی کہتے ہیں انہیں...... اور ہمارا مذہب اور معاشرہ ایسے لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرتا...... انہوں نے اپنے لیے وہ سزا منتخب کی جس کی وہ'' حقدار نہ تھیں، انہوں نے تو اپنی معصومیت کھوئی تو ان کی عقل ہی کھو گئی، سزا تو انہیں ملنی چاہیے جو ایسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں، میں اللہ پاک کی قسم کھا کر کہتی ہوں پاپا...... مجھے شرم آتی ہے یہ سوچ کر کہ میں آپ کی بیٹی ہوں، دکھ ہوتا ہے یہ سوچ کر کہ صرف میرے سامنے ہی نہیں، آپ خالہ کے خاندان کے کچھ لوگوں کے سامنے بھی نظر اٹھانے کے لائق نہیں کیونکہ خالہ نے اپنے خط میں جو انکشافات کیے ہیں ان سے میں اکیلی ہی واقف نہیں بلکہ......''

''چلی جاؤ......'' انہوں نے میز پر زور سے ہاتھ مارا۔ ''مت میرے سامنے آؤ تم!''

''اور آپ کہہ بھی کیا سکتے ہیں......'' میں نے باہر نکلتے ہوئے مڑ کر کہا۔ ''آپ کے پاس کہنے کو اور رہا ہی کیا ہے، میرے آپ کی نظروں سے دور ہو جانے سے آپ کی زندگی کے یہ کراہت بھرے باب ختم نہیں ہو جائیں گے۔''

وہ سننا ہی نہیں چاہتے تھے، میں سمجھی کہ وہ شرمندہ ہوں گے، اپنے کیے پر نادم ہوں گے، میرے سامنے سر جھکا لیں گے اور میں سمجھ لوں گی وہ اپنے کیے پر شرمسار ہیں...... مگر...... ''جا رہی ہوں...... مگر اب میں خاموش نہیں رہوں گی پاپا، آپ مردوں کا جب دل چاہے، جس عورت کو چاہیں، ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر کے پھینک دیں، اپنی بیویوں کو آپ کیا سمجھتے ہیں...... وہ آپ کی ہر زیادتی، ہر جرم اور گناہ کو اپنے گلے کا ہار بنا لیں؟ مما نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا ہے...... انہیں آپ جیسے شخص کے ساتھ ہرگز نہیں رہنا چاہیے...... انہیں آپ سے آج نہیں، آج سے سالوں پہلے ہی خلع لے لینی چاہیے تھی مگر کوئی بات نہیں، انہوں نے اب بھی یہ فیصلہ کیا ہے تو باقیوں کا مجھے علم نہیں...... مگر میں ان کے فیصلے کی بھرپور حمایت کروں گی۔''

''کیا؟'' وہ چیخے تھے۔ ''کیا کہا ہے تم نے؟ حنا نے مجھ سے خلع لینے کا فیصلہ کیا ہے مگر کیوں؟'' وہ جانے خوش فہمیوں کی کس جنت میں رہ رہے تھے، میں دروازہ پار نکلی، ان کی آوازیں میرا پیچھا کر رہی تھیں۔

''فاطش...... بات سنو میری!'' میں ان کی آوازوں کو نظر انداز کرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

☆☆☆

''مما آپ؟'' اپنے کمرے میں مما کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی، کہیں مما، پاپا کی اسٹڈی سے ہماری آوازیں سن کر تو وہاں نہیں آئی تھیں، میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ ''آپ یہاں کیا کر رہی ہیں اور کب سے یہاں بیٹھی ہیں؟''

''میں......'' وہ کسی خیال میں تھیں۔ ''پتا نہیں کب آئی تھی۔'' مجھے یقین ہونے لگا کہ وہ میری اور

پاپا کی گفتگو سن چکی تھیں، ساری یا پھر کچھ حصہ۔ ''مجھے تم سے کچھ بات کرنا تھی فاطی!'' ان کا لہجہ بھی پُراسرار سا تھا۔ ''بہت خاص مسئلے پر اور بہت اہم بات......''

''کیا بات ہے مما؟'' مجھے تشویش سی ہونے لگی، میں نے ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔ ''آپ ٹھیک ہیں ناں مما؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں بیٹا......'' انہوں نے گہری سانس لی۔ ''تم سے جو پوچھنا ہے، اس کے لیے ہمت نہیں جمع کر پا رہی ہوں۔''

''پلیز مما...... پہیلیاں نہ بجھوائیں، میرے سر میں خارش ہونا شروع ہو گئی ہے۔'' جانے کیوں، جب بھی کوئی ایسے انداز میں بات کرتا کہ اس میں تجسس کا پہلو ہوتا تو میرے سر میں خارش ہونا شروع ہو جاتی تھی۔

''ارے پگلی!'' انہوں نے مسکرا کر میرے سر پر چپت لگائی۔ ''سر میں خارش والی کوئی بات نہیں۔''

''تو پھر جلدی کہیں......''

''تم نے کبھی سوچا ہے کہ تم اپنی باقی زندگی کس طرح گزارو گی؟'' انہوں نے بالکل میری توقع کے برعکس سوال کیا۔

''زندگی کب ایسے گزرتی ہے مما، جیسی گزارنے کی ہم توقع کرتے ہیں، اس زندگی میں حالات، واقعات اور لوگ کبھی ایسے نہیں رہتے جیسا رہنے کی ہم توقع کرتے ہیں۔'' میں نے فلسفہ جھاڑا۔

''اگر میں تم سے یہ کہوں فاطی کہ......'' وہ رکیں، میں ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی جس پر تفکر کا جال بچھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ''اگر میں کہوں کہ میرے اپنے فیصلے پر عمل درآمد کرنے سے پہلے تم اپنی زندگی کا کوئی فیصلہ کر لو تو؟''

''کس قسم کا فیصلہ مما؟'' میں کچھ نہ سمجھی۔

''تم اپنے لیے کوئی نہ کوئی فیصلہ کر لو...... تمہیں عمر بھر یونہی تو نہیں رہنا ہے ناں۔''

''آپ چاہتی ہیں کہ میں......'' میں رکی۔ ''کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں اس گھر سے کہیں چلی جاؤں، آپ کے گھر چھوڑ کر جانے سے پہلے؟''

''کیوں......'' وہ حیران ہوئیں۔ ''تم کیوں گھر چھوڑو گی اور میں کیوں گھر چھوڑوں گی؟''

''تو اگر آپ نے خلع لینے کا فیصلہ کیا ہے تو گھر تو چھوڑنا ہی ہوگا ناں آپ کو؟'' میں نے وضاحت کی۔

''یہ گھر میرا ہے، میرے نام پر ہے...... میری بیٹیوں پر اس گھر کے دروازے کبھی بند نہیں ہوں گے انشاء اللہ......!'' مما نے پورے وثوق سے کہا۔ ''میں خلع لوں گی تو تمہارے پاپا کو یہ گھر چھوڑنا ہوگا۔'' ان کے لہجے میں جو اعتماد تھا اس سے مجھے تقویت ملی، ہم عورتوں کو ایسا ہی مضبوط ہونا چاہیے۔

''تو پھر اور کون سی خاص بات ہے مما، میں سمجھ نہیں پا رہی کہ آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟''

''میں چاہتی ہوں کہ تم شادی کر لو۔'' میں جامد آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ''قسمت کے بند دروازوں پر کوئی اچھا آدمی دستک دے تو دروازے کھول دینا چاہئیں!''

''میں نے اپنی زندگی کے دروازوں پر تالے لگا کر ان کی چابیاں کہیں دریا میں پھینک دی ہیں مما......''

''کبھی کوئی اچھا تیراک ان چابیوں کو ڈھونڈ لیتا ہے فاطی......'' مما اور میں شاعری کی زبان میں گفتگو کر رہے تھے، مما زندگی کے معاملات سمجھاتے ہوئے بڑی خوب صورت تشبیہات دیا کرتی تھیں، ان کا علمی اور ادبی ذخیرۂ الفاظ اور استعارات ان گنت تھے، ہم بھی کبھی کبھار انہی کے انداز میں بات چیت کر کے محظوظ ہوتے تھے۔

''ان تالوں کو زنگ لگ چکا ہے مما!'' میں نے کہا۔ ''میں اس موضوع پر گفتگو کرنا تو درکنار...... سوچنا بھی نہیں چاہتی۔''

''تجرد کی زندگی گزارنا گناہ ہے فاطی!'' انہوں نے دلیل دی۔ ''تم نے تو مجھ سے دستک دینے والے کی تفصیل بھی نہیں پوچھی......''

''میں کچھ پوچھنا چاہتی ہوں نہ جاننا چاہتی ہوں مما!'' میں نے حتمی انداز میں کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم نے دستک کا جواب نہ دیا تو اب کے کوئی دروازے توڑتا ہوا تمہاری زندگی میں ہی آ جائے گا تم نے اب تک آنے والے ہر رشتے کو ٹھکرایا ہے فاطش اور میں نے بھی کبھی اصرار نہیں کیا مگر اب کی بار میں بھی اصرار کروں گی، تمہیں اپنی ضد چھوڑنا ہوگی فاطی!" یہ کہہ کر مما اٹھ کر چلی گئیں۔

'جانے کون ہے ایسا ضدی، جیسا مما کہہ رہی ہیں۔ان کے جاتے ہی میں نے سوچا، اپنی ضد میں میں نے انہیں موقع ہی نہیں دیا کہ وہ وضاحت کرتیں، اب میرے سر میں پھر خارش ہونے لگی'کس سے پوچھوں؟ کون ہے جو مجھے بتا سکے کہ کون ہے جو میرے دل کے بند دروازوں کو توڑنے کا عزم کیے ہوئے ہے؟' میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ 'کیا واقعی میں عمر بھر اپنے دل کے بند دروازے نہیں کھولوں گی؟' آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر میں نے خود سے پوچھا مگر مجھے کوئی واضح جواب نہ ملا کیونکہ اب مجھے اپنا مستقبل غیر واضح لگنے لگا تھا۔ مما اور پاپا کے درمیان جو کچھ ہو رہا تھا، اس کے بعد جانے زندگی کیا کروٹ لے۔

'چلو دیکھتے ہیں...... کون دل کے دروازے توڑنے کا عزم لے کر آیا ہے!' میں سوچ کر مسکرائی۔

☆☆☆

"ممانی جان...... میں بھانجا تو ماموں کا ہوں مگر میں دل سے ان سے زیادہ آپ کی عزت کرتا ہوں۔ میں نے تمہید باندھی۔

"میں نے تم سے انگوٹھی کا پوچھا ہے احمر؟" ان کی سوئی انگوٹھی میں اٹک گئی تھی۔

"آپ فکر نہ کریں ممانی جان......" ان کی تسلی کو میں نے کہا۔" وہ مجھے ذرا سی تنگ تھی، اتار کر رکھی ہے......" مجھے فوراً بہانہ سوجھ گیا۔

"تم مجھے دیتے...... میں اسے کھلا کروا دیتی۔" انہوں نے کہا۔

"میں اس وقت آپ کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ اہم موضوع پر بات کرنے کے لیے آیا ہوں۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"کہو بیٹا!" وہ ہولے سے بولیں۔

"اس وقت میں آپ کے بھانجے یا ہونے والے داماد کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک بیٹے کی حیثیت سے بات کروں گا...... اگر آپ مجھے اپنے بیٹا سمجھتی ہیں تو؟" میں نے آہستگی سے کہا۔

"تمہیں اس میں کوئی شک ہے بیٹا؟"

"مجھے کوئی شک نہیں ہے اور آپ کو بھی یقین ہونا چاہیے کہ میں آپ کی اتنی ہی عزت کرتا ہوں جتنی میں اپنی ماں کی، جب میں نے ذرا سا ہوش سنبھال کر آپ کو جانا تو میرے ننھے سے دل میں خواہش ابھرتی کہ میں نے آپ کے ہاں جنم کیوں نہیں لیا۔"

"بیٹیاں دے کر اس کے بدلے میں بیٹے مل جاتے ہیں، تم میرے بیٹے ہی تو ہو۔" انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ پھیرا۔

"وہ تو ہوں......" میں رکا۔" اسی مان کی وجہ سے جو بات آپ سے کہنے لگا ہوں، اس پر برا نہ منائیے گا، مجھ پر شک بھی نہ کیجیے گا اور ٹھنڈے دل سے غور بھی کیجیے گا۔"

"تم تو مجھے ہولا رہے ہو بیٹا!" ان کے چہرے پر تشویش کا لیپ صاف نظر آ رہا تھا۔" صدف کے حوالے سے کوئی بات ہے کیا؟" ان کی سوچ اپنی بیٹیوں کی خوشیوں اور دکھوں سے اس طرح مربوط تھی کہ ان کی لغت میں ہر پریشانی کا مطلب ان کی بیٹیوں کی پریشانی اور ہر خوشی کا تعلق ان کی بیٹیوں کی خوشیوں سے تھا، مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں ساری کی ساری۔

"صدف کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے آپ کو آج بھی اور کل بھی۔"

"مجھے تم پر پورا بھروسا ہے بیٹا مگر پھر بھی فاطش کے حالات کے بعد دل ہول جاتا ہے جلدی۔"

"اگرچہ فاطش کی زندگی میں سب کچھ ایسا نہیں ہوا ممانی جان جیسا ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ رانی آپی اور نیلم آپی اپنے

گھروں میں کتنی خوش اور مطمئن ہیں......'' میں نے ان کا دل بڑھایا۔

''ازدواجی زندگی میں اطمینان اور خوشی صرف اچھا نظر آنے، اچھا پہن اوڑھ لینے اور اچھا کھا لینے سے نہیں آ جاتا بیٹا......'' ان کے لہجے میں اداسی تھی۔

''ہم عورتیں دنیا کی نظروں کو دکھانے کے لیے اپنے وجود پر اطمینان کی چادریں اوڑھے پھرتی ہیں مگر اندر کی ٹوٹ پھوٹ کس کو نظر آتی ہے بیٹا؟ لوگوں کو باہر سے سب اچھا نظر آتا ہے مگر اندر سب اچھا نہیں ہوتا، اپنی زندگی کی تلخ حقیقتوں کو ہم اپنے وجود کے گھروندوں کی کچی مٹی میں دفن کر لیتی ہیں، دنیا کو ہمارے گھروں کی چمکتی چھتیں نظر آتی ہیں مگر ان کے صحنوں میں دفن ہمارے سکون اور خوشی کی قبریں کوئی نہیں دیکھ پاتا! وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے اچھے حال میں کوئی نہیں...... ہونٹوں پر مسکراہٹیں سجا کر اندر خانے ہم اپنے برے حالات کی جنگ لڑ رہی ہوتی ہیں بیٹا۔''

''سب ٹھیک تو ہے ناں رانی آپا اور نیلم آپی کے ساتھ ممانی جان!'' مجھے واقعی تشویش ہوئی۔

''ان کے ساتھ تو سب ٹھیک ہے بیٹا......بس ماؤں کو کوئی نہ کوئی فکر لگی رہتی ہے ناں ساری اولادوں کی، رانیہ کے بیٹے کا مسئلہ ہے، نیلم کے اولاد نہیں ہے اور فاطمہ کا تم سے کیا چھپا ہے......''

''آپ دعا کیا کریں ممانی جان ان کے لیے، ماں کی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ نے بڑی طاقت رکھی ہے۔'' میں نے انہیں تسلی دی۔ ''میں اس وقت آپ سے بنیادی طور پر یہی کہنے آیا تھا کہ آپ بیٹیوں کی فکر ضرور کریں مگر اتنی نہیں کہ اپنی فکر چھوڑ دیں۔''

''کیا مطلب بیٹا؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔ ''مجھے کیا ہوا ہے، میں بالکل ٹھیک ہوں، خوش ہوں، مجھے کوئی پریشانی نہیں۔''

''وہ......'' میں ٹپٹا گیا، اس بے خبر عورت کو آگہی کے سمندر میں دھکا دینے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ ان کا بے خبر رہنا ان کے اپنے

> ## اعصابی بیماری
>
> ہمارے ہاں بھلکو کو پروفیسر کہتے ہیں۔
>
> ایک پروفیسر صاحب جب بھی بیرونِ ملک سیر کو جاتے اتنے بھلکو تھے کہ تیاری کے باوجود بیوی کو ساتھ لے جانا بھول جاتے۔ ان سے ایک بار ہم نے پوچھا آپ کی اعصابی بیماری کا اب کیا حال ہے؟
>
> بولے۔ ''ٹھیک ہے......آج کل میکے گئی ہوئی ہے۔''
>
> مرسلہ: یاسمین اقبال، سنگھ پورہ لاہور

لیے نقصان دہ ہے۔ ''وہ میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا تھا، ماموں کے بارے میں۔'' میں نے اپنے بیگ میں سے ایک پیکٹ نکالا۔ ''یہ کچھ چیزیں ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ انہیں پڑھ لیں، کچھ دیکھنے کے لیے ہیں اور کچھ سننے کے لیے......'' میں شرمسار سا تھا۔ ''میں بھی آپ کو یہ سب نہ بتاتا مگر میرا ضمیر مجھے سکون نہ لینے دیتا اگر میں آپ کو آپ کی زندگی کے اس خطرے سے آگاہ نہ کرتا۔''

''کیا ہوا تمہارے ماموں کو، کوئی ایسی خطرناک بیماری ہے کیا ان کو؟'' میں ان کی فکر جان کر اور بھی شرمندہ ہوا۔ ''اس میں تو سی ڈی وغیرہ ہیں۔'' وہ حیران تھیں۔ ''کیا ہے یہ سب؟''

''یہ سب آپ کو کمپیوٹر پر دیکھنا ہوں گی۔''

''مگر میں تو کمپیوٹر سے زیادہ واقف نہیں...... کوئی آن کر دے، کوئی اسکائپ وغیرہ پر بات کروا دے، مجھے تو اپنی ای میل بھی خود نہیں کھولنا آتیں!'' انہوں نے انکشاف کیا۔ ''میں فاطمہ سے کہوں گی کہ وہ مجھے لگا دے گی۔''

''ہرگز نہیں......'' میں نے پیکٹ ان کے ہاتھ

سے لے لیا۔" کوئی اور نہیں، صرف آپ اس کو دیکھ سکتی ہیں، ورنہ بات بہت بڑھ جائے گی۔"

"پھر اور کون دکھا سکتا ہے مجھے......؟" انہوں نے سوال کیا۔

"میں کسی اور وقت لے کر آ جاؤں گا، جب ماموں کہیں باہر گئے ہوئے ہوں تو۔ آپ کو لگا کر دے جاؤں گا، آپ تسلی سے سب دیکھ لیں۔"

"اب تو میں تجسس سے مری جا رہی ہوں، انتظار نہیں ہوگا مجھ سے۔" وہ بیچاری جانے کیا سمجھ رہی تھیں جو تجسس سے مر رہی تھیں۔ "کتنی دیر لگے گی یہ سب دیکھنے میں؟ ہم کہیں باہر چلے چلتے ہیں۔" میں انہیں کیا وقت بتا سکتا تھا، عمریں بھی لگ سکتی تھیں، وہ دماغی شاک میں بھی جا سکتی تھیں، صدمے سے چیخنا چلانا بھی کر سکتی تھیں، دکھ برداشت نہ کر سکتیں تو دل پھٹ سکتا تھا ان کا، میں چاہتا تھا کہ وہ تنہا ہوں، میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر وہ سارے شرمناک ثبوت نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"باہر نہیں......" میں نے فوراً کہا۔ "صرف گھر پر ہی آپ یہ دیکھ سکتی ہیں۔"

"کیوں ان میں کیا ہے ایسا...... اگر یہ کوئی ایسی ویسی سی ڈیز ہیں تو تم مجھے کیوں دکھانا چاہتے ہو، میرے لیے ان کا دیکھنا اتنا ضروری کیوں ہے...... ایسا کیا خطرہ ہے میری زندگی کو ان سے؟"

"ممانی جان......" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "آپ اپنے گھر کے گارڈز کو بتائیں کہ وہ گیٹ کو اندر سے لاک کر دیں، ماموں بھی آئیں تو گیٹ کھولنے سے پہلے آپ کو کال کریں، اندر کے ملازمین کو بھی گھر سے باہر بھجوا دیں یا انہیں باہر کوئی نہ کوئی کام بتا دیں......"

"اندر کیا صرف میں اور تم ہوں گے؟" انہوں نے خالی، خالی نظروں سے مجھے دیکھا۔

"جی!" میں نے جواب دیا۔ "میں کال کر کے چھٹی کے لیے کہتا ہوں، تب تک آپ!"

"تم جانتے ہو کہ جب تک تمہارا اور صدف کا نکاح نہیں ہو جاتا، میں اور تم نامحرم ہیں، میں کسی نامحرم کے ساتھ اس طرح کیسے اپنے گھر میں تنہا ہو سکتی ہوں؟" انہوں نے کہا۔ "معذرت چاہتی ہوں بیٹا مگر میں ہر لحاظ سے یہ نامناسب سمجھتی ہوں...... تمہیں بھی ہمیشہ ایسے معاملات کا خیال رکھنا چاہیے، اپنی عزت کی حفاظت صرف عورتوں پر ہی نہیں بلکہ مردوں پر بھی لازم ہے......" وہ اپنی آواز کو حتی الامکان دھیما رکھنے کی کوشش کر رہی تھیں مگر نہ کر سکیں اور میں پھٹی، پھٹی آنکھوں سے اس عظیم عورت کی احتیاط پسندی کو دیکھ رہا تھا جس کا شوہر دنیا میں ہر جگہ منہ مارتا پھر رہا تھا...... میرے دل و دماغ میں جنگ ہونے لگی۔

☆☆☆

"دنیا کیا کہے گی عمر؟" میں نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔ "آپ سے ایسی بے احتیاطی کی امید تو نہ تھی مجھے۔"

"کیا کہے گی دنیا؟" عمر کے لہجے میں ناراضی تھی۔ "میں نے کبھی دنیا کے کہے کی پروا نہیں کی، وہی کرتا ہوں جو میرا دل چاہتا ہے...... اور مجھ سے کوئی بے احتیاطی نہیں ہوئی، اپنی بے وقوفی کا مداوا کرنا چاہتا تھا جو مجھ سے سرزد ہوئی تھی اماں کی بات مان کر۔"

"اماں تو اب بھی ناراض ہو سکتی ہیں آپ سے اور یہ بھی کہہ سکتی ہیں کہ اسے......" عمر نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"مجھے صرف یہ بتاؤ نیل......" انہوں نے سرگوشی کی۔ "تم اس پر خوش ہو کہ نہیں...... اور اس خوشی کے صدقے میں مجھے معاف کر دو گی کہ نہیں کہ میں نے اتنے برسوں کے بعد اس خوشی کا حق دیا ہے۔" عمر کی آواز جذبات سے لرز رہی تھی۔

"میری خوشی......" میری آنکھیں نم ہونے لگیں۔ "میں ابھی تک اس اندیشے میں مبتلا ہوں عمر کہ یہ سب غلطی سے ہوا ہے اور یہ بھی سوچ رہی ہوں کہ اماں کو علم ہوگا تو وہ ہمیں اس سے چھٹکارا پانے پر مجبور کریں گی، انہیں اپنی نسل میں ملاوٹ گوارا نہیں ہے۔"

''تھوڑی دیر کے لیے اماں کی باتوں کو بھول کر اس خوشی کی بارش میں بھیگ جاؤ نیل پیاری......'' انہوں نے مجھے کندھوں سے تھاما۔ ''کوئی ملاوٹ اور کھوٹ نہیں اس میں، یہ میری اور تمہاری اولاد ہے جان!'' میں نے اپنا سر ان کے کندھے پر ٹکا دیا، مجھے اس وقت جس سکون کا احساس ہوا تھا، اس سے میری روح عمر کے ساتھ گزارے سارے برسوں کے کسی پل میں بھی آشنا نہ ہوئی تھی۔

''آئی لو یو عمر!'' میں نے دل سے اعتراف کیا۔

''وہ تو میں جانتا ہوں جان!'' انہوں نے ہنس کر کہا۔ ''زبان سے اعتراف کوئی نہ کرے مگر محبوب کو محبت کی خوشبو تو پہنچ جاتی ہے، جیسے میں تمہیں بتاؤں یا نہ بتاؤں، تمہیں علم ہے کہ عمر نے زندگی میں جسے سب سے زیادہ چاہا ہے وہ تم ہو، تمہیں چاہے جانے کے پہلے لمحے سے لے کر آج تک میری چاہت میں کوئی کمی نہیں آئی...... میں نے پوچھا ہے کہ تم خوش تو ہو؟''

''میں بہت خوش ہوں عمر......'' میں نے سر جھکا کر کہا۔ ''اس کے بعد کسی اور چیز کی طلب نہ رہے گی مجھے۔''

''تم بہت قناعت پسند ہو نیلم!'' انہوں نے جواب میں کہا۔ ''ساری بات اس پر منحصر ہے کہ میری طلب پوری ہوگی کہ نہیں۔''

''میں سمجھی نہیں؟'' میں نے نظر اٹھا کر ان آنکھوں میں جھانکا جہاں پیار کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

''مجھے بیٹی کی طلب ہے نیل...... تمہارے جیسی بیٹی کی، اتنی ہی پیاری اور اتنی ہی ذہین، اگر پہلی بار میری خواہش نہ پوری ہوئی تو کم از کم ایک چانس تو اور لینا ہوگا ناں۔'' ان کے لہجے میں شوخی اور شرارت تھی۔

''اس عمر میں ہم بچے پیدا کرتے بہت اچھے لگیں گے عمر...... اب بلی کی شادی ہو رہی ہے، کل کو اس کے بچے ہوں گے، لوگ کہیں گے پرانے زمانے کی ماؤں کی طرح بلی کی ماں بھی اس کے ساتھ، ساتھ بچے پیدا کر رہی ہے۔'' میں نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

''دلیل میں تو آج تک میں تم سے نہیں جیت سکا نیلم!'' عمر ہنسے۔ ''ویسے تصور کرنے میں خیال برا نہیں۔''

''میں باز آئی ایسی بچکانہ حرکتوں سے۔''

''اچھا...... بچے پیدا کرنا بچکانہ حرکت ہوتی ہے؟'' انہوں نے اچھا کو خوب کھینچ کر کہا۔ ''مجھے تو معلوم ہی نہ تھا......''

''عمر!'' میں نے اپنا منہ اپنی پناہ گاہ میں چھپا لیا۔

''جانِ عمر......'' انہوں نے کہا۔ ''اچھا وہ کچھ کرو ان مجنوں صاحب کا، ان کے جانے میں تھوڑے سے دن رہ گئے ہیں۔''

''ہاں وہ میں نے اور ناہید آپی نے سوچا ہے کہ خریداری کے بہانے ہم فاطش کو ساتھ لے لیں گے اور ان کی کہیں ملاقات تو کروائیں تنہائی میں۔ پھر دیکھتے ہیں کہ مجنوں صاحب اپنا کیس کس طرح پیش کرتے ہیں۔''

''اب تم ذرا شاپنگ پر کم جایا کرو نیلم، احتیاط کرو......'' عمر نے تشویش سے کہا۔ ''ہاں!'' وہ رکے۔ ''ایک اور بات، یہ اہم خبر ابھی صرف میرے اور تمہارے بیچ رہنی چاہیے، امید ہے کہ مجھے اس کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں، صرف میں اور تم، کوئی تیسرا نہیں۔''

''وہ سمجھ گئی۔'' میں نے سر ہلا کر کہا۔ ''چلتی ہوں اب کال کر کے فاطش سے تیار رہنے کا کہوں۔''

☆☆☆

''آپ کے سامان کے چار آئٹم ہیں مگر آپ کے ٹکٹ پر ان میں سے فقط تین کے ٹیگ ہیں...... سامان کا چوتھا ٹیگ کیا آپ نے خود ہٹایا ہے؟'' وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا۔ میری درخواست بلکہ میرے اصرار پر مجھے سرکاری وکیل فراہم کیا گیا تھا، وہ مجھے اسی کمرے سے ملحقہ کمرے میں ملنے کے لیے آیا تھا جس میں، میں نے جانے کتنے ہی گھنٹے قیام کیا تھا اور زیادہ تر وقت میں نے غنودگی میں ہی گزارا تھا۔

''نہیں......'' میں نے مختصراً کہا۔ ''ممکن ہے کہ میرے بیٹے نے میرے بیگ سے کوئی چیز نکالی ہو تو اس

سے وہ ٹیگ اتر گیا ہو، میرے بیگ میں ہی ہونا چاہیے تھا اسے!''

''ہوں......'' اس نے سمجھتے ہوئے کہا۔ ''اچھی خبر یہ ہے کہ تمہارے سامان کے تین ٹیگ نمبر اور اس چوتھے سوٹ کیس کے ٹیگ نمبر مختلف ہیں...... یہ چیز تمہارے حق میں جارہی ہے مگر مجھے حیرت ہے کہ تم نے اتنے لوگوں کی موجودگی میں اس کا اعتراف کیوں کیا کہ وہ تمہارا سوٹ کیس ہے؟''

''میرا سوٹ کیس بھی ایسا ہی تھا...... فرق یہ ہے کہ اس سوٹ کیس کے اندر کا سامان مختلف ہے۔'' میں نے پورے یقین سے کہا۔

''پولیس کو بھی اس بات پر شک ہے...... اسی لیے انہوں نے دوبارہ جہاز سے اتارا گیا سارا سامان کھلوالیا ہے، اسی طرح کے پانچ اور لوگوں کے سوٹ کیس ہیں۔''

''میرے سوٹ کیس کے ہینڈل کے ساتھ گلابی ربن بندھا ہوا ہوگا۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔

''تو پہلے تم نے گلابی ربن والا سوٹ کیس کیوں نہیں اٹھایا؟''

''اس سوٹ کیس کا ہینڈل ٹوٹا ہوا تھا، میں بھی اس کے ساتھ ہی ربن بھی اتر گیا ہوگا...... کیونکہ اس کا وہی رنگ، سائز اور برانڈ ہے۔'' میں نے اپنے موقف کی وضاحت کی۔

''اللہ کا شکر ادا کرو کہ تم بچ گئی ہو...... ان ممالک کی پولیس گولی پہلے مارو اور بعد میں نام پوچھو کے موقف پر عمل پیرا ہوتی ہے، اسمگلنگ بہت بڑا جرم ہے، اللہ نے تمہیں اتنی سمجھ بوجھ دی کہ تمہیں وکیل کرنے کا خیال آ گیا۔'' اس نے مجھے معاملے کی سنگینی سے آگاہ کیا۔

''بہت شکریہ بھائی!'' میں نے اس سے کہا۔

''میں بھائی ہی ہوں آپ کا، میرا تعلق بھی پاکستان سے ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے۔'' میں نے اسے دعا دی۔ جلد ہی خوش خبری مل گئی اور میرا سوٹ کیس مل گیا، متنازعہ سوٹ کیس کا ٹیگ جس شخص کے ٹکٹ پر تھا...... وہ شخص وہ تھا جو جہاز کے اندر ہی دل کا جان لیوا دورہ پڑنے سے چل بسا تھا۔ 'کیا انسان کی اوقات اور کیا اس کے اعمال......' میں نے دل ہی دل میں سوچا، غالباً جہاز کے جھٹکے کھانے سے ہی اسے اندازہ ہوا کہ اب وہ اپنے سارے ''مال'' کے سمیت ختم ہونے والا ہے، اسی صدمے سے اسے دل کا دورہ پڑا ہوگا اور وہ صدمے کی تاب نہ لاسکا۔ جانے کتنے ہی نوافل کی نیت کرلی تھی میں نے...... میں جہاں دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کررہی تھی کہ اس نے مجھے اس آزمائش میں سرخرو کیا، وہیں میں اس شخص کی آخرت کا سوچ رہی تھی' اپنے لیے دنیا میں ہم کیا، کیا سامان جمع کرتے ہیں مگر آخرت کے لیے ہاتھ خالی ہوتے ہیں۔

چند اور مشکل گھنٹے اور خدا، خدا کرکے ہمیں دوبارہ اگلی پرواز میں سوار کروا دیا گیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عابد نے پاکستان فون کرکے مما سے پوچھا ہو میرے پہنچنے کے بارے میں، میرے دل میں خیال آیا، عابد سے کال کرکے پوچھ لینا چاہیے تھا۔ جہاز پاکستان کی طرف محوِ پرواز تھا اور میں چشمِ تصور میں اسی وقت پاکستان میں تھی، اپنی مما کی بانہوں میں......

''مما!'' میں نے سرگوشی کی۔

☆☆☆

نیلم اور ناہید آپی کے ساتھ خریداری کرتے، کرتے میں نڈھال ہوگئی تھی، عرصے سے اس طرح خریداری نہیں کی تھی، اپنی ضرورت کی چیز لینے کا میرا اپنا انداز ہے، مطلب کی ایک دو دکانوں پر جا کر جلد ہی اپنے لیے مطلوبہ چیز کا انتخاب کرکے فارغ ہو جاتی ہوں۔ ہم ملازمت کرنے والی سب عورتوں کا عموماً خریداری کرنے کا یہی طریقہ ہوتا ہے، شادی کی خریداری اور وہ بھی لڑکے کی ماں کی اور لڑکی کی ماں کی، مقابلہ سخت تھا، مجھے بھی وہ بار، بار اصرار کرتی رہیں کہ میں کچھ لے لوں مگر میں نے انکار کردیا، کسی چیز کی

ضرورت ہی نہ تھی۔

''حیرت ہے لڑکی، تم کس طرح کی مٹی سے بنی ہوئی ہو، ہم تو کچھ نہ لینے جائیں تب بھی دس چیزیں لے لیتے ہیں خواہ مخواہ...... اور تم کس طرح اتنا کچھ دیکھ کر خود پر قابو رکھے ہوئے ہو!'' ناہید آپی نے مجھ سے سوال کیا۔

''میں بلاضرورت کچھ نہیں لیتی آپی!'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''تم سے شادی کرنے والا تو بہت فائدے میں رہے گا۔'' انہوں نے ہنس کر کہا تو ان کے ساتھ نیلم نے بھی قہقہہ لگایا۔ جبکہ ان کا دیور جو اس سارے وقت میں ایک مجسمے کی طرح بے تاثر رہا تھا، وہ بھی مسکرا دیا۔ اس نے تمام بیگز اپنے ہاتھوں میں اٹھائے رکھے، جب ان کا بوجھ بڑھ جاتا تو بتا کر جاتا اور انہیں گاڑی میں رکھ آتا۔ بار، بار نیلم اور ناہید آپی کہتیں کہ وہ بھی کچھ لفافے اٹھالیں مگر وہ کہتا کہ خواتین بوجھ اٹھانے کے لیے نہیں ہوتیں...... مجھے اس کا عورت کے احترام کا یہ انداز بہت اچھا لگا تھا۔ اس کی بیوی کیسی خوش قسمت ہو گی۔ میں نے سوچا۔

''کافی پی جائے؟'' خریداری ختم ہونے پر ناہید آپی نے کہا تو ہم سب اسی مال کی ایک کافی شاپ میں جا بیٹھے، پیروں میں چلنے کی ہمت نہ رہی تھی۔ سجاد بھائی نے ہی کافی اور ساتھ کچھ کھانے کی چیزوں کا آرڈر دیا۔

''نیلم!'' ناہید آپی نے ماتھے پر ہاتھ مار کر تقریباً چیخ کر کہا...... ''نبیل کی پگڑی کا کام نہیں کیا۔''

''اوہ......'' نیلم نے کہا۔ ''چلیں کافی کے بعد کر لیتے ہیں۔''

''کافی آنے میں وقت لگے گا، ہم جلدی سے ہو آتے ہیں۔'' ناہید آپی نے اصرار کیا۔

''چلیں......'' نیلم اٹھی۔ ''چلو فاطش!''

''میں بیٹھتی ہوں یہاں نیلم، میں بہت تھک گئی ہوں، آپ لوگ جاؤ پلیز۔'' میں نے مجبوری کا اظہار کیا۔

''چلو تم بیٹھو فاطش، ہم ہو آتے ہیں۔'' ناہید آپی نے نیلم کا ہاتھ پکڑا اور چل دیں، سجاد بھائی بھی کھڑے ہو گئے۔ ''تم بھی رکو سجاد، کافی...خریداری یہاں رکھی ہے، قیمتی سامان ہے، کوئی اچکا آ گیا تو۔'' سجاد بھائی تذبذب کے ساتھ رک گئے۔

''امید ہے کہ آپ میری موجودگی سے غیر آرام دہ محسوس نہیں کریں گی؟'' ان کے باہر نکلتے ہی واپس بیٹھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

''نہیں!'' میں نے دھیرے سے کہا۔ ''آپ بیٹھیں!''

''کہاں ملازمت کر رہی ہیں آپ؟'' انہوں نے سوال کیا، میں نے مختصر الفاظ میں جواب دیا۔

''بیٹا...... کیا نام ہے اس کا، ہاں اسود! کیسا ہے؟''

''جی ٹھیک ہے......'' میں نے کہا۔ ''آپ سنائیں، آپ کی فیملی کیسی ہے؟''

''میری فیملی؟'' انہوں نے میری طرف دیکھ کر سوال کیا۔ ''کون سی فیملی؟''

''آپ کی بیوی اور بیٹی!'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہی ہوں گی......''

''کیا مطلب، آپ کا ان سے کوئی رابطہ نہیں پاکستان آ کر؟''

''میرا ان سے پاکستان سے باہر رہتے ہوئے بھی کوئی رابطہ نہیں...... میری اور اس کی علیحدگی ہو چکی ہے، اس نے دوسری شادی کر لی ہے اور ہماری بیٹی اپنی نانی کے پاس ہے۔''

''اوہو......'' میں نے شرمندگی سے کہا۔ ''معذرت چاہتی ہوں، آپ کی ذاتی زندگی کے بارے میں مجھے سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''کوئی بات نہیں...... میں نے آپ کے بیٹے کی خیریت پوچھی، آپ نے میری فیملی کی۔'' انہوں نے میری شرمندگی مٹانے کو کہا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کی شادی......'' میں رکی۔

''مجھے بھی یہاں آ کر معلوم ہوا آپ کی شادی کے ختم ہونے کے بارے میں۔'' انہوں نے جواباً کہا۔

''میں سمجھتا تھا کہ نیلم بھابی کی ساری بہنیں اپنے، اپنے گھروں میں خوش ہیں۔''

''آپ کی شادی کو ختم ہوئے کتنا عرصہ ہوا؟''
میرے منہ سے سوال پھسل گیا۔
''آٹھ سال ہو گئے ہیں......'' مختصر جواب آیا، مجھے احساس ہوا کہ انہیں اس تلخ یاد میں دھکیلنا میری زیادتی تھی۔
''دوبارہ شادی کیوں نہیں کی آپ نے......؟''
پھر ایک اور احمقانہ سوال میرے منہ سے نکلا، جانے یہ نیلم لوگ کہاں رہ گئی تھیں، پگڑی کا فیصلہ ہی نہیں ہو پا رہا تھا، کافی بھی آ گئی تھی۔
''پہلے تو سوچا تھا کہ کبھی نہیں کروں گا......'' انہوں نے کافی کا کپ میرے سامنے رکھا۔'' زندگی میں ہونے والا ایک حادثہ ہی انسان کو سبق سکھانے کے لیے کافی ہوتا ہے مگر اب خیال بدل گیا ہے، اب سوچنے لگا ہوں اس بارے میں۔''
''ہاں......مرد کے لیے اکیلے زندگی گزارنا کہاں آسان ہوتا ہے......''
''اکیلے زندگی گزارنا تو عورت کے لیے بھی آسان نہیں ہوتا۔ انہوں نے جواباً کہا۔'' آپ بھی تو اکیلے زندگی گزار رہی ہیں ناں۔''
''میرے پاس تو اسود ہے، میری مصروفیت بھی اور میرے مستقبل کی آس بھی۔''
''آپ بھی اپنی شادی کا سوچیں فاطش......'' انہوں نے ہولے سے کہا۔'' اولاد کا سہارا چند برس کا ہی ہوتا ہے، بیٹوں کی اپنی زندگیوں کی مصروفیت ہو جاتی ہیں تو مائیں اکیلی رہ جاتی ہیں۔'' مجھے اس وقت ان کی باتیں سوچنے پر مجبور کر رہی تھیں، ان دنوں مما کی طرف سے بھی کافی اصرار ہو رہا تھا۔
''ہوں......'' میں نے کافی کا سپ لیا، گہری سانس لی اور ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔
''کوئی مخلص آدمی ملے جو آپ کا خواہش مند ہو تو اسے مایوس مت کیجیے گا فاطش......''
''خواہش مند بھی اور مخلص بھی......'' میں نے طنز سے کہا۔'' اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ میں طلاق یافتہ بھی ہوں، ایک بیٹا بھی ہے میرا......کس دنیا کی باتیں کر رہے ہیں آپ سجاد بھائی!''
''دنیا اچھے مردوں سے خالی نہیں ہوئی فاطش......سب مرد اشعر جیسے نہیں ہوتے۔'' انہیں میرے سابقہ شوہر کا نام بھی معلوم تھا اور اسود کا بھی جب کہ مجھے نہ ان کی بیٹی کا نام معلوم تھا نہ سابقہ بیوی کا۔
''کسی اور کو آزما کر تو دیکھیں۔'' میں انہیں دیکھ کر رہ گئی۔
''آپ کو معلوم نہیں سجاد بھائی کہ اپنے سامنے لوگوں کے چہروں سے نقابیں اترتے دیکھ کر کیسا لگتا ہے کہ جن پر اسے تکیہ تھا وہی دشمن نکلے اور جب شوہر کی نظروں میں اس کی اپنی اولاد مشکوک ہو جائے تو بیوی کی نظروں میں دنیا کے ہر مرد کی مردانگی مشکوک ہو جاتی ہے......'' میں نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔'' میں پھر کوئی جوا نہیں کھیلنا چاہتی۔''
''مجھے افسوس ہے فاطش کہ میں نے آپ کے زخم تازہ کر دیے مگر آپ دنیا کے ہر مرد سے مایوسی والی باتیں نہ کریں۔''
''کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے آپ کی!'' میں نے ان کی توجہ بٹائی۔'' یہ دونوں خواتین جانے کہاں رہ گئیں، ان کی کافی بھی بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہے۔''
''مجھ سے شادی کرو گی فاطش؟'' انہوں نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھا، میں نے حیرت سے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔'' میں تم سے ہمدردی نہیں کر رہا فاطش......'' میں نے بے یقینی سے ان آنکھوں میں جھانکا۔'' نہ ہی میں بڑے، بڑے دعوے کروں گا!'' میں نے اپنا ہاتھ ہولے سے کھینچ کر ان کے ہاتھ کے نیچے سے نکالا۔'' ہم دونوں کی کہانی لگ بھگ ایک سی ہے......مگر اسے ہم ماضی سمجھ کر بھلا سکتے ہیں۔'' میں نے چہرہ پھیر کر دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔
''مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے فاطش......پہلی نظر کی محبت، مجھے معلوم بھی نہ تھا کہ تمہارا ہی نام فاطش ہے جب مجھے تم سے محبت ہوئی۔ میں تمہیں اور اسود کو ہر ممکن

خوش رکھنے کی کوشش کروں گا اور ثابت کر کے دکھاؤں گا کہ دنیا میں مختلف قسم کے مرد ہوتے ہیں، عورت کی عزت کرنے والے بھی...... کچھ مردوں کو محبت راس نہیں آتی فاطش اور کچھ عورتوں کو عزت۔ ہم دو مختلف لوگوں کے ہاتھوں زخم کھائے ہوئے لوگ ہیں مگر ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے تو ہمارے زخم مندمل ہو جائیں گے۔'' میں لب بھینچے خاموش بیٹھی تھی، تھوڑی دیر پہلے تک میرا دل اس بات کا معترف ہو رہا تھا کہ کتنا مہذب اور خیال کرنے والا انسان ہے اور اب میں عجیب سے تذبذب میں مبتلا ہو گئی تھی۔

''میں جواب کا منتظر ہوں فاطش؟'' انہوں نے مجھے گہرے خیال سے چونکا دیا۔

''میں نے اس بارے میں کبھی سوچا نہیں۔''

''اب سوچ لو فاطش......'' انہوں نے اصرار کیا۔ ''میں واقعی تم سے محبت کرنے لگا ہوں اور دن یا ہفتے نہیں، میں سالوں تمہارے جواب کا انتظار کر سکتا ہوں، عمر بھر!'' ان کی محبت میں ڈوبی آواز میری سماعتوں میں اتری۔ ''ایک بار کہہ دو کہ تم اس بارے میں سوچو گی، میں عمر بھر تمہارے جواب کا منتظر رہوں گا۔'' میرا دل پسلیوں کے پنجرے کو توڑنے لگا۔

''میں سوچ کر بتاؤں گی۔'' میں نے بہ مشکل کہا۔ ''میرے اپنے اندیشے اور فکریں ہیں......''

''ساری فکریں مجھے دے دو!''

''پتا نہیں نیلم کہاں رہ گئی ہے؟'' میں نے بہت بے چینی سے باہر کی طرف دیکھا۔

''میں نے ان کو پیغام بھیج دیا ہے کہ اب وہ لوٹ آئیں، جس مقصد کے لیے انہوں نے ہم دونوں کو تنہا چھوڑا تھا، وہ پورا ہو چکا۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا اور میرا منہ اس مشترکہ سازش پر کھلے کا کھلا رہ گیا۔

☆☆☆

''مجھے زندگی میں اب کسی بھی نئے تجربے سے خوف آتا ہے مما۔'' میں نے مما کی گود میں سر رکھے، رکھے کہا۔ ''سیانے کہتے ہیں کہ دیگ کو چیک کرنے

کے لیے اس کا ایک دانہ ہی چیک کر لینا کافی ہے!''

''دنیا میں بہت مختلف اقسام کے لوگ بستے ہیں فاطی......'' مما نے کہا۔'' درختوں کے پات، پات میں فرق ہوتا ہے، ہاتھوں کی ساری انگلیاں برابر نہیں ہوتیں...... اللہ نے جہاں شکلوں کو مختلف بنایا ہے وہی ذہنوں اور سوچ میں بھی فرق ہے...... مجھے تو سجاد بہت اچھا لگا ہے، تمہیں چاہتا بھی ہے اور اسود کو ساتھ رکھنے پر بھی اسے کوئی اعتراض نہیں ہے، قسمت بار، بار ایسے مواقع نہیں دیتی بیٹا!''

''پھر بھی مجھے ڈر لگتا ہے مما......'' میں نے گہری سانس لی۔'' چاہتا تو مجھے اشعر بھی بہت تھا۔ اتنا کہ اس نے مجھے گھر والوں سے بغاوت کرنے پر بھی اکسایا۔''

''وہ ایک ناسمجھ اور جلد باز لڑکا تھا، گھر والوں کی طرف سے بھی اس پر اس شادی کو ختم کرنے پر زور تھا، ایسے جذباتی لونڈوں کی محبت دودھ کے جھاگ جیسی ہوتی ہے......''

''یہی معاملہ سجاد بھائی......'' میں رکی، دل ہی دل میں ہنسی بھی آئی۔'' ان کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔''

''ایک بار اپنی مما کی نظر پر اعتماد کر کے بھی دیکھ لو فاطی!'' مما نے پیار سے کہا۔'' میرا دل کہتا ہے کہ سجاد تمہیں اور تم سجاد کو خوش رکھ سکتی ہو۔''

''اچھا......'' میں ہنسی۔'' یہ بات آپ اتنے اعتماد سے کیسے کہہ سکتی ہیں؟''

''جب عورت کو کسی مرد کی طرف سے واقعی محبت ملتی ہے تو وہ اسے جواباً اس سے بڑھ کر محبت دیتی ہے...... سجاد کوئی کل کا لونڈا نہیں، ایک میچور مرد ہے۔''

''میں بھی اب کالج کی طالبہ نہیں مما...... میری عمر بھی تو دیکھیں۔''

''اسی لیے تو کہہ رہی ہوں پیاری......''

''ڈر لگتا ہے مما اپنے نصیب سے...... مگر آپ کا کہا ہے تو۔''

''سب اللہ پر چھوڑ دو بیٹا!'' باہر گھنٹی کی آواز آئی، چند لمحوں کے بعد ملازمہ کوثر ہانپتی ہوئی اندر آئی۔

''وہ جی...... وہ آئی ہیں بڑی باجی!'' وہ بوکھلائی ہوئی تھی۔'' میں صاحب جی کو بھی بتاتی ہوں۔'' کہہ کر وہ اوپر اسٹڈی روم کی طرف جانے لگی۔

''نیلم آئی ہے؟'' مما نے پوچھا۔'' اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟''

''نہیں جی...... بڑی باجی!'' اس کے عقب میں جو چہرہ نمودار ہوا اسے دیکھ کر میں مما کی گود سے کرنٹ کھا کر اٹھی۔

''رانیہ آپی!'' میں ان سے لپٹ گئی، مما حیرت اور غالباً خوشی سے سکتے میں چلی گئیں، وہ انہیں فقط گھور رہی تھیں، مجھے مل کر آگے بڑھیں، میں نے مصطفیٰ کو ساتھ لپٹا لیا۔

''رانی......'' مما نے سسکی لی۔'' تم اکیلی آئی ہو بیٹا؟''

''کیا ہوا مما......'' وہ مما سے لپٹ گئیں۔'' آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟''

''تم کچھ ٹھیک نہیں لگ رہیں مجھے......'' مما جیسے نیند میں بڑبڑا رہی تھیں۔

''ہاں مما......'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔'' بڑی گہری نظر ہے آپ کی۔''

''ٹھائیں......'' پورا گھر اس آواز سے گونج اٹھا، ہم سب نے چونک کر آواز کی سمت کو جاننے کی کوشش کی، کوثر پاپا کو بتا کر ابھی سیڑھیاں ہی اتر رہی تھی۔

''پاپا......'' میں چیخی، صدف بھی اس آواز کو سن کر اپنے کمرے سے بھاگ کر نکلی تھی۔'' مما...... پاپا نے!'' میں سیڑھیوں کی طرف بھاگتے ہوئے ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔'' پاپا...... پاپا!'' میں پہلی سیڑھی پر پہنچ کر چیخی۔'' مما...... پاپا نے خود کو!'' میرے قدم بھاری ہو گئے...... ''ہم سب برباد ہو جائیں گے مما!''

زندگی خود بھی خاک ہوتی ہے نہ گلزار...... یہ تو اسے گزارنے والے لوگ بناتے ہیں...... اس دلدوز کہانی کا اختتام خاک ہوتا ہے یا گلزار...... یہ جاننے کے لیے اگلے ماہ پڑھیے...... آخری حصہ......

منی ناول

چھٹا اور آخری حصہ

زندگی خاک نہ تھی

شیریں حیدر
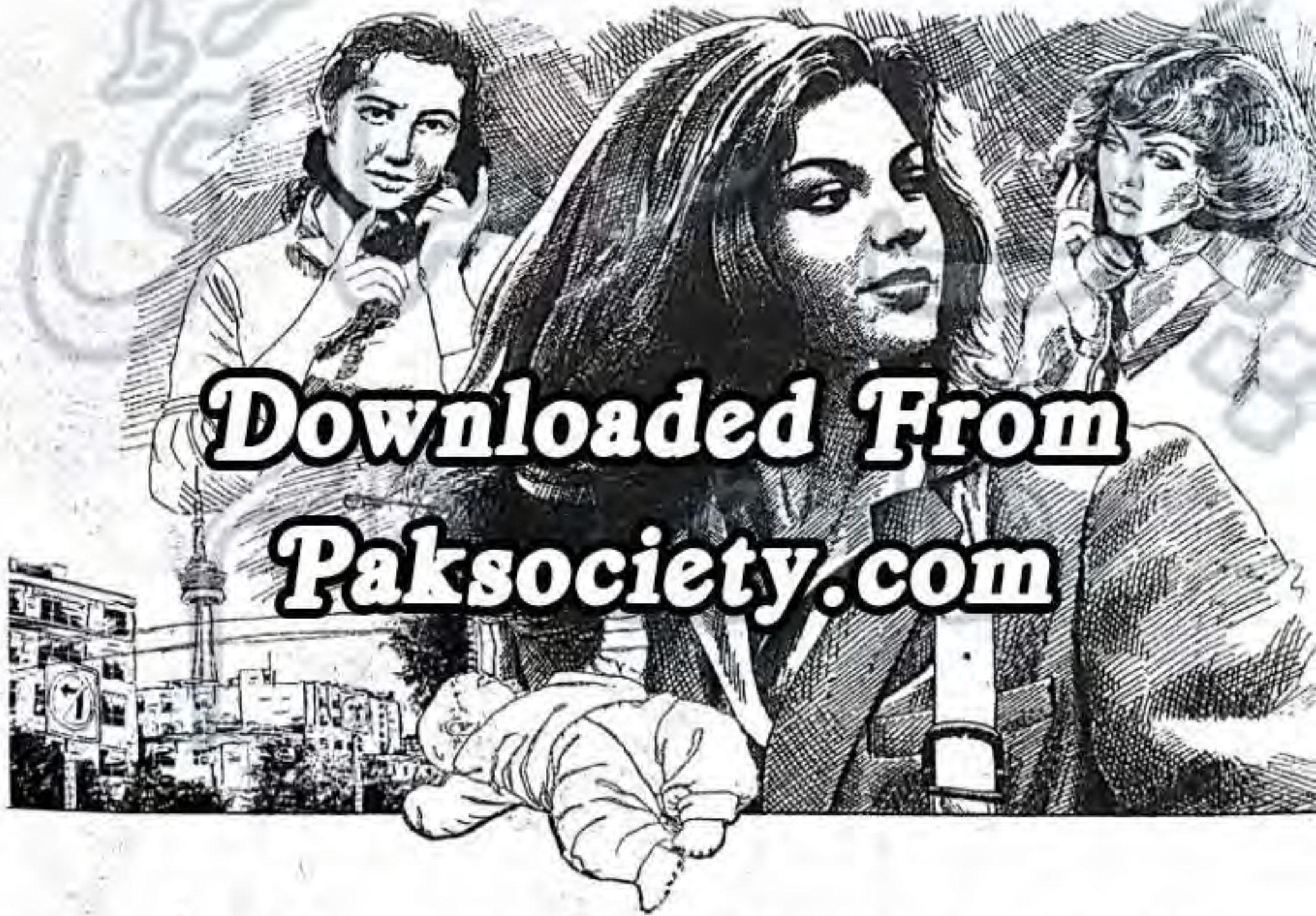
میرا نام حنا ہے...... اس وقت میں عمر کی پانچویں دہائی کے وسطی سالوں میں ہوں، میری چار بیٹیاں ہیں جو سب شادی شدہ اور اپنے اپنے گھروں میں آباد ہیں۔ آج میں زندگی میں فیصلے کے جس مقام پر کھڑی ہوں، اس کے بارے میں میں نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا...... کم از کم اس وقت تو ہرگز نہیں سوچا ہوگا جب میں کم سن اور حسین تھی، اپنے چہرے کی خوب صورتی اور اپنی ذہانت کو اپنا بہترین سرمایہ سمجھتی تھی

اور معصوم عمر میں بھی اسے برتنا جانتی تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ خوب صورت عورت عمر بھر مرد کے دل پر راج کرتی ہے...... میں نے اٹھارہ برس کی معصوم عمر میں اپنے حسن کا جادو اپنی سہیلی کے منگیتر کے سر چڑھ کر بولتا ہوا دیکھا، جسے دیکھ کر میرے اپنے دل کی دھڑکنیں بھی بے ترتیب ہوگئی تھیں۔ کرن کی منگنی ٹوٹی اور میرا نام دانیال سے جڑ گیا۔ میں خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھنے لگی جو انیس برس کی عمر میں خوشیوں کے ہنڈولے میں سوار... ہوگئی تھی۔

میں نے دانیال کو پالیا تو سمجھا کہ ہفت اقلیم کی دولت میرے ہاتھ لگ گئی۔ میں خود کو اپنی ہم جماعتوں سے ممتاز سمجھنے لگی جو ابھی تک کالج جانے کے لیے جوتیاں چٹخا رہی تھیں۔ کیا مقصد ہوتا ہے اتنا پڑھنے کا بھلا؟ اچھی جگہ شادی ہو جانا بس! تو میں نے اپنا مقصد دوسروں سے بہت جلد پالیا تھا۔

زندگی میں پہلا جھٹکا مجھے اس وقت لگا جب میں اپنی پہلی بیٹی کی پیدائش کے وقت اسپتال میں تھی، میں نے ایک پیاری سی بچی کو جنم دیا تھا۔ دانیال اور میں دونوں ہی خوش تھے۔ بچی میرا پرتو تھی اور گلابی گل گوتھنی سی بچی نرسوں کی خصوصی توجہ کی حقدار ٹھہری، جو نرس بھی ڈیوٹی پر آتی وہ خاص طور پر میری بیٹی کو دیکھنے آتی اور میں دانیال کی نظروں کے زاویے دیکھتی جو نرسوں کو تول رہے ہوتے۔ مجھے کرن کی بددعا یاد آئی کہ ”دانیال جس حسین چہرے کو دیکھے، اسی کی طرف لپکے۔“ میں نے خود کو برا کہا کہ زندگی اور موت کی کشمکش میں رہ کر ایک زندگی کو جنم دیا تھا، خود ابھی تک اسپتال میں پڑی تھی اور دانیال پر شک شروع کر دیا تھا مگر اس سوچ کے باوجود بھی میں خود کو دانیال کی نظروں پر پہرہ دینے سے نہ روک سکی۔

پھر یہ ہوا کہ دانیال مجھے خود بتاتے کہ فلاں پارٹی میں فلاں عورت نے انہیں غیر شادی شدہ سمجھا اور ان پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی، فلاں لڑکی نے فلاں حرکت کی، تو میں نے دانیال کو ایک معصوم مرد سمجھنا شروع کر دیا کہ میں بھی تو اسے دیکھ کر پہلی نظر میں محبت کا شکار ہوگئی تھی...... ایک تو مردوں کو یہ فائدہ ہے کہ ان کی شخصیت اور جسم پر شادی یا بچوں کی پیدائش کوئی اثرات مرتب نہیں کرتی، ساری جسمانی و ذہنی تبدیلیاں اور مسائل عورتوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ میں ابھی پہلی بچی کی پیدائش کی کمزوری سے سنبھلی بھی نہ تھی کہ دوسرے بچے کی آمد کی خبر سن لی، میرے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے، دانیال اور میں سر جوڑ کر بیٹھے مگر فیصلہ وہی ہوا جو اللہ کو منظور تھا۔ میں اب کی بار اماں کی طرف چلی گئی کہ ایک چند ماہ کی بچی اور دوسرے بچے کی آمد کو اکیلے نہیں سنبھال سکتی تھی، اماں کی مدد سے میرا کام آسان ہو گیا تھا۔ دانیال تھے جو میری اماں کی بھی عزت کرتے تھے اور مجھ سے کافی چھوٹی بہن تانیہ کو اپنی بیٹی جیسا سمجھتے تھے۔ اماں میری اور میرے بچوں کی دیکھ ریکھ میں مصروف ہوتیں اور تانیہ کو وقت نہ دے پاتیں تو دانیال اسے اپنی بیٹی کی طرح سنبھالتے بلکہ وہ دانیال سے اتنی مانوس ہوگئی کہ انہی کے پاس زیادہ وقت رہتی اور کبھی سو بھی جاتی۔ اماں کو اس ریں ریں کرتے رہنے والی بچی کے مسئلے سے بھی نجات مل گئی تھی جو پانچ چھ برس تک بھی اماں کی توجہ حاصل کرنے اور اپنا وجود اس گھر میں منوانے سے محروم رہی تھی۔ جانے اماں کو اس بیچاری سے کیا بغض تھا، اس کی آمد کو وہ اپنے لیے شرمندگی سمجھتیں...... شاید وہ ان چاہی بچی تھی مگر میں سوچتی کہ یہ ان چاہا بچہ ایک لڑکا ہوتا تو اماں کے انداز مختلف ہوتے۔ اسی لیے میں تانیہ سے شروع دن سے ہی پیار کرتی تھی۔ مجھے خود سے سالوں چھوٹی بہن ملی تھی جو بڑی ہو کر میرے لیے دکھ سکھ بانٹنے والی سہیلی بن جاتی......

پھر بھائی کی شادی ہوگئی اور اس کے ہاں بچوں کی پیدائش کا سلسلہ چل پڑا تو میرے لیے اماں کی طرف جانا اور رہنا ممکن نہ رہا۔ بھابیوں کی آمد پر بیٹیوں کا میکے میں مان اسی طرح کم ہو جاتا ہے، سو باقی دو بیٹیوں کی پیدائش اپنے گھر پر رہ کر ہی ہوئی مگر بھلا ہو

ثانیہ کا جو اَب بڑی ہوگئی تھی اور دانیال اسے جا کر لے آتے، اماں کو بھی اسے میری طرف بھجوانے پر کوئی اعتراض نہ ہوتا، ثانیہ نے میری سب بیٹیوں کو اپنے بچوں کی طرح پالا، اسے اللہ نے کوئی اولاد نہ دی اس لیے مجھے اس کے بچوں سے پیار کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔

میں بچوں کی مصروفیات میں ایسی الجھی کہ دانیال کی طرف سے غافل ہوتی گئی۔ یہ ہر عورت کے لیے بالکل نارمل ہے اور میرے ساتھ کچھ انوکھا نہ ہو رہا تھا۔ میں ہر بچے کی پیدائش کے بعد خود کو نئے سرے سے فٹ کرنے کی کوشش کرتی تو علم ہوتا کہ اگلے بچے کی آمد کی نوید ہے...... چار بیٹیوں کی پیدائش کو کافی جان کر ہم نے مشترکہ فیصلہ کیا کہ اب ہمیں مزید بچے نہیں چاہئیں۔ دانیال میرے ساتھ اچھے تھے اور بیٹیوں میں تو ان کی جان تھی۔ کبھی انہوں نے مجھے بیٹا پیدا نہ کرنے کا طعنہ نہ دیا۔ میں اول روز کی طرح دانیال سے محبت کرتی رہی اور یہی سمجھتی رہی کہ میرے بعد ان کی زندگی میں کوئی اور عورت نہیں آ سکتی۔ جس کو بھی دانیال کے ساتھ مبتلا پایا...... میں اسی کو غلط سمجھتی رہی۔ مجھ سے ذرا سا بھی رشتہ یا تعلق رکھنے والی جو لڑکی یا عورت مجھے دانیال کے ساتھ مشکوک تعلق سے بندھی نظر آتی، میں اسے اپنی زندگی سے ہی نکال باہر کر دیتی مگر...... یہی میری بھول تھی، وہ سب صرف میری زندگی سے نکلیں پر دانیال کی زندگی میں وہ جوں کی توں رہیں...... میں انہیں غلط سمجھتی رہی اور جو غلط تھا اس کے ساتھ میں پھر بھی زندگی کی گاڑی کو گھسیٹتی رہی۔

☆☆☆

''تم نے خود کو بہت ڈل کر لیا ہے حنا......''

دانیال نے ایک دن مجھ سے کہا۔

میں سمجھی نہیں تھی کہ وہ مجھے ڈل کیوں کہہ رہے تھے۔ میں تو ہمہ وقت کام میں مصروف رہتی، دانیال، بچیاں اور گھر، میں کسی طرف سے غافل نہ تھی، گھر میں پکنا کیا ہے، سودا سلف کیا آئے گا، دھوبی کو بھیجے جانے والے کپڑوں کی تفصیل، کام کرنے والیوں کے مسائل، لان میں کون سے پودے لگنے ہیں اور سبزیوں والے حصے میں کون سی سبزیاں، خاندان میں کس موقع پر کس طرح لین دین کرنا ہوگا، بچیوں کی صحت کے مسائل اور تعلیم سے متعلق تمام فیصلے...... میں نے دانیال سے وضاحت کی کہ مجھ پر کیا کیا ذمے داریاں تھیں اور میں انہیں کس طرح نبھا رہی ہوں۔

''اور مزید کیا چاہتے ہیں آپ دانیال؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''یار مجھے تو وہی اسٹائلش سی، چست لڑکی چاہیے جس پر میں پہلی نظر میں مر مٹا تھا، جسے صرف اپنا خیال رکھنا آتا تھا، جس کے انداز دوسروں سے جدا تھے......''

''لڑکی سے عورت اور عورت سے ماں بننے کا سفر کر کے کوئی عورت ماضی کی بے پروا لڑکی نہیں بن سکتی دانیال! مجھ پر گھر کی، آپ کی اور بچیوں کی ذمے داریاں ہیں اور ان کو پسِ پشت ڈال کر میں بے پروا سی لڑکی نہیں بن سکتی۔'' میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''تمہیں بے پروا ہونے کو کس نے کہا ہے...... میں نے اسٹائلش کہا ہے حنا!'' دانیال نے چڑ کر کہا۔ ''مجھ جیسے لوگوں کی بیویاں گھر داری کو جانتی تک نہیں، اگر جانتی بھی ہیں تو ان کاموں میں نہیں الجھتیں جن کے لیے ملازم گھروں میں رکھے جاتے ہیں۔ تم چاہو تو کوئی سیکرٹری نما بندی رکھ لو جو گھر کے معاملات کو سنبھال سکے اور تم وہ کام کرو جیسے بڑے آدمیوں کی بیویاں کرتی ہیں...... کوئی ادارہ چلاؤ، کوئی چیریٹی...... تقریبات میں فیتے کاٹو، ساڑیاں باندھ کر تقریبات کی جان نظر آؤ، سماجی شخصیت بنو، کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرو جس سے تمہاری لوگوں سے جان پہچان ہو، نت نئے لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا ہو، اخبارات میں تمہاری کوریج ہو......''

''مجھے کوئی ایسا شوق نہیں ہے دانیال، میں اپنی ہستی میں خوش ہوں اور میرا گھر میری جنت ہے۔''

"کم آن ڈارلنگ، تم نے تو میری تتلی جیسی حنا کو قتل ہی کر دیا ہے۔" دانیال کے لہجے میں ناراضی تھی۔

بعد میں میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ کیا دانیال اس لیے دائیں بائیں منہ مارتے تھے کہ میں نے خود کو نظر انداز کر دیا تھا، یا مجھ سے شادی کرتے وقت ان کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ میں ہمیشہ ویسی ہی کم سن رہوں گی۔ تب میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب ساری بچیاں اسکول جاتی ہیں تو میں بھی اپنے لیے کوئی مصروفیت ڈھونڈوں، میرا ذہن بھی بٹے گا اور دانیال کو بھی لگے گا کہ ان کی بیوی میں کوئی مثبت تبدیلی آ رہی ہے۔ دانیال سے میں نے کہا کہ میں بوتیک کا کام شروع کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں اور اس کے لیے ابھی بات میں نے پوری بھی نہ کی تھی کہ دانیال کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور انہوں نے کہا کہ وہ فوراً میری ضرورت سے بہت زیادہ رقم میرے اکاؤنٹ میں منتقل کر دیں گے......

"پیسے کی پروا نہ کرو حنا، چاہے تمہیں لاکھوں کروڑوں کا نقصان اٹھانا پڑ جائے، بس میں چاہتا ہوں کہ اچھی سی سویرے، سویرے اٹھ کر تیار ہو کر گھر سے نکلو، کام پر جاؤ، اپنے ہنر کو آزماؤ، کسی بھی فیلڈ میں......"

میں مسکرا دی، اتنے میں ہی دل خوش ہو گیا کہ دانیال میرے لیے کتنا اچھا سوچتے تھے۔

☆☆☆

میں نے شوقیہ بوتیک کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس کے لیے دو درزی، دو کڑھائی کا کام کرنے والے، ایک ماسٹر صاحب کو بھرتی کیا تھا۔ گھر میں پچھلے حصے میں ملازمین کے کوارٹرز تھے، وہیں پر دانیال نے فوری طور پر اوپر نیچے چار کمروں کی تعمیر شروع کروا دی تھی کیونکہ میں کام کرنے پر تو تیار تھی مگر گھر چھوڑنے پر نہیں۔

اس سارے کام کی نگرانی کے لیے میں نے انٹرویو کے ذریعے ایک چست سی لڑکی کا انتخاب کیا۔ اس کا نام تھا "توجہ" جو کافی مختلف تھا اور دوسرے اسے اس کام کا تجربہ بھی تھا۔ وہ سب کی نگرانی کرتی، گاہکوں سے کام لیتی، ڈیزائننگ کرتی اور اس کے بعد مجھ سے منظوری کروا کر کام شروع کرواتی۔ کام کے معاملے میں توجہ ایک ماہر لڑکی تھی، میں اس پر پورا اعتماد کرتی تھی کیونکہ کام اچھا چل رہا تھا۔ کام کے علاوہ میں اس کا خیال اپنی بیٹیوں کی طرح ہی کرتی تھی۔ جب وہ فارغ ہوتی تو وہ گھر کے اندر آ جاتی، کبھی کھانے کا وقت ہوتا یا چائے کا تو ہم اسے اپنے ساتھ شامل کر لیتے...... مجھے اس کام میں مزہ آنے لگا اور میں سوچتی کہ عمر کا کتنا حصہ میں نے بیکار رہ کر گزار دیا تھا۔ دانیال شام کو یا بسا اوقات رات کو دیر سے بھی گھر آتے تھے اس لیے مجھے توجہ پر کسی قسم کی پابندی لگانے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ یوں بھی رات کو نو بجے وہ اپنے گھر چلی جاتی تھی، ڈرائیور اسے نزدیکی اسٹاپ سے ویگن پر سوار کرواتا تھا۔

اس روز میں اپنی لیڈی ڈاکٹر کے پاس معمول کے معائنے کے لیے گئی تو میں نے توجہ کو وہاں دیکھا، میں حیرت زدہ رہ گئی کہ میرے پاس چند ہزار کی ملازمت کرنے والی ملازمہ کیونکر ڈاکٹر یاسمین کے پاس جانے کی سکت رکھتی ہے...... اس نے غالباً مجھے نہیں دیکھا کیونکہ وہ ڈاکٹر یاسمین کی اوٹ میں تھی...... اس سے قبل کہ میں اس سے کچھ پوچھتی ڈاکٹر اسے معائنے کے لیے پردے کے عقب میں لے گئیں۔

"تو پھر آپ نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ آپ کو یہ بچہ نہیں چاہیے؟" ڈاکٹر یاسمین نے سوال کیا تھا۔

"جی، جی......" اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟" ڈاکٹر یاسمین نے سوال کیا تھا۔

"چھ ماہ!" اس کا جواب ہولے سے دیا گیا۔

"شادی کے تین چار ماہ کے بعد امید سے ہو جانا کوئی غیر معمولی بات تو نہیں...... اچھا ہے کہ ایک

بچے کے بعد آپ لوگ وقفہ دے لینا۔''
''نہیں ہم پہلا بچہ ہی ابھی نہیں چاہتے۔'' اس نے اعتماد سے جواب دیا تھا۔
''کوئی خاص وجہ اس کی؟'' ڈاکٹر نے سوال کیا۔'' سسرال کی طرف سے کوئی پریشر ہے کیا؟''
''نہیں...... میرے شوہر ہی نہیں چاہتے۔'' اس نے اپنا جواب مکمل کیا تو میں حیران ہوگئی تھی، میں نے اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں کبھی پوچھا ہی نہ تھا۔ یہ تک نہ جانتی تھی کہ اس کی شادی کب ہوگئی تھی، جب میں نے اسے کام پر رکھتے ہوئے انٹرویو کیا تھا۔ اس وقت تو وہ غیر شادی شدہ تھی۔
''شوہر کہاں ہیں آپ کے؟'' ڈاکٹر نے اس سے سوال کیا تھا۔
''جی وہ بھی ساتھ ہی آئے تھے مگر انہیں کہیں کام سے جانا تھا اس لیے وہ جلدی میں تھے، واپسی پر وہی مجھے لینے آئیں گے۔''
''اگرچہ میں ایسے کاموں میں ہرگز نہیں پڑتی مگر جس حوالے سے آپ آئی ہیں، میں انہیں منع نہیں کر سکتی، اب وہ خود بھی باہر آئی بیٹھی ہیں۔'' ڈاکٹر یاسمین کہہ رہی تھیں اور میں حیرت سے ان کی بات کا مطلب جاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ میرے حوالے سے؟ ان کے کمرے میں تو میرے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔
''کیسی ہیں آپ مسز دانیال؟'' ڈاکٹر نے باہر نکل کر پوچھا۔
''میں ٹھیک ہوں......'' میں نے کمزور سی آواز میں کہا تھا۔ میں ان کی بات کا مطلب پوچھنا چاہ رہی تھی۔
''آپ کو خود آنا تھا تو پھر دانیال صاحب کو کیوں زحمت دی آپ نے؟'' اس نے سوال کیا۔
''کس بات کی زحمت؟'' میں کچھ نہ سمجھی تھی۔
''ارے بھئی وہی تو اس لڑکی کو لے کر آئے ہیں، ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی باہر نکلے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ یہ آپ کی دور پار کی رشتے دار ہے اور اس کا بچہ...... میرا مطلب ہے کہ یہ اس بچے کو پیدا نہیں کرنا چاہتی۔'' میں ڈاکٹر کی بات سن کر خاموش رہی، تبھی توجہ بھی باہر نکل آئی تھی۔ میری آواز تو وہ سن ہی چکی تھی اور ڈاکٹر کے الفاظ بھی اس لیے اس نے خود پر قابو پالیا تھا۔
''کس کا بچہ ہے یہ توجہ؟'' میں نے کنویں کی گہرائی میں گر کر اس سے سوال کیا تھا، جواب میں اس نے سر جھکا لیا تھا۔
''کیا یہ لڑکی شادی شدہ نہیں ہے؟'' ڈاکٹر یاسمین نے حیرت سے پوچھا تھا۔
''نہ یہ شادی شدہ ہے اور نہ ہی میری رشتے دار...... یہ میرے بوتیک پر ملازمہ ہے۔'' میں نے انکشاف کیا تھا۔
''تو کیا اسے آپ نے نہیں بھیجا تھا میرے پاس؟''
''ہرگز نہیں......'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔
''اٹھو بی بی جاؤ یہاں سے......'' ڈاکٹر یاسمین نے غصے سے اس سے کہا تو وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔'' مگر دانیال صاحب نے جھوٹ کیوں بولا اور وہ اس کو کیوں ساتھ لے کر آئے؟''
''مرد کسی گاہنا کالو جسٹ کے پاس یا شریکِ حیات کے ساتھ جاتا ہے ڈاکٹر یاسمین یا شریکِ جرم کے ساتھ!'' اتنا کہہ کر میں ڈاکٹر یاسمین کے چہرے پر ہر سوال کو بے جواب چھوڑ آئی تھی۔

☆☆☆

چند دن کے بعد وہ آئی تو رو رو کر اپنی معصومیت کی کہانی سنانے لگی مگر مجھے اب کسی کے آنسو متاثر نہیں کرتے تھے...... میں نے اسے نکال دیا، اپنے گھر سے، اپنی زندگی سے اور میں سمجھی کہ اس طرح شاید وہ دانیال کی زندگی سے بھی نکل گئی ہوگی مگر مجھے پورا یقین تھا کہ دانیال اس کے بعد بھی اسے کہیں نہ کہیں ملتے رہے ہوں گے، مجھے تو یہ بھی علم نہ ہو سکا کہ وہ اس سے پہلے

کہاں ملتے تھے۔

☆☆☆

میں نے جان لیا کہ دانیال کے اندر ایک ایسا حریص جانور ہے جو دنیا کی ہر عورت کو اپنی طرف مائل کر لیتا ہے۔ وہ عورتیں رشتوں کی پہچان بھول جاتی ہیں، دوستیوں کے تعلق ہوں یا احسان کرنے والی ہستیاں...... جب انہیں اپنی ہوس پوری کرنا ہوتی ہے تو باقی سب پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ کوئی پیسے کے لیے مائل ہوتی ہے، کوئی اپنے پیاروں کو دھوکا دیتی ہے، کسی کی حریص فطرت کو دوسری جگہ منہ مارے بغیر قرار نہیں آتا۔ ہاں اپنے شوہروں اور بیویوں کو دھوکا دینے والے...... ایک جیسی فطرت کے لوگ ایک دوسرے کو ڈھونڈ ہی لیتے ہیں، جانے کیوں دنیا کی ہر ''ضرورت مند'' ---- عورت کا پالا دانیال سے پڑ جاتا تھا۔

میں عمر بھر اس کام میں مصروف رہی کہ جو عورت دانیال کے منہ کو لگ جائے اسے اپنی زندگی سے نکال دوں۔ کئی بار میں نے دانیال کا سامنا کیا، انہیں بتایا کہ میں ان کے سارے ''کارنامے'' جانتی ہوں۔ انہیں جوان بچیوں کے وجود سے بھی ڈرایا، کہ کبھی کوئی بیٹی ان کے کردار کے بارے میں جان لے گی تو ان کے لیے ان پیار کرنے والی بیٹیوں کا سامنا کرنا مشکل ہو جائے گا۔ شاید یہی میری غلطی تھی کہ جو کام وہ چھپ چھپ کر کرتے تھے اب انہیں چھپانے کی ضرورت نہ رہی تھی، کئی بار وہ مجھے خود ہی بتا دیتے کہ وہ فلاں عورت کے ساتھ تھے...... ''کیا کروں، اس کا شوہر گھر پر نہیں تھا اور وہ اکیلی پریشان ہو رہی تھی۔'' وہ ڈھٹائی سے وہ ایسی فضول بات کہہ دیتے جس پر میں عموماً یقین نہ کرتی تھی، میں سمجھتی کہ وہ طنز سے ایسا کہہ رہے ہیں...... جب تک انہیں پکڑے جانے کا خوف تھا وہ کسی حد میں تھے مگر اب کھل کر کھیلتے تھے۔

پہلی بار جب رانیہ نے مجھے وضاحت سے بتایا کہ اس نے پاپا اور آنٹی راحیلہ کو ہمارے گھر کے ڈرائنگ روم میں کس حالت میں دیکھا تھا تو میں نے دانیال سے پہلے راحیلہ کا سامنا کیا تھا۔

''کوئی شرم و حیا نہ آئی تمہیں، اپنے سادہ سے شوہر کو دھوکا دیتے ہوئے، بے غیرت عورت!''

''مجھے کیا کہہ رہی ہو...... اپنے شوہر سے بات کرو جو جگہ جگہ منہ مارتا پھرتا ہے۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا تھا۔

''وہ کیا تمہیں تمہارے گھر سے جا کر لایا تھا؟'' میں نے غصے سے پوچھا۔ ''میری غیر موجودگی میں تم میرے گھر پر آئیں کیوں؟''

''اس نے فون کر کے اس روز بلایا تھا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔'' اس نے کندھے اچکا کر کہا۔

''تو تم کیا ڈاکٹر ہو جو تمہیں کال کر کے بلایا جاتا اور تم بھاگی بھاگی چلی آتیں؟''

''مجھ پر چیخنے کی ضرورت نہیں حنا جان!'' اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا جسے میں نے غصے سے جھٹک دیا۔ ''اس دنیا میں سب اسی طرح چلتا ہے، دوستوں میں چھوٹی موٹی خوشیاں شیئر کرنے میں کوئی حرج نہیں...... میری دانیال سے دوستی ہے تو تم ثقلین سے دوستی کر لو، مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا! تم کچھ زیادہ ہی شدید ردِعمل کا اظہار کر رہی ہو۔''

''ڈوب مرنے کا مقام ہے تمہارے لیے راحیلہ...... اس کے بعد میں زندگی بھر تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی اور نہ ہی تم کبھی پلٹ کر دانیال سے رابطہ کرنا۔'' مجھے اس کی بات سن کر اس قدر گھن آئی کہ میں کرسی کو ٹھوکر مار کر اس ریستوران سے نکل آئی۔ بعد ازاں مجھے دانیال سے علم ہوا کہ راحیلہ کے ہاں بیٹی ہوئی تھی۔ میں نے حیرت سے دانیال سے پوچھا کہ ان کا اس سے کہاں رابطہ ہوا، انہوں نے بہانہ تو اس کے شوہر ثقلین سے ملاقات کا کیا مگر میرے دل میں پھانس سی چبھ گئی کہ یقیناً ان کا رابطہ راحیلہ سے قائم تھا۔

''ثقلین بھائی بیٹی کی مبارک ہو آپ کو۔'' میں نے اپنا شک رفع کرنے کو انہیں کال کی تھی۔

''بہت شکریہ بہن کہ آپ کو چھ ماہ کے بعد

مبارک باد کا خیال آ گیا۔'' انہوں نے کہا تو میں حیران رہ گئی۔

''سوسوری...... مگر ہمیں تو علم ہی اب ہوا ہے، آپ نے دانیال کو بتایا ہی اب ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں نے دانیال کو بتایا ہے؟'' ان کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''میں نے دانیال کو کیسے بتانا ہے، میری تو اس سے جانے کب ملاقات ہوئی تھی، ہاں مجھے راحیلہ بتاتی رہتی ہے کہ اس کی ملاقات تم لوگوں سے ہوتی رہتی ہے۔'' سومیرا اندیشہ درست تھا۔

''راحیلہ آپ کو آدھا سچ بتاتی ہے ثقلین بھائی۔ میری بھی اس سے ملاقات عرصہ ہوا نہیں ہوئی۔''

''کیا بات ہے، کس وجہ سے آپ دونوں سہیلیاں اب آپس میں نہیں ملتیں؟ اگر نہیں ملتیں تو راحیلہ مجھ سے جھوٹ کیوں کہتی ہے؟''

''وہ مجھ سے تو نہیں البتہ دانیال سے ملتی رہتی ہے...... ابھی تک مل رہی ہے حالانکہ جب میں نے ان کے آپس میں غلط تعلقات کے بارے میں جان کر اسے اپنی زندگی سے نکالا تھا تو میں سمجھی تھی کہ اسے عقل آ گئی ہوگی مگر بے حیا لوگوں کو عقل کم ہی آتی ہے...... ویسے آپ ڈی این اے ٹسٹ کروا کر اپنی بیٹی کی ولدیت ضرور چیک کر لیجیے گا، آپ کے لیے اچھا ہو گا۔'' میں نے غصے میں کہہ کر فون بند کر دیا۔ اگر ابھی تک راحیلہ نے اپنی روش نہیں بدلی تھی تو اس کے شوہر کو ایک دھوکے باز عورت کے ساتھ زندگی گزارنے کی سزا سے تو آزاد کر دیا تھا میں نے۔ اس دن کے بعد مجھے یقین ہے کہ راحیلہ نہ دانیال کی زندگی میں رہی ہوگی نہ ثقلین بھائی کی۔

''آپ اب بھی راحیلہ سے ملتے رہتے ہیں ناں؟'' میں نے دانیال سے پوچھا تھا۔

''مجھے معاف کر دو حنا...... اب میں آج کے بعد وعدہ کرتا ہوں کہ اس سے نہیں ملوں گا۔'' انہوں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھ سے معافی مانگی، میں نے تو اس شخص کو خود سے بڑھ کر چاہا تھا، معاف کیسے نہ کرتی، الٹا دل ہی دل میں خود سے شرمندہ تھی کہ ان پر ایسی نوبت میری تفتیش کی وجہ سے آئی تھی۔

☆☆☆

پائل نام کی چست سی ملازمہ جو گھر پر صفائی کے کام پر مامور تھی، اپنا کام اتنی صفائی اور قرینے سے کرتی کہ مجھے اس نے کبھی شکایت کا موقع ہی نہیں دیا۔ کام کار سے فارغ ہو کر وہ بچیوں کے ساتھ بیٹھ جاتی اور ان کی کتابوں میں سے تصاویر دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی، غالباً اس نے کبھی اسکول کی شکل دیکھی ہوگی جو وہ ان کی اردو کی کتابوں میں سے کوئی لفظ پہچان لیتی تو اس کی خوشی دیدنی ہوتی۔

میں نے بچیوں سے کہا کہ اگر اسے شوق ہے تو اسے کچھ نہ کچھ پڑھا دیا کریں۔ اس مقصد کے لیے میں نے اردو کی ابتدائی کتب اور کاپیاں وغیرہ بھی اسے لا کر دی تھیں۔ بچوں کے اسکولوں میں گرمیوں کی چھٹیاں تھیں تو ہم سہیلیوں نے مل کر ایک فلاحی ادارے کی بنیاد ڈالی اور غریب بچوں کے لیے تعلیم کے کام کا بیڑا اٹھایا۔ اللہ کا شکر تھا کہ میری بیٹیاں اب خود کو سنبھال لیتی تھیں اور رینا کے اپنا اسکول کا کام بھی کر لیتی تھیں۔ میں صبح سویرے نکل جاتی، اس کے بعد دانیال بھی ناشتا کر کے کام پر نکل جاتے تھے۔ پائل کے وہاں رہنے سے مجھے تسلی تھی کہ بچیاں گھر پر اکیلی نہیں ہوتی تھیں، میرے گھر لوٹنے تک وہ وہیں رہتی تھی۔

''مما...... آپ پائل کو نکال دیں۔'' نیلم نے مجھ سے کہا تو میں اس کا منہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

''کیوں بیٹا...... وہ تو اچھی ہے اور کام بھی اتنا اچھا کرتی ہے...... میں اور پاپا گھر پر نہیں ہوتے تو وہ آپ لوگوں کے پاس ہوتی ہے جس سے مجھے تسلی رہتی ہے۔'' میں نے اسے اپنے ساتھ لگا کر کہا۔

''مگر مجھے وہ اچھی نہیں لگتی۔'' اس نے منہ بسورا۔ ''وہ بہت گندی ہے......''

''مگر کیوں بیٹا؟'' میں نے سوال کیا۔ ''کیا کیا اس نے جو وہ آپ کو گندی لگتی ہے؟''

''وہ جب پاپا کی اسٹڈی کو صاف کر کے نکلتی ہے تو میں غور کرتی ہوں ماما کہ اس کے گریبان میں سے لال نوٹ جھانک رہے ہوتے ہیں۔'' اس نے الجھے سے لہجے میں کہا۔

''اچھا میں پاپا سے کہوں گی کہ وہ آئندہ سے اسٹڈی میں اپنے پیسے نہ چھوڑ کر جایا کریں...... ہم کسی کو موقع دیتے ہیں تو وہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے ناں۔'' میں نے کہا۔ ''یا یہ کہ جب وہ پاپا کی اسٹڈی کو صاف کرنے جائے تو آپ بہنوں میں سے کوئی اس کے ساتھ وہاں رہے......''

''مگر اس کے اسٹڈی میں جاتے ہی پاپا دروازہ اندر سے بند کر لیتے ہیں مما......'' اس نے لرزتی ہوئے آواز میں کہا۔'' اور میں نے ایک دفعہ اندر جھانک کر بھی دیکھا تھا مما......'' اس کا چھوٹا سا وجود لرز رہا تھا، میں نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔'' پاپا نے......'' اس نے مزید وضاحت کی۔'' اور پھر پاپا نے اسے خود پیسے دیے تھے مما!''

دانیال کا معیار اس قدر گر گیا تھا۔ میری ناک کے نیچے، گھر میں بچپن کی حدود سے نکلتی ہوئی چار بچیوں کی موجودگی میں وہ اپنے گھٹیا رازوں کے افشا ہو جانے کے خوف سے بھی بے نیاز تھے اور میں کیسی بے فکر تھی کہ بچیاں محفوظ ہیں، کبھی سوچ بھی نہ آئی کہ کیا اور غیر محفوظ ہو سکتا تھا۔

میں نے دانیال کو نیلم کے روبرو بٹھانے کا سوچا مگر بیٹی اور باپ کے بیچ عزت اور احترام ختم نہ ہو...... سوچ کر خاموش رہی اور پائل کو ملازمت سے فارغ کرنے کے لیے میں نے اگلے دن کا بھی انتظار نہ کیا۔ اپنی زندگی کے ایک اور غلط باب کے اوراق کو اپنے ہاتھوں سے پھاڑ کر میں پھر فکر سے آزاد ہو گئی کہ شاید اس کے بعد اس دنیا میں کوئی اور عورت ایسی نہیں رہی جس کے ساتھ دانیال کا تعلق قائم ہو سکتا ہے۔

دوسروں کے بچوں کو تعلیم دینے کا ارادہ ختم کیا اور میں نے گھر پر رہنے کا عزم کیا، چاہے اب دانیال کچھ بھی کہیں، میں ان کی باتوں میں نہیں آنے والی۔

''ارے حنا، تم اب تک گھر پر ہو؟'' دانیال تیار ہو کر کافی دیر اپنے اسٹڈی روم میں بیٹھ کر غالباً پائل کا انتظار کرتے رہے تھے اور اس کے نہ آنے پر نیچے اترے تو مجھے اس ''بے وقت'' گھر پر بیٹھے دیکھ کر بولے تھے۔

''جی!'' میں نے بہ مشکل تھوک نگل کر کہا۔ ''اچھا وہ پائل کہاں ہے......؟'' انہوں نے بے پروائی سے پوچھا، میرے تو سر سے لگی اور تلووں پر بجھی۔

''کیا کام ہے آپ کو پائل سے؟''

''میرے اسٹڈی روم کی صفائی کرنا تھی اسے......'' انہوں نے بے نیازی سے ناشتے کا آغاز کیا۔'' میں نہیں چاہتا کہ وہ میری غیر موجودگی میں صفائی کرے اور میرا کوئی کاغذ ادھر سے اُدھر ہو۔''

''اب پائل نہیں آئے گی دانیال!'' میں نے دانت پیس کر کہا، بچیاں ابھی تک اپنے کمروں میں تھیں، میں نے خود ہی انہیں ان کے کمروں کی صفائی کا کام دیا تھا۔'' آپ اپنی اسٹڈی روم کی صفائی مجھ سے ہی کروا لیا کریں، اور ہاں اس کے لیے آپ کو لال نوٹ بھی نہیں دینے پڑیں گے۔''

دانیال کے حلق میں نوالہ پھنس گیا...... انہیں کھانسی کا شدید دورہ پڑا، کھانس کھانس کر اور پانی پی پی کر ان کی حالت سنبھلی۔ ''اس بات کا کیا مطلب ہے؟''

''اس بات کا مطلب آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں دانیال!'' میں نے غصے سے کہا۔'' میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میں کتنی ہی تو جاہیں اور کتنی ہی پائلیں اپنے گھر سے نکال کر باہر پھینک دوں، اپنی کتنی ہی سہیلیوں کو دھتکار دوں مگر آپ کے منہ کو لگا ہوا نشہ...... کہیں نہ کہیں۔ بلکہ ہر جگہ مل جاتا ہے، آپ کا معیار کس قدر گر گیا ہے دانیال، شرم بھی نہیں آتی آپ کو اس طرح کی حرکتیں کرتے ہوئے، اس گھر میں، اسی چھت کے نیچے، بچیاں آپ کی چوریاں پکڑتی ہیں اور مجھے بتاتی ہیں، آپ کی حرکتوں نے انہیں وقت سے بہت پہلے سمجھدار کر دیا ہے، خدا کے لیے کچھ حیا کریں، بند کر دیں اپنی یہ

غلیظ حرکتیں، اگر آپ کو بہت زیادہ مسئلہ ہے تو تین اور شادیاں کرلیں مگر بے حیائی کا یہ سلسلہ بند کردیں اب۔" میں نے ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کہا۔

☆☆☆

رفتہ رفتہ میں بچیوں اوران کے مسائل میں الجھتی چلی گئی، دانیال نے اپنے کاروبار کی جڑیں کئی دوسرے شہروں میں پھیلالیں اوراس سلسلے میں وہ بھی کہیں اور کبھی کہیں ہوتے، بچیوں کی تعلیم کے بعدان کے رشتے طے کرنے کے مراحل میں بھی میں خود کو تنہا ہی پاتی تھی، دانیال کی طرف سے مجھے مکمل مالی تعاون تو حاصل تھا مگر اس سے زیادہ سے وہ ہمیشہ معذوری کا اظہار کردیتے کہ انہیں عورتوں کے ان معاملات کا علم نہیں۔ بات جب کسی حتمی مرحلے میں پہنچتی تو اس وقت دانیال لڑکے اور اس کے والدین سے ملنے پر تیار ہوتے، رانیہ، نیلم اور فاطش کی شادیاں باہر طے ہوئیں، سارے معاملات مجھے ہی نمٹانا پڑے...... ہاں فاطش کی شادی کے معاملے میں دانیال نے مخالفت کی، وہ بھی اس لیے کہ انہیں کسی حوالے سے لڑکے کے مشکوک کردار کے بارے میں سن گن مل گئی تھی، جسے فاطش نے بری طرح رد کردیا اور کہہ دیا کہ اگر اس کی شادی اشعر سے نہ ہوئی تو وہ کسی اور سے بھی نہیں کرے گی۔

میں نے دانیال کو کافی سمجھایا مگر انہوں نے ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی، تب فاطش نے خود اکیلے میں دانیال سے بات کی اور جانے کس طرح بات کی کہ وہ مان گئے، دل سے انہیں یہ رشتہ پسند نہ تھا نہ ہی مجھے مگر جہاں جوان خون سرکشی پر اتر آئے وہاں ہار ماننا پڑتی ہے۔ وقت نے جلد ہی فاطش کے فیصلے کو غلط ثابت کر دیا تھا۔ میں اب کئی بار سوچتی ہوں کہ ہم نے دل سے اس شادی کو قبول ہی نہ کیا تھا اس لیے ہم نے اس شادی کو ٹوٹنے سے بچانے کی کوئی کوشش بھی نہ کی...... کیا تھا کہ اگر اشعر لالچی تھا، جائیداد چاہتا تھا یا رقم تو ہم اسے دے دیتے، علیحدہ گھر یا اپارٹمنٹ لے دیتے...... ہمارے بعد بھی تو یہ سب کچھ انہی بیٹیوں کا ہی تھا۔

دانیال نے تو اس "لفنگے" کو پھوٹی کوڑی بھی دینے سے انکار کردیا تھا۔ میں نے دبے لفظوں میں کہا بھی تو خود فاطش نے کچھ بھی قبول کرنے سے انکار کردیا۔

"عورت کے پاس اپنی ذات کا بھرم ہی تو ہوتا ہے مما جو اسے گھر والوں سے ٹکر لینے پر آمادہ کردیتا ہے...... میں نے آپ لوگوں کی مخالفت کے باوجود اس سے اس لیے شادی کی کہ مجھے اس کی محبت سچی لگی تھی، مگر جلد ہی اس کے چہرے سے نقاب اتر گئی...... میں جان گئی ہوں کہ میری ذات بے وقعت ہے، اس کی نظر ستاروں پر تھی جن پر وہ میری مدد سے ہی کمند ڈال سکتا تھا۔ میں اس کے کسی مطالبے کو ماننے پر تیار نہیں مما کیونکہ اس کے یہ مطالبات آخری ثابت نہیں ہوں گے، ایک مطالبے کی منظوری اس کے اور آپ کے درمیان کا حجاب ختم کردے گی اور وہ آئے روز کوئی نہ کوئی اور مطالبہ لے کر آ جائے گا...... میں نے اسے جاننے اور سمجھنے میں غلطی کی مما تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم عمر بھر اس کی سزا بھگتتے رہیں۔" فاطش نے واضح الفاظ میں کہا تو میری تجویز رد ہوگئی اور یوں ایک گھر ٹوٹ گیا، ایک خاندان کا شیرازہ بکھر گیا۔ اسود جیسا پیارا بچہ اپنی شناخت کا حوالہ کھو بیٹھا، میرا دل تو اسی میں اٹک گیا، میں اسود کے ساتھ مصروف ہوگئی اور دانیال سے دور ہوتی چلی گئی۔

دانیال میرے پاس ہوتے بھی تو مجھے لگتا کہ وہ میرے پاس نہیں ہیں۔ مجھ سے ان کا تعلق اتنا پھیکا اور سرد سا ہوگیا کہ مجھے کوفت ہونے لگی۔ میں اگر اپنے ساتھ کچھ یہ سوچ کر کرتی تھی کہ یہ دانیال کو اچھا لگتا ہے تو مجھے اس کی پروا ختم ہوگئی...... مجھے صاف لگتا تھا کہ دانیال کے پاس میرے لیے جو کچھ ہے وہ فقط بچا کچھا ہے، دوسری عورتوں کے پاس جانے والے مرد کے اطوار ہی اور ہو جاتے ہیں۔ مجھے ان سے گھن آنے لگی۔

☆☆☆

میں تین بیٹیوں کی شادیوں کے بعد صدف کے بارے میں بالکل بے فکر تھی کہ اس کا رشتہ دانیال کی بہن

نے بہت پہلے مانگ لیا تھا۔ ان کا بیٹا احمد ہمارا داماد بننے والا تھا، بہت پیارا اور سمجھ دار بچہ..... کہ میں صدف کے نصیب پر نازاں تھی۔صدف میری بہت پیاری بیٹی، مجھے اس سے جتنا زیادہ پیار تھا وہ اتنا ہی دانیال سے قریب تھی، اس کا دل لگاؤ باپ کی طرف زیادہ تھا۔ کبھی جو بچیوں کے ساتھ مل کر کسی کھیل یا مقابلے میں گروپ بندی ہوتی تو تینوں بڑی میرے ساتھ اور وہ تنہا دانیال کے ساتھ ہوتی مگر ہم پھر بھی انہیں جتا کر خود ہار مان لیتے۔ مجھے صدف کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر عجیب سا دکھ ہوتا تھا، مجھے یقین تھا کہ احمد اسے خوش رکھے گا۔

احمد ایک بار میرے پاس عجیب سی درخواست لے کر آیا تھا کہ اسے مجھ سے تنہائی میں ملنا تھا مگر میں نے تو یہی جانا کہ تنہائی میں دو مرد و زن کے بیچ تیسرا شیطان ہوتا ہے، چاہے وہ میرے بیٹے کی عمر کا تھا مگر پھر بھی ملازمین کے منہ کون بند کر سکتا ہے۔ مجھے شرمندگی بھی ہوئی کہ میں نے اسے صاف الفاظ میں کہا کہ میں اس کے ساتھ تنہائی میں نہیں مل سکتی..... ”ٹھیک ہے، آپ دروازے بند نہ کریں!“ اس نے کہا تھا۔ ”مگر جب ہم بات کر رہے ہوں تو کوئی مداخلت نہ کرے.....“ میں نے اس کا یہ مطالبہ منظور کر لیا، اس نے لیپ ٹاپ پر مجھے سی ڈی لگا کر آن کر کے دی اور خود باہر لاؤنج میں جا کر بیٹھ گیا، باہر ملازمین اپنے کام کار میں مصروف تھے۔

اس کے بعد تو کوئی شک رہا تھا نہ شبہ..... میری آنکھوں کے پردے ایک ایک کر کے چھٹ چکے تھے۔ میں اگر دانیال کی کسی ایک بھی بات پر یقین کرتی تھی تو اب وہ یقین بھی نہ رہا تھا۔ وہ میری نظروں سے ہی نہیں گرے تھے بلکہ میرے دل سے بھی نکل چکے تھے۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ میں اب مزید دانیال کی زندگی میں نہیں رہ سکتی تھی مگر.....

☆☆☆

احمد کے جانے کے بعد میں نے اپنے وجود کی لاش کو بہ مشکل گھسیٹا اور اپنے کمرے میں پہنچ کر بستر پر گر گئی، وہ سارے آنسو جو میری آنکھوں کے بند کے پیچھے تھے، وہ بند توڑ کر باہر نکل آئے اور میں نے پہلی اور آخری بار اپنی شکست پر آنسو بہائے..... وہ شکست جس کا ذمے دار میں نے کرن کی بددعاؤں کو ٹھہرایا تھا۔ میں نے دانیال کو کرن سے چھینا تھا، اس نے اس شخص کے چھینے جانے پر آنسو بہائے تھے اور منتیں کر کر کے مجھ سے مانگا تھا، یہاں تک کہ اس نے کہا کہ مجھے چاہے نہ لوٹاؤ مگر اس کی خاطر ہماری برسوں کی دوستی سے منہ نہ موڑو۔ میں نے اپنے زعم میں اس وقت اس کی ایک نہ سنی اور اب اس وقت میں اس لیے آنسوؤں کا سیلاب بہا رہی تھی کہ میرے نصیب میں ایسا برا شخص کیوں لکھا گیا تھا؟ میرے کس گناہ کی سزا تھا وہ شخص؟

کاش..... میں نے اس کی بدنیتی کو محبت نہ سمجھا ہوتا! اتنے سارے کاش تھے جو قطار در قطار میرے سامنے کھڑے تھے، کاش میں اس سے شادی نہ کرتی، کاش اس کا اصلی رنگ مجھے شادی سے پہلے نظر آ جاتا، کاش کسی اولاد کی پیدائش سے پہلے اس کی اصلیت مجھ پر کھل جاتی..... میں نے رو رو کر آنکھیں سوجا لی تھیں۔ اس روز میں کسی کا سامنا نہیں کر سکتی تھی اس لیے سر درد کا بہانہ کر کے منہ سر لپیٹ کر سو گئی حالانکہ سر ہی نہیں پورا جسم اور روح دکھ رہے تھے.....

ان ثبوتوں کو کہیں تو چھپانا تھا..... اس گندگی کو سب کی نظروں سے دور رکھنا تھا، حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ اسے ساری بیٹیوں کو کاپی کر کے بھجواؤں مگر پھر بھی مجھے ہی شرم آئی کہ ان کا باپ ہے، اس کا کیا بھرم رہ جائے گا بیٹیوں کے سامنے۔ اپنی الماری کی چابی میں دانیال کی دراز میں رکھتی ہوں، وہاں سے چابی نکالنے کے لیے دراز کھولی تو میں دھک سے رہ گئی..... احمد کے ہاتھ سے جو انگوٹھی غائب تھی وہ وہاں پڑی تھی۔ وہ تو کہہ رہا تھا کہ اسے کھلی ہے اور اسی کے پاس ہے۔ میں نے وہ انگوٹھی اٹھا لی۔ اب میں نے اپنی دراز کی چابی کا ٹھکانا بدل لیا تھا کیونکہ میں دانیال کا سامنا پوری تیاری کے ساتھ اور کسی مناسب وقت پر کرنا چاہ رہی تھی۔

"احمد بیٹا......" میں نے اسے کال کی۔ "آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔"

"جی ممانی جان......" اس نے انتہائی مؤدب لہجے میں کہا۔

"آپ اپنی انگوٹھی مجھے ابھی دے کر جا سکتے ہیں، میں بازار جا رہی ہوں اور اسے آپ کے ناپ کے مطابق کروا دیتی ہوں۔"

"وہ......وہ!" وہ ہکلایا۔

"کہیں وہ انگوٹھی گم تو نہیں ہو گئی بیٹا......؟" میں نے اندازہ لگایا۔ "اگر ایسا ہی ہے تو میں چپکے سے اور بنوا دیتی ہوں بیٹا۔"

"ارے نہیں ممانی جان!" اس نے فوراً کہا۔ "وہ میں نے ماموں کو دی تھی۔"

"ماموں کو......وہ کیوں بیٹا؟" میں نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"اصل میں......" اس نے مجھے ساری بات کہہ سنائی، میں اپنے سن ہوتے ہوئے دماغ کے ساتھ ہمہ تن گوش اس کی بات سن رہی تھی۔

"ٹھیک کہتے ہو بیٹا......" میں نے رسان سے کہا۔ "کوئی بھی لڑکا ایسے آدمی کا داماد بننا پسند نہیں کرے گا...... بلکہ جو بن بھی چکے ہیں انہیں بھی اگر کسی روز علم ہو گیا کہ وہ کس شخص کے داماد ہیں تو وہ بھی میری بیٹیوں کو سزا کے طور پر گھر واپس بھیج دیں گے......" میرے دل میں درد اٹھا۔ "کرے کوئی اور بھرے کوئی، اسی کو تو کہتے ہیں۔"

"بخدا ممانی جان...... میں نے تو یہ سب ڈراما اس لیے کیا تھا کہ شاید ماموں کو اپنی بیٹیوں کے مستقبل کا سوچ کر ہی کچھ......" غالباً وہ کہنا چاہتا تھا کہ 'کچھ شرم آ جائے'۔

"چلو بیٹا، کوئی بات نہیں...... تمہیں فیصلے کا پورا حق ہے، بعد میں کوئی فیصلہ کرنے سے بہتر ہے کہ تم نے ابھی سوچ لیا، میری بیٹی بہت حساس ہے، ابھی تو اسے کسی نہ کسی طرح سمجھا لوں گی مگر بعد میں وہ فاطش کی طرح آ کر بیٹھ جاتی ساتھ کوئی اور اسود جیسا لیے تو وہ زیادہ تکلیف دہ ہوتا، ہمارے لئے بھی اور صدف کے لیے بھی۔"

"پلیز ممانی جان!" اس نے شرمندگی سے کہا۔ "میں کہہ رہا ہوں ناں کہ میرا ہرگز مقصد وہ نہ تھا جو میں نے کیا، ماموں جو کچھ بھی کر رہے ہیں اس سے ان کی دنیا اور آخرت دونوں خراب ہو رہی ہیں...... میں صدف کو چھوڑنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا، اس سے شادی کی خواہش میں نے اس لیے نہیں کی تھی کہ وہ ماموں کی بیٹی ہے......اس لیے کہ وہ آپ کی بیٹی ہے ممانی جان، ہمارے خاندان کی بہترین ماں کی اولاد......"

"تم پر کوئی زور زبردستی نہیں ہے بیٹا!"

"میں اپنی انگوٹھی واپس لینے ابھی آ رہا ہوں ممانی جان!" اس نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔ "اس سے پہلے کہ صدف اس انگوٹھی کی غیر موجودگی کو محسوس کرے۔" میں نے فون بند کر کے اللہ کا شکر ادا کیا۔

☆☆☆

صدف کی شادی ہو گئی تو میں نے اپنے بارے میں سوچنا شروع کیا، میری ساری ذمے داریاں اب پوری ہو چکی تھیں۔ اب میرے پاس کوئی جواز نہ رہا تھا کہ میں اس زنجیر میں بندھی رہتی...... میں نے اس زنجیر کو توڑنے کا ارادہ کر لیا، سب سے پہلے مجھے اپنی بیٹیوں کو اعتماد میں لینا تھا، پھر اس کے بعد میں دانیال کو صرف اطلاع کرتی اور انہیں اپنے گھر کی جنت سے بے دخل کر دیتی تا کہ وہ آزاد ہوں، جو کچھ کرنا چاہیں کریں، جس سے چاہے تعلق رکھیں، جس سے چاہیں توڑیں، مجھے ان کی کسی حرکت سے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ میں ان کے غلط سلط کاموں کی فکر سے پہلے ہی آزاد تھی، اب مجھے مزید بے فکری ہو جاتی۔ اپنے ساتھ میں نے برا کیا جو اس شخص کی فطرت کو سمجھ نہ سکی اور اس کے جال میں پھنس گئی مگر اب مزید نہیں، مجبوریوں کی ڈور میں بندھا ہوا یہ بندھن اب ٹوٹنا ہی ہے۔ میں

نے رانیہ، نیلم اور صدف کو بھی اپنے ارادے سے مطلع کر دیا اور گھر میں فاطش سے بھی بات کی۔

"آپ پریشان نہ ہوں مما...... ہم سب آپ کے ساتھ ہیں، آپ کے ہر فیصلے کی تائید کریں گی، پاپا اگر آپ کے ساتھ زیادتی کرتے رہے ہیں اور ابھی تک کر رہے ہیں تو پھر انہیں اس کی سزا مل کر رہے گی۔" فاطش نے میرے ارادے کی تائید کی۔

"بس یہ دکھ کاٹتا ہے میری جان کہ تم میں سے کسی کا گھر میری وجہ سے خراب نہ ہو......" میں نے اس کے بال سہلائے۔

"فکر نہ کریں مما، سب بہنوں کے قدم اپنے گھروں میں مضبوط ہیں، اللہ کا کرم ہے۔" اس نے یقین سے کہا۔" رہی میں ...... تو میں شاید اسی لیے واپس آ گئی ہوں کہ آپ تنہا نہ رہیں، میں آپ کے ساتھ رہوں گی مما!"

"تمہارے پاپا اب بھی کئی عورتوں سے دوستی اور تعلق رکھے ہوئے ہیں، ٹیلی فون اور دیگر ذرائع سے فحش گفتگو ہوتی ہے، ان سے ملتے ہیں، دکھ تو یہ ہے کہ ان عورتوں کو بھی احساسِ گناہ نہیں ہے اور تمہارے پاپا تو اس قسم کے ہر احساس سے عاری ہیں...... میں سوچتی ہوں کہ اس طرح کے شخص سے میرا کیوں پالا پڑا۔ میں نے تو عمر بھر ان کے علاوہ کسی مرد کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی گناہ سمجھا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے خود کہا ہے کہ جیسے مرد ہوں گے ویسی انہیں بیویاں ملیں گی...... میں تو ویسی نہیں ہوں ...... مجھے کیوں ایسا شوہر ملا ہے؟" میری خالی نظروں میں وہ سوال تھا اور میں جس کا جواب تلاشنے کے لیے اس کا منہ تک رہی تھی۔

"ایسا نہیں ہے مما جو آپ سوچ رہی ہیں، پاپا کو ویسی ہی عورتیں ملتی رہی ہیں جیسے وہ خود ہیں، ہاں آپ کے لیے آزمائش ہے...... بعض اوقات اللہ کے احکامات کو سمجھنے میں ہم غلطی کر جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں جو کچھ فرمایا ہے، اسے آپ ایک دفعہ دوبارہ تفصیل سے پڑھیں! خود سوچیں اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں، مجھے علم ہے کہ آپ جس فیصلے پر پہنچی ہیں بہت سوچ سمجھ کر ہی پہنچی ہوں گی کم از کم ہم سب بہنوں کو بتانے سے پہلے آپ نے بارہا اس پر نظرِ ثانی کی ہو گی...... آپ اپنے فیصلے میں خود کو کبھی تنہا نہیں پائیں گی۔ میں سب بہنوں سے بات کروں گی، آپ جو بھی کرنا چاہیں گی ہم اس میں آپ کی تائید کریں گی۔" اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

"اس بات کی شرم مجھے کھائے جاتی ہے بیٹا کہ میں نے تمہارے باپ کے راز تمہارے سامنے آشکار کر دیے ہیں، خود کو جہنم کا ایندھن بنا رہی ہوں...... میں نے خود جب تک ان کے بارے میں جانا نہیں تھا تب تک پوجا کی طرح ان سے محبت کی، قسم کھا کر کہتی ہوں کہ خود سے بڑھ کر ان سے محبت کی، ان کی کئی غلطیوں کو معاف کرتی رہی...... جب وہ معافی مانگتے تو میں خود کو زمین میں گڑتا ہوا محسوس کرتی کہ انہیں شرمندگی ہوئی اور اب میں نے تمہارے باپ کو تم سب کی نظروں میں بے پردہ کر دیا ہے۔ مجھے ان سے محبت رہی ہے نہ دل میں ان کا احترام...... اب مجھ سے مزید برداشت نہیں ہوتا، مجھے گھن آنا شروع ہو گئی ہے یہ سوچ کر کہ میں کس طرح کے شخص کے ساتھ زندگی گزار رہی ہوں، مجھے مجبوری کیا ہے بھلا؟" میں سسک رہی تھی، دل سے ندامت محسوس کر رہی تھی۔" سوچتی ہوں کہ تم نے اچھا ہی کیا کہ اشعر کے ساتھ اپنی ساری زندگی کو سزا کی طرح نہیں گزارا، اپنے لیے جو مناسب سمجھا کیا اور جس تکلیف میں بھی ہو کم از کم اپنی نارسائی کا دکھ تو تمہیں نہیں مارتا ناں...... وہ ایک تلخ باب تھا جس کے انجام میں تم نے اپنے لیے بہترین انتخاب کر لیا، میں بھی اسے غلط سمجھتی رہی اور دنیا نے بھی غلط کہا مگر تم ہی عاقل ٹھہریں کہ تم نے اپنے لیے مناسب فیصلہ کیا۔ میں تو اتنی زنجیروں میں جکڑی ہوئی عورت ہوں کہ اس کینسر جیسے شخص کو بھی اپنی زندگی سے علیحدہ کرتے وقت سو بار سوچنا پڑا ہے......"

''آپ کو بھی کوئی مجبوری نہیں اور نہ ہی آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت ہے مما......'' اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔'' کیا ہم اتنی بے خبر ہیں کہ ہمارے بچپن سے لے کر ہماری جوانی تک اس گھر میں بھانت بھانت کی عورتوں کے ساتھ پاپا......'' اس نے مجھے کندھوں سے پکڑ لیا......'' ہم تینوں کو کچھ نہ کچھ اندازہ ہے مما، صرف صدف کو پاپا کے بارے میں کچھ علم نہیں۔''

''اسے نہ ہی معلوم ہو تو اچھا ہے......'' میں نے التجا کی۔

☆☆☆

تانیہ کی اچانک موت نے مجھے توڑ کر رکھ دیا، دانیال بھی بکھرے بکھرے سے تھے، انہوں نے تانیہ کو بیٹیوں کی طرح سمجھا تھا ہمیشہ، کبھی میرا دل چاہتا کہ انہیں سمیٹ لوں، انہوں نے مجھ سے تانیہ کی موت کا افسوس بھی کیا......

''مجھے تو آپ سے افسوس کرنا چاہیے دانیال!''

''وہ کیوں مما؟'' فاطش نے سوال کیا تھا، مجھے لگا کہ وہ کچھ الجھی الجھی سی تھی۔

''کیونکہ وہ دانیال کی پانچویں بیٹی جیسی تھی، انہوں نے اس کو بچپن سے......'' میں ہچکیوں سے رونے لگی ...فاطش میرے چہرے کو گھور رہی تھی۔

''ہاں مما...... بچپن سے!'' فاطش کہہ کر سسکنے لگی، میں نے اس کے بال سہلائے، میں جانتی تھی کہ اسے تانیہ سے اور تانیہ کو اس سے بہت پیار تھا۔ فاطش کی زندگی کے المیے نے تانیہ کو بہت پریشان کر دیا تھا، وہ کہتی تھی کہ ہمیں اس کا گھر بچانے کے لیے کاوش کرنا چاہیے تھی......اس کے بے جا لاڈ اور پیار کا ہی شاخسانہ تھا کہ میں نے فاطش کو بارہا اس کے ساتھ بدتمیزی سے بات کرتے اور جواب میں کمالِ برداشت سے تانیہ کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ تانیہ نے خودکشی سے پہلے بھی خاص طور پر فاطش کو بلایا تھا اور مجھے شک نہیں بلکہ یقین تھا کہ وہ اس کی خودکشی کے اسباب سے کچھ نہ کچھ واقف تھی مگر پرسش کے باوجود اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ میں تانیہ کے سسرال والوں پر مقدمہ کرنا چاہتی تھی مگر فاطش نے ہی مجھے منع کر دیا کہ جب ان کے سارے خاندان کو خودکشی کا علم ہوگا تو خالہ کی روح کو تکلیف ہوگی۔ وہ خبر جسے سب سے چھپایا گیا تھا اسے سب جان جاتے، اس کی مری ہوئی خالہ پر تھو تھو کرتے اور کئی قیافے اور قیاس آرائیاں کرتے۔

''اگر آپ ان کے خاندان کے جائیداد کے لالچ کی بات کرتی ہیں مما تو پھر تو مجھے خالہ کی سب سے قیمتی جائیداد ملی ہے، جو شہر میں ہے اور اس کی مالیت کئی کروڑ ہے، اتنی کہ ان لوگوں کو اتنی رقم گننا بھی نہیں آتی ہوگی......'' جب میں نے اپنے اس خدشے کا اظہار کیا کہ اس کے خاندان والوں نے جائیداد کے لالچ میں اسے خود قتل کر کے خودکشی کا ڈراما بنا دیا ہے تو اس نے کہا۔

''مجھے کچھ بتاؤ تو سہی اس کے راز کے بارے میں فاطی بیٹا!'' میں نے اصرار کیا۔

''کوئی ایسی بات نہیں ہے مما جو آپ کو بتانے والی ہوتی اور میں نے نہیں بتائی...... باقی جو اللہ نے راز میں رکھا مما...... خالہ نے مجھ سے وعدہ لیا تھا، وہ زندہ ہوتیں تو یقین کریں کہ میں ان سے پوچھ کر آپ کو بتا دیتی مگر اب اسے میں آشکار کر کے گناہ گار نہیں ہونا چاہتی، اگر اس ستار العیوب نے ان کے کئی بھید رکھ لیے تو میں کون ہوں جو ان کا ڈنکا بجاتی پھروں۔'' اس کے کہنے پر میں خوف زدہ ہو گئی، شاید...... نہیں یقیناً تانیہ کا کوئی ایسا بھید تھا جس کا تعلق اس کی خودکشی سے تھا۔''ممکن ہے کہ وہ اپنی ناپسندیدہ شادی کو نبھاتے نبھاتے کسی اور کے ساتھ......'' میں اپنی مری ہوئی بہن کے بارے میں ایسا سوچنے پر خود ہی شرمندہ تھی مگر اس سے زیادہ کوئی وجہ سمجھ میں نہ آتی تھی، سو اس کے حق میں صدقِ دل سے دعا کی۔

☆☆☆

احمد کے بتانے کے بعد میں نے دانیال پر خاص نظر رکھنا شروع کر دی تھی اور مجھے احساس ہوا کہ کہیں

جاتے ہوئے ان کی تیاری اور تیور ہی اور ہوتے تھے...... جتنے دن وہ گھر سے باہر رہتے، میں گھر میں کسی انجانی آگ میں جلتی رہتی۔ میں ان کے فون، کمپیوٹر اور کاغذات کو بھی چیک کرنے لگی، میں نے احمد کے کہنے پر داخلہ لے کر خاص طور پر کمپیوٹر کو استعمال کرنا سیکھا تاکہ جس طرح اس نے بتایا تھا میں دانیال کو چیک کرسکتی۔ دانیال کو اس بات کی بھنک بھی نہ مل سکی اور نہ ہی انہیں اندازہ ہوا کہ وہ کس طریقے سے چیک ہورہے تھے اور ان کی زندگی کی بازی مات کی طرف بڑھ رہی تھی...... اسی دوران مجھے ان کی کمپیوٹر چیٹ میں ایک ایسا چہرہ نظر آیا جسے میں نے کہیں دیکھا تھا...... کافی غوروخوض کے بعد مجھے یاد آگیا۔

''عفت کو کیسے جانتے ہیں آپ دانیال؟'' میں نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''کون عفت؟'' زمانے بھر کی معصومیت لہجے میں سموئے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

''وہی عفت...... جس کے ساتھ آپ نے چند دن مری میں گزارے تھے...... فاطش کی شادی کے بعد!'' میں نے پورے اعتماد سے کہا۔'' جسے آپ واپس آکر بھی نہیں بھولے...... فاطش کی خلع ہوجانے کے بعد بھی آپ اسے اس کے گھر جاکر ملتے رہے ہیں کیونکہ اس کا شوہر ملک سے باہر ہے اور وہ گھر میں تنہا اور اداس رہتی ہے...... وہ جسے آپ کہتے ہیں کہ دنیا کی سب سے باکمال عورت ہے۔''

''میں کسی عفت کو نہیں جانتا۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولے۔

''ہونہہ......'' میں نے طنز سے کہا۔'' آپ کہیں اور میں مان لوں...... دانیال؟ وہ عفت دراصل اشعر کی پھوپی کی نند ہے...... آپ کو علم ہونا چاہیے کہ آپ کی بیٹی کی شادی اس گھر میں، اس خاندان میں ہوئی اور پھر اس نے اتنے برے حالات دیکھے...... جس وقت میری بیٹی اپنی شادی شدہ زندگی کی بقا کی جنگ ہار کر گھر میں آئی، اس روز آپ اشعر کے خاندان کی ایک عورت کے ساتھ اپنے گھر سے دور رنگ رلیاں منا رہے تھے۔'' میں سسکی۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے جان۔'' انہوں نے ہاتھ بڑھایا جسے میں نے جھٹک دیا۔

''مت چھوئیں مجھے ان غلیظ ہاتھوں سے......''

''تم حد سے بڑھ رہی ہو حنا!'' انہوں نے الٹا مجھ پر غصہ کیا۔

''حد......؟'' میں نے گہری سانس لی۔'' حد تو تم نے کردی ہے دانیال!'' غصے کی انتہا پر پہنچ کر میرا اس شخص کی عزت کرنے کو بھی دل نہ چاہ رہا تھا۔ اس دن کے بعد سے میرے اور ان کے درمیان سے لفظ ''آپ'' کسی رسوا ہونے والے محبوب کی طرح اٹھ گیا۔

''بہت ہوچکی...... میں نے بہت برداشت کرلیا، تمہیں تو یہ شرم بھی نہیں رہی کہ تمہارے کرتوتوں کی سزا تمہاری بیٹیوں کو مل رہی ہے...... ایک کو طلاق ہوگئی ہے، ایک کا بیٹا مستقل مریض ہے اور ہر وقت اس کی جان خطرے میں رہتی ہے...... ایک کی شادی ہوئی ہے تو اولاد کا سکھ اس کے نصیب میں نہیں...... کیوں نہیں سمجھ میں آتا کہ یہ قدرت کی طرف سے سزا کے طور پر بھی ہوسکتا ہے۔''

''ہاں ہاں......'' وہ جواب میں چیخے۔'' تم یہ کیوں بھول گئی ہو کہ اس دنیا میں ہونے والی ساری جنگیں، ساری دہشت گردی، قحط، سیلاب اور زلزلے، حادثات اور اموات بھی سب میری وجہ سے آرہے ہیں۔''

''جس پر جو قیامت ٹوٹتی ہے اسے سب سے بڑی وہی لگتی ہے دانیال...... میرے لیے یہی حادثات ہیں اور یہی زلزلے جنہوں نے ہماری زندگی کو تہہ و بالا کردیا ہے۔''

''تم ضرورت سے زیادہ تصوراتی دنیا میں رہنے لگی ہو حنا!'' انہوں نے دھیما لہجہ کرکے اپنے لہجے کی تلخی کا اثر کم کرنے کی کوشش کی۔

''ساری عمر تصورات کی حسین دنیا میں رہتے گزرگئی، اب آنکھ کھلی ہے تو اندازہ ہوا کہ میں نے کس دھوکے میں رہ کر عمر بتادی۔''

''میں نے کوئی دھوکا نہیں دیا تمہیں حنا...... تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، میں اس عمر میں تمہیں کیا دھوکا دوں گا؟'' اپنی غلطی کو ماننے پر وہ تیار ہی نہ تھے میں ضبط و کرب کی کتنی ہی منزلوں سے گزر کر ان سے بات بھی کرتی، کوشش کرتی کہ ..... جب بھی موقع ملے سمجھاؤں مگر جونہی میں اس موضوع کی طرف آتی وہ پلٹا کھا کر الٹا مجھ سے الجھ پڑتے جیسے میں جھوٹی اور وہ سچے ہوں میں نے کس سراب کے پیچھے بھاگ بھاگ کر اپنا آپ گنوا دیا تھا، احساسِ زیاں جاتا ہی نہ تھا، اپنا وجود ارزاں لگنے لگا، جی چاہتا کہ وہی کروں جو تانیہ نے کیا تھا۔ اب تو اور بھی واثق یقین ہو چلا تھا کہ تانیہ نے کسی مرد کے ہاتھوں دھوکا ہی کھایا ہوگا...... مگر میرے ہاتھ میں صرف پچھتاوؤں کے مسلے ہوئے نوٹ تھے۔

کاش میں نے کرن کے ساتھ وہ سب نہ کیا ہوتا، اے کاش! مجھے کہیں کرن مل جائے تو میں اس سے معافی کی بھیک مانگوں کیونکہ مجھے یقین تھا کہ کرن کی بددعاؤں نے میری زندگی کو یوں بدنصیبی کا نمونہ بنا دیا تھا۔ اسے بتاتی کہ دانیال کو کھونا اس کی بدنصیبی نہ تھی بلکہ اس کی کوئی نیکی کام آ گئی تھی جو اسے دانیال سے نجات مل گئی تھی...... اگر اس کی بددعائیں طاقت ور تھیں تو کیا میری دعائیں اللہ تعالیٰ رد کر دیتا، میں نے باقاعدگی سے نماز پڑھ کر اس (دانیال) کے لیے ہدایت کی دعا کرنا شروع کر دی۔'' یا اسے ہدایت کا راستہ دکھا میرے مولا، یا مجھے اس سے نجات دلا!''

اُس کا میری زندگی میں ہونا میرے لیے اتنا کرب ناک تھا کہ میں اٹھتے بیٹھتے اسے ان لڑکیوں اور عورتوں کے ناموں کے طعنے دینے لگی جن سے اس کا واسطہ رہ چکا تھا یا اس وقت تھا۔

وہ بھی مجھے الجھ کر دیکھتا، میری باتیں سن کر حیرانی سے ٹکر ٹکر مجھے گھورتا مگر اسے کہاں سمجھ تھی کہ میں یہ سب کیوں کر جان لیتی تھی۔ اپنا فون بھی وہ ہر وقت اپنے پاس رکھتا، اپنا کمپیوٹر، لیپ ٹاپ اس نے مستقل دفتر ساتھ لے جانا شروع کر دیا مگر اسے غالباً علم نہ تھا کہ ''ہیکنگ'' کے لیے مجھے اس کے کمپیوٹر یا لیپ ٹاپ کی ضرورت بھی نہ تھی، اس کی سوچ یہیں تک محدود تھی جو وہ ہر بات کے جواب میں کہتا ''جانے کون تمہارے کان بھرتا رہتا ہے...... جانے کسے تم نے میری جاسوسی پر لگا رکھا ہے جو تمہیں الا بلا بتاتا رہتا ہے۔'' اس سے آگے اس کی سوچ نہ جاتی۔

☆☆☆

صدف کی شادی میرا آخری فرض تھا جسے میں نے نبھانا تھا اور اس کے بعد میں اپنے لیے فیصلہ کرنے کو آزاد ہوتی، مجھے ایسے بدکردار شخص کے ساتھ رہنے کی کوئی مجبوری نہ تھی، مجھے دنیا کی پروا بھی نہ رہی تھی، دنیا کا کیا ہے، لوگوں کے منہ بند رکھنے کو ہم کتنا کچھ کرتے ہیں مگر پھر بھی وہ کسی نہ کسی بات پر کھلے رہتے ہیں۔ صدف کی شادی سے پہلے میں نے احمد سے وعدہ لیا تھا کہ وہ صدف کو کچھ نہیں بتائے گا کیونکہ وہ اپنے باپ کو بہت چاہتی تھی اور میں نہیں چاہتی تھی کہ اس کا دل یہ سب جان کر دکھی ہو، وہ بہت حساس تھی اور باپ کی ذرا سی تکلیف یا بیماری پر تڑپ اٹھتی تھی۔

کبھی میں نے بھی اس شخص کو ..... یونہی چاہا تھا، اس کی خوشی اور ناخوشی کا خیال رکھا تھا، اس کی کسی امانت میں خیانت نہ کی تھی تو پھر وہ ایسا کیوں کر رہا تھا؟ کیا کمی واقع ہو گئی تھی مجھ میں، میرے پیار میں، میری وفاداری میں؟ عمر بھر تو بیویاں شوہروں کی دلداری میں نہیں رہ سکتیں، ان کے کاندھوں پر وقت کے ساتھ ساتھ کئی مصروفیات پڑ جاتی ہیں جن کا بار وہ تنہا اٹھاتی ہیں اور شوہر بجائے ان کا ساتھ دینے کے، کیا اپنے لیے نئی دلداریاں ڈھونڈ لیں......؟ ان کی محبت کا صلہ انہیں بے وفائی کی صورت میں دیں؟

میں نے سال بھر اسے طعنے دے دے کر اور جتلا جتلا کر بھی دیکھ لیا مگر اس کے اس گھٹیا معمول میں کوئی فرق نہ آیا، میں نے کافی سوچ سمجھ کر اس سے حتمی بات کرنے کا فیصلہ کیا، مجھے اب اس کی زندگی میں نہ رہنا تھا اور اس کے لیے اسے یہ گھر چھوڑنا پڑتا کیونکہ یہ

گھر میرا تھا، وہ نہ صرف گھر سے نکلتا بلکہ میری زندگی سے بھی نکل جاتا اور آزاد ہوتا کہ جہاں چاہے اور جیسے چاہے جھک مارے، جب اسے ہی احساسِ عذاب و سزا نہ رہا تھا تو میرا کیا بگڑتا تھا، اسے نہ دنیا میں بدنامی کا ڈر رہا تھا نہ آخرت میں عذاب کا...... جتنے دھڑلے سے وہ شہر شہر میں عورتوں سے تعلقات رکھے ہوئے تھا اور ان سے ملتا تھا، مجھے سوچ کر حیرت ہوتی کہ وہ اب تک کسی کے ہاتھوں پکڑا کیوں نہ گیا تھا۔

میں نے بہت سوچ سمجھ کر خلع کا فیصلہ کیا تھا، اس عمر میں اور شادی شدہ بیٹیوں کے ساتھ مجھے طلاق ملتی تو میں لوگوں کے منہ نہ روک سکتی، لوگ مجھ پر شک کرتے اس لیے میں نے خلع لینے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اپنی ساری بیٹیوں کو بتا دیا کہ میں نے کیا فیصلہ کیا تھا۔ رانیہ کو میں نے پیغام بھیجا، فاطش اور نیلم سے رو برو بات کی اور صدف کو اسکائپ پر...... کئی دن تک میں ان سب کی طرف سے ردِعمل کا انتظار کرتی رہی، فاطش تو گھر میں تھی اس لیے اس نے اگلے ہی روز مجھ سے بات کی اور کہا کہ وہ میرے ہر فیصلے میں میرے ساتھ ہے اور تائید کرے گی۔ صدف کی طرف سے مجھے توقع تھی کہ وہ چیخے گی، چلائے گی، وضاحتیں مانگے گی مگر اس کی طرف سے ایسا کچھ نہ ہوا، الٹا احمد نے مجھے بتایا کہ وہ شاک میں چلی گئی تھی۔

''آپ نے اسے کیا کہا ممانی جان؟'' احمد نے مجھ سے فون پر پوچھا۔

''وہ ہے کہاں؟'' میں نے بے تابی سے پوچھا۔

''میری اس سے بات کروا دو بیٹا!''

''اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے ممانی جان اور وہ اسپتال میں ہے۔ اسپتال کے اندر فون کی سروس نہیں ہے، گھر پر جائیں گے تو اس سے بات کروا دوں گا۔''

''اسے فوراً بھجواؤ پاکستان بیٹا، ورنہ اس کی طبیعت زیادہ خراب ہو جائے گی۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔

''آپ نے اسے کیا بتایا ہے ممانی جان؟'' اس نے سوال دُہرایا۔

''میں نے اسے بھی بتایا ہے اور باقی سب بیٹیوں کو بھی کہ میں نے دانیال سے خلع لینے کا فیصلہ کیا ہے......'' میں نے تھوک نگل کر یہ مشکل فقرہ ادا کیا۔

احمد بھی اس بات پر ساکت رہ گیا، کافی دیر تک کوئی آواز نہ آئی۔ ''ہیلو!'' میں نے تصدیق کی کہ وہ فون کے دوسری طرف موجود تھا۔

''بہت برا ہوگا یہ تو......'' اس نے ہولے سے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ ماموں وعدہ کرنے کے باوجود اپنا وہی معمول جاری رکھے ہوئے ہیں؟''

''ہوں!'' میں نے فقط ہوں پر اکتفا کیا۔

''کیا آپ نے صدف کو بتایا ہے کہ آپ کس وجہ سے خلع لے رہی ہیں ماموں سے؟''

''نہیں......اس کا موقع ہی نہیں ملا بیٹا!''

''فقط یہ کہہ دینا کہ آپ ماموں سے خلع حاصل کرنا چاہتی ہیں، کافی نہیں ممانی جان، آپ کو وجہ بتانی چاہیے تھی صدف کو تاکہ اسے اندازہ ہوتا کہ آپ کا فیصلہ درست ہے اور وہ شاک میں نہ جاتی۔''

''میں کس طرح اسے یہ سب بتاتی بیٹا......'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''وہ اپنے باپ کی دیوانی ہے، اس کے سامنے اپنے باپ کا بت پاش پاش ہوا تو وہ دنیا کے ہر مرد سے متنفر ہو جائے گی۔''

''میں کوشش کرتا ہوں صدف کو بھیجنے کی، ہو سکا تو خود بھی ساتھ آؤں گا۔'' اس نے جانے کس کیفیت میں فون بند کیا کہ خدا حافظ بھی نہ کہا، میں فون بند کر کے سسک پڑی، مجھے یوں لگا کہ میں کسی بازار میں ننگے سر کھڑی ہوں۔ میرے ذاتی بھید میری اپنی بیٹیوں پر اور پھر دامادوں پر آشکار ہونے والے تھے۔

☆☆☆

تانیہ کی موت نے مجھے توڑ دیا تھا تو فاطش کی حالت اس سے بھی ابتر تھی، میں نے ان دنوں اسے اتنا پریشان دیکھا تھا کہ شاید اس سے قبل کبھی نہیں۔ وہ گم صم پہروں کمرے میں پڑی رہتی، کالج سے لوٹتی تو اس کے

بعد کمرے سے نہ نکلتی۔ صدف کے ساتھ وہ کچھ بہل گئی اور پھر میں نے نیلم سے بات کی تو اس نے وعدہ کیا کہ وہ کچھ کرے گی تا کہ فاطش کو اس شاک سے نکالا جا سکے...... ''فاطش کی شادی کرنا اہم ہے بیٹا!''

''شادی کے لیے اس سے بات کرنے سے پہلے اہم یہ ہے کہ وہ اس کیفیت سے نکلے مما جو خالہ کی موت سے اس پر طاری ہوگئی ہے، مجھے لگتا ہے کہ وہ ڈیپریشن میں چلی گئی ہے۔''

''ایسا کیوں ہوا بیٹا......؟''

''اسے عدم تحفظ کا احساس ہونے لگا ہے مما، نہ صرف خالہ کی موت بلکہ آپ کے حالیہ فیصلے نے بھی اس پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں، اسے خوف پڑ جائے گا کہ دنیا کے سارے مرد ایسے ہی ہوتے ہیں۔''

''تم کہنا چاہتی ہو بیٹا کہ اس کی اس ذہنی کیفیت کی وجہ میں ہوں؟'' میں نے دکھ سے سوال کیا۔

''میں نے یہ قطعی نہیں کہا مما......'' اس نے فوراً کہا۔ '' لیکن کہنا چاہتی ہوں کہ آپ کا یہ فیصلہ اپنی جگہ درست سہی مگر آپ اپنی بیٹیوں کے ذہنوں اور ان کی زندگیوں پر اس کے اثرات کو وقوع پذیر ہونے سے نہیں روک سکتیں۔'' اس کے کہنے کا مطلب تو یہی تھا کہ مجھے اس بڑے فیصلے پر عمل کرنے سے پہلے اپنی بیٹیوں کے بارے میں سوچنا چاہیے تھا۔ ان کے گھروں کے حالات کو مدِنظر رکھنا چاہیے تھا، دنیا میں کسی اور کی نہیں مگر اپنی بیٹیوں کی پروا کرنا چاہیے تھی۔ میں خاموش ہوگئی...... ''مما آپ یہ نہ سوچیں کہ میں آپ کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر رہی ہوں، ہم سب اپنے اپنے گھروں میں مطمئن اور خوش ہیں...... مگر...... ایسا ہوا تو......'' وہ رکی۔ '' دیکھیں ناں، جیسے مجھے عمر کو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ تو بتانا ہوگی اسی طرح صدف اور رانیہ آپی کو بھی اپنے شوہروں کو کچھ نہ کچھ بتانا ہوگا ناں؟'' اس نے نظر چرا کر کہا۔

''ہونہہ......'' میں نے گہری سانس لی تھی، میں اسے بتانا نہیں چاہتی تھی کہ صدف کے شوہر احمد کو نہ

صرف علم ہے بلکہ اسی نے تو مجھے اس سارے خطرے سے آگاہ کیا تھا بہت عرصہ پہلے۔

ایسا نہیں تھا کہ میں نے اس فیصلے تک پہنچنے سے پہلے اس کے تمام پہلوؤں پر غور نہیں کیا تھا مگر نیلم کی بات کے جواب میں خاموشی اس لیے اختیار کی تھی کہ میں اسے واضح الفاظ میں یہ نہ کہہ سکتی تھی کہ اب مجھے کسی کی پروا نہ رہی تھی نہ ہی میں اپنی بیٹیوں کو اعتماد میں لیے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کر سکتی تھی......

☆☆☆

نیلم کا پیغام آیا تھا کہ اسے فاطش کو خریداری کے لیے ساتھ لے کر جانا تھا۔ ان دنوں نیلم دن رات گھن چکر بنی ہوئی تھی اس کے شوہر کی پہلی بیوی سے بیٹی بیلی کی شادی طے ہو گئی تھی۔

''مگر تمہیں تو علم ہے نیلم کہ وہ کتنی چور ہے خریداری کی، جان جاتی ہے اس کی بازار کا نام سن کر۔'' میں نے اس سے کہا، جانتی تھی کہ فاطش کو خریداری کا کبھی شوق نہ رہا تھا، وہ اس معاملے میں چور تھی، اس کا بس نہ چلتا تھا کہ کوئی اس کے لیے سب کچھ خرید کر لے آئے، اسے گھر بیٹھے ضرورت کی ہر چیز مل جائے۔

''میں تو پہلے ہی آپ سے اجازت لینے والی تھی مما کہ اسے میرے حوالے کر دیں چند دن کے لیے......'' نیلم نے کہا تھا۔'' اسے کہیں کہ میں اس کی منت کرتی ہوں کہ میرے ساتھ چلے، مما مجھے اپنے لیے خریداری کرنا ہے، کم از کم مجھے مشورہ تو دے دے گی، بہن ہے وہ میری......''

''صدف کو لے جاؤ بیٹا، وہ بھی ذرا بہل جائے گی۔'' میں نے تجویز پیش کی۔

''نہیں مما......'' اس نے فوراً کہا۔'' صدف کا انتخاب بہت مختلف ہوتا ہے اور پھر اس کے ساتھ احمد ہے، اس کی اپنی سسرال کی کوئی نہ کوئی مصروفیت بھی ہو گی۔'' اس کے پاس جواب موجود تھا سو میں نے اس سے وعدہ کر لیا کہ میں فاطش کو منا لوں گی۔

''کسی وقت آؤں گی آپ کی طرف، آپ سے ایک اور اہم بات بھی کرنی ہے۔'' اس نے کہا۔

''کون سی اہم بات بیٹا؟'' میں نے فوراً پوچھا تھا۔

''وقت آنے پر بتاؤں گی۔'' اس کے اتنا کہہ کر فون بند کر دینے سے میں قیافوں میں الجھ گئی، ممکن ہے کہ اس نے عمر سے میرے بارے میں بات کی ہو اور اس کا ردِعمل مجھے بتانا چاہتی ہو، ان دنوں میری سوچ اس سے آگے بڑھتی ہی نہ تھی۔ جلد ہی بلی تھیلے سے باہر آ گئی اور اس نے مجھے بتایا کہ اس کی نند ناہید کا دیور سجاد...... فاطش سے شادی کا خواہاں تھا۔ نیلم کی طرف سے آنے والے رشتے نے میرے اندر امید کی ایک نئی رمق جگا دی تھی، میں جی جان سے فاطش کو اس پر منانے میں جُت گئی۔

''پہلے آپ اس سے مل لیں ایک بار مما!''

''میں خود بھی یہی سوچ رہی تھی بیٹا...مگر صرف اس صورت میں اگر تمہارا دل مانتا ہو، خواہ مخواہ... میں اس سے کیا ملوں گی۔''

''میرے اپنے خدشات ہیں مما مگر میں چاہتی ہوں کہ ایک ماں کی حیثیت سے آپ اسے جانچیں، میں اب کے کوئی غلطی نہیں کرنا چاہتی، جانے کیسے کیسے سوالات ذہن میں اٹھتے ہیں مگر مجھے علم ہے کہ میں ان سے پوچھ نہ پاؤں گی مگر آپ ان سے بات کریں گی تو کھل کر ساری وضاحتیں بھی کریں اور یقین دہانی بھی کہ میں دوبارہ دھوکا نہیں کھانا چاہتی۔'' وہ آنسوؤں بھری آنکھوں سے کہہ رہی تھی جس سے مجھے یہ اندازہ کرنے میں دشواری نہ ہوئی کہ اسے سجاد سے شادی پر کوئی اعتراض نہ ہو گا اگر میں اس کے کہنے کے مطابق اس سے مل کر کچھ باتوں کی وضاحت کر دوں۔ میں نے نیلم سے کہا کہ جب سہولت ہو تو سجاد سے کہے کہ وہ آ کر مجھ سے مل لے، مجھے اس معاملے میں دانیال سے مشورہ لینے کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوئی تھی اور نہ ہی میرے اور اس کے درمیان تعلق کی وہ نوعیت رہ گئی تھی کہ مجھے اس حوالے سے کوئی پروا ہوتی۔

☆☆☆

''اگرچہ تم عمر میں مجھ سے اتنے چھوٹے نہیں ہو مگر اس کے سوا کوئی اور طرزِ تخاطب سوجھا نہیں بیٹا کہ تم نیلم کے تعلق کے حوالے سے بھی آتے تو میں بیٹا کہہ کر ہی بات کرتی......''

''ذرہ نوازی ہے آنٹی آپ کی۔'' اس نے احترام سے کہا۔

''میں بات کو گھما پھرا کر کروں گی اور نہ ہی طوالت اختیار کروں گی، پوچھنا چاہتی ہوں کہ فاطش کے ساتھ شادی کرنے میں کون سا جذبہ کارفرما ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ میں اسے محبت ہی کہوں گا۔'' اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

''کسی کو جانے بغیر محبت کیسے ہو سکتی ہے، تم تو اس سے ملے بھی نہیں تھے جب تم نے نیلم سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا؟'' میں نے سوال کیا۔

''نہ میں ایک نوجوان ہوں اور نہ ہی فاطش ایک کم سن لڑکی آنٹی۔ یقین کریں کہ میں نے اسے آپ کے گھر میں پہلی بار دیکھا تو وہ مجھے اچھی لگی تھی، جانتا بھی نہ تھا کہ اس کا نام فاطش ہے، اس کی شادی بھی ہوئی تھی اور اس کا ایک بیٹا بھی ہے......''

''تو یہ سب جان کر بھی تمہارے جذبات وہی کیونکر رہے؟'' میں نے اگلا سوال کیا۔

''آنٹی میں خود بھی اسی طرح کے حالات کا شکار رہا ہوں، میری امی تو اب بھی کنواری لڑکیوں کے رشتے ڈھونڈتی پھرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ بیٹیوں کے والدین اتنے مجبور ہوتے ہیں کہ انہیں جیسا تیسا بھی رشتہ ملے کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، میں نے ہی مان کر نہیں دیا میں سمجھتا تھا کہ یہ مناسب جوڑ نہ ہوگا، میں کنواری اور کم سن لڑکیوں کے ساتھ خود کو کبھی سیٹ نہ کر پاتا......'' وہ رکا۔ ''فاطش مجھے دیکھنے میں اچھی لگی، پھر اس کے حالات جانے تو مجھے یہ جوڑ بالکل مناسب لگا، ممکن ہے کہ ہماری عمروں میں تفاوت پر آپ کو یا انکل کو اعتراض ہو۔ مگر امید اس لیے بندھ گئی کہ آپ نے اپنی ایک کنواری بیٹی کی شادی اس سے عمر میں کافی

باتیں جو مہکائیں

☆ سوچ گہری ہو جائے تو کیے جانے والے فیصلے کمزور پڑ جاتے ہیں۔

☆ برائی کرنے والے سے نہیں بلکہ برائی سے نفرت کرو۔

☆ رونے سے زندگی نہیں گزرتی بلکہ لگ جاتی ہے۔

☆ اتنا اونچا نہ اڑو کہ تمہیں سورج کی کرنیں پگھلا دیں۔

☆ جس محبت پر آپ فخر نہ کر سکیں وہ صرف موت ہے۔

☆ دعا میں بڑی طاقت ہے، جب تک سینے میں ایمان ہے دعا پر یقین رہتا ہے۔

مرسلہ: عنبر وسیم، گوجرانوالہ

بڑے شخص کے ساتھ کی، بلکہ اس کے تو پہلی بیوی سے چار بچے بھی تھے۔''

''وہ تو ایک مجبوری بن گئی تھی مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ اپنے گھر میں بہت خوش ہے......''

''نیلم بھابی کو دیکھ کر ہی لگتا ہے کہ وہ ایک سمجھ دار ماں کی بیٹی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ فاطش بھی ایسی ہی ہوگی، بدقسمت تھا وہ شخص جو اس کی قدر نہ کر سکا ہو۔'' اس نے پورے خلوص سے کہا تھا۔

''جن لڑکیوں کی دوسری شادی ہوتی ہے...... ان کے شوہر انہیں عموماً پہلی شادی کے حوالے سے کچھ نہ کچھ کہتے ہیں، اگر ایسی کوئی صورتِ حال ہوئی تو؟''

''آج میں نے پہلی اور آخری بار فاطش کی پہلی شادی کا حوالہ دیا ہے آنٹی، میرا وعدہ ہے آپ سے کہ اس کے بعد یہ بھی نہیں کہوں گا کہ بدقسمت تھا وہ شخص!'' اس نے کہا۔ ''میں خود بھی شادی شدہ رہ چکا ہوں اور ایک بیٹی کا باپ ہوں، میں سمجھ سکتا ہوں کہ جب زخموں پر کھرنڈ آ جائے تو انہیں چھیلنا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میری

طرف سے ماضی کی کوئی بات نہیں ہوگی۔ میں آپ کی بیٹی کو خوش رکھوں گا، میرے پاس اپنا ذاتی گھر ہے، میرا کاروبار بھی اچھا ہے اور میں کوشش کروں گا کہ آپ کی بیٹی کی ہر خواہش پوری کروں، جیسا وہ رہنا چاہے اسے ویسا رکھوں، آپ بے شک امریکا آ کر میری ان سب باتوں کی تصدیق کر لیں۔''

''زندگی میں ایک مرد کے ہاتھوں دھوکا کھانے والی عورت...... دودھ کے جلے جیسی ہو جاتی ہے بیٹا، اسے دوسرے مرد پر اعتبار بڑی مشکل سے آتا ہے، میری بیٹی بڑی برداشت والی ہے مگر شادی شدہ زندگیوں میں ایسے اتار چڑھاؤ آتے ہیں کہ اچھے اچھوں کے قدم لرز جاتے ہیں......''

''میں سمجھتا ہوں ان باتوں کو آنٹی، میں نے اپنی بیٹی کی خاطر بہت مصالحت کی کوشش بھی کی تھی مگر میری بیوی...... اسے میرا اور میرے خاندان کا کچھ بھی پسند نہ تھا، مرد کی برداشت کی بھی حد ہوتی ہے، میں اس حد سے بڑھ کر اسے برداشت کرتا رہا مگر وہ کسی بات پر مطمئن نہ ہوتی اور پھر وہ خود ہی گھر چھوڑ کر چلی گئی...... اس نے عدالت میں خلع کا کیس کر دیا تو میں نے اسے طلاق دے دی۔'' وہ رکا، گہری سانس لی۔'' میں یہ تمام باتیں فاطش کے سامنے قطعی نہیں دُہرانا چاہتا، بس چاہتا ہوں کہ میری ہونے والی بیوی یہ سمجھتی ہو کہ شادی دو افراد کے تعلق کا نام نہیں ہے۔ اگرچہ میرے خاندان کی طرف سے نہ کوئی بوجھ ہوگا نہ دباؤ، مگر بیوی کی طرف سے یہ مطالبہ کہ اس سے تعلق قائم ہو تو باقی سب سے قطع تعلق کر لیا جائے...... یہ تو ٹھیک نہیں ہے ناں آنٹی!''

''ہوں......'' میں نے سوچ کر کہا۔'' ظاہر ہے کہ کوئی بھی فرد شادی اس لیے نہیں کرتا کہ وہ باقی خاندان سے کٹ جائے، میری کسی بیٹی میں ایسا وصف نہیں ہے بیٹا!''

''باقی جس طرح آپ مناسب سمجھیں، اگر آپ، انکل اور فاطش مجھے اس قابل سمجھیں تو مجھے خوشی ہوگی، میری ایک بہت بڑی خواہش کی تکمیل ہوگی...... اسود فاطش کا حصہ ہے اور اس حوالے سے مجھے اس کے فاطش کے ساتھ ہونے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا...... میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں اسے اس کے سگے باپ سے بڑھ کر چاہوں گا، مگر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس کا بہترین دوست ثابت ہوں گا۔'' اس نے وعدہ کیا، اسے تو علم بھی نہ تھا مگر ساتھ کے کمرے میں بیٹھی فاطش ہم دونوں کے بیچ ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن رہی تھی...... ''آپ کو کسی بات پر ذرا سا بھی شک ہو تو آپ اپنے طور پر جانچ پڑتال کروا لیں، میں چاہتا تھا کہ اسی دفعہ کچھ طے ہو جاتا تو میں...... میرا مطلب ہے کہ اگر آپ میرا رشتہ قبول کر لیں تو میں سادگی سے نکاح کر کے فاطش کے ویزے کے لیے اپلائی کر دوں اور جب اس کا ویزا آ جائے تو میں اسے لینے آ جاؤں اور اگر آپ چاہیں تو اپنی تسلی کر لیں، جب آپ مطمئن ہوں تو میں پھر بھی آ سکتا ہوں۔'' اس نے اپنا مدعا ڈرے ڈرے انداز میں بیان کیا تو میں خود کو مسکرانے سے نہ روک سکی۔

''میں فاطش کے پاپا سے بات کر کے تمہیں بتاؤں گی بیٹا!''

''آپ پہلے فاطش سے بات کر لیں آنٹی، اس کی رائے اور اس کا فیصلہ سب سے اہم ہے میرے لیے۔''

''فاطش کی رائے بھی کے لیے سب سے اہم ہے بیٹا، اس لیے کہ اب وہ ایک کم عمر اور نادان لڑکی نہیں ہے جو کسی کی باتوں میں آ جائے، وقت اور حالات نے اسے بہت کچھ سکھایا ہے اور اب وہ یقیناً اپنے لیے بہتر فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں ہے۔''

''میں آپ کے جواب کا انتظار کروں گا آنٹی!'' اس نے انتہائی احترام سے میرے سامنے سر جھکایا، میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔'' بہت شکریہ اس عزت افزائی کا...... آپ نے اپنا دستِ شفقت میرے سر پر رکھا ہے تو اسے رکھا رہنے دیجیے گا۔'' وہ سلام کر کے چلا گیا اور دو منٹ کے بعد میں فاطش کے

پاس تھی۔

''باتوں کا استاد ہے مما!'' اس نے ہنس کر کہا، اس کی ایسی ہنسی میں نے سالوں سے نہ سنی تھی۔

''چلو اچھا ہے، تمہیں بور نہیں ہونے دے گا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''مجھے کیوں؟'' اس نے مصنوعی ناراضی سے پوچھا۔

''کیونکہ اب باقی زندگی تم نے اسی کی باتیں تو سننا ہیں۔'' میں نے اس کی لال ہوتی ہوئی ناک کو چھوا۔

''یہ کس نے کہہ دیا؟'' اس کی آنکھوں میں ہنسی سے آنسو آگئے تھے۔

''تمہاری آنکھوں کی نمی نے...... تمہارے ہونٹوں کی ہنسی نے......''

''آپ کو تو شاعرہ ہونا چاہیے تھا مما!'' وہ اپنے چہرے پر بکھرنے والے رنگ چھپانے کے لیے مجھ سے لپٹ گئی، میں نے اسے اپنی باہوں میں سمیٹ لیا، اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر اسے خوش رہنے کی دعا دی، نیلم کو کال کر کے بتانا بھی تھا اور اس سے یہ...... بھی کہنا تھا کہ وہ اور عمر دانیال سے خود ہی بات کرلیں اور انہیں بتا بھی دیں کہ فاطش کو بھی اس پر اعتراض نہ تھا، جب یہ شادی کرنا ہی تھی تو اس میں مزید دیر کا کیا جواز۔

☆☆☆

سب سے بڑھ کر حیرت تو مجھے یہ تھی کہ رانیہ کی طرف سے مجھے کسی قسم کے ردِعمل کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا، یا تو اسے موقع نہ مل رہا تھا یا پھر وہ اپنی زندگی میں مصروف اتنی تھی کہ اس طرف اس کا دھیان نہ تھا، مگر یہ کوئی ایسی معمولی اور چھوٹی بات تو نہ تھی۔ میرا دھیان مصطفیٰ کی طرف چلا گیا، اللہ کرے کہ وہ خیریت سے ہو۔ میں نے اس پیغام کے بعد خیر خیریت کا کوئی پیغام بھی کئی دن تک نہ بھیجا تھا اور چند دن کے بعد جب میں نے پیغام بھیجا تو اس کا جواب اتنے نارمل انداز میں دیا تھا اس نے کہ میں حیران رہ گئی۔

جانتی تھی کہ وہ پردیس میں ہے مگر یہ بھی علم تھا کہ وہ میری بہت بہادر بیٹی تھی اور چھوٹی چھوٹی بات پر دل نہ چھوڑ دیتی تھی جیسے کہ صدف...... بیٹے کی طرف سے بھی اسے پریشانی رہتی تھی اور اپنی ملازمت میں مصروف بھی رہتی تھی، سسرال کے بھرے پُرے خاندان کی ذمے داریاں بھی تھیں۔ عابد بیٹا اس کے ساتھ بہت اچھا تھا اور اپنی ماں جیسی عزت مجھے بھی دیتا تھا، مجھے امید تھی کہ وہ میری بات کو آسانی سے سمجھ لے گا، ممکن ہے کہ رانیہ نے اپنے طریقے سے اسے سمجھا بھی دیا ہو۔ میں رانیہ کے بارے میں سوچ سوچ کر متفکر تھی اور وہ اس روز یوں اچانک پہنچ گئی مصطفیٰ کے ہمراہ، عین اس وقت جب ہمارے گھر کی فضا ایک فائر کی آواز سے گونج اٹھی تھی! صدف، فاطش اور رانیہ چیختی ہوئی باپ کی اسٹڈی کی طرف بھاگیں جبکہ میں نے ملازمہ کوثر سے مصطفیٰ کا خیال رکھنے کو کہا جسے اس کی ماں چھوڑ کر بھاگی تھی تو وہ منہ بسور رہا تھا۔ میں بیٹیوں کے تعاقب میں بھاگی تو میرے قدم کئی کئی من کے ہو

رہے تھے، جانے میری آنکھ کیا منظر دیکھنے جا رہی تھی۔

☆☆☆

اسٹڈی روم میں...... ہر طرف لہو کے چھینٹے دیکھ کر میں ہی مر گئی تھی۔ دانیال نے خودکشی کر لی تھی، یہ سوچ کر ہی میرے بدن سے جان نکل گئی، میں نے یہ تو ضرور چاہا تھا کہ اسے اس دنیا میں بھی عبرت ہو اور یہ بھی سوچا تھا کہ اس سے خلع لینے کے بعد اس کا مکروہ چہرہ ساری دنیا کے سامنے لاؤں گی مگر اس وقت اپنے ہی لہو پر گرے ہوئے دانیال کو دیکھ کر میں سکتے میں چلی گئی، کوئی آواز نکلی نہ آنسو...... فاطش چیخ رہی تھی، رانیہ...... جو ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے پہنچی ہی تھی اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ صدف اپنے بال نوچ رہی تھی۔ میری بیٹیوں کے چہرے آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے، احمد نظر آیا تھا پھر ایمبولینس کے سائرن کی آواز...... ہر طرف بھگدڑ مچی تھی، سب بھاگ رہے تھے۔

میں وہیں قالین پر ڈھے گئی تھی۔ میری انگلیوں کو قالین نم محسوس ہوا، میں نے ہاتھ اٹھا کر اپنی آنکھوں کے سامنے کیا، لال لال لہو...... کمرے سے باقی لوگ فوراً غائب ہو گئے تھے۔ کمرا خالی ہو گیا تھا۔ میں مرے مرے قدموں سے وہاں سے نکلی، نیچے آئی جہاں اکیلا مصطفیٰ، کوثر کے ہاتھوں سے نکل رہا تھا ساتھ بھاں بھاں کر کے رو رہا تھا۔ میں نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا کیونکہ اس کے لیے رونا ٹھیک نہ تھا۔ ملازمہ سے کہا کہ اس کے لیے پانی لے کر آئے اور اسود کو بھی دیکھے، میری گود میں آ کر مصطفیٰ چپ ہو گیا تھا۔ میرے آنسو زار و قطار بہنے لگے، وہ لوگ مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ”صاحب کیا کر رہے تھے کمرے میں جب تم انہیں رانیہ کا بتانے کے لیے گئی تھیں؟“

”وہ اپنا پستول الماری سے نکال کر مڑے ہی تھے، میں نے سوچا کہ آپ کو بتاتی ہوں مگر اس سے پہلے ہی......“ کوثر نے ہکلا ہکلا کر بات پوری کی۔

”دانیال ہمیشہ اپنا پستول خود ہی نکال کر باقاعدگی سے صاف کرتے ہیں اور اس میں کبھی گولی بھی نہیں ہوتی۔“ میں بڑبڑا رہی تھی، شاید میں ملازمہ کے ذہن میں آنے والے اندیشوں کو مٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ”جانے کس طرح اس میں گولی رہ گئی جو صاف کرتے ہوئے چل گئی؟“ میں نے اس کے چہرے کو دیکھا جہاں بے یقینی کا لیپ تھا...... ”سب لوگ چلے گئے، میرا کسی نے انتظار بھی نہیں کیا؟“ میں دیوانوں کی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

”وہ جی، خون بہت بہہ رہا تھا اور پھر گاڑی میں چاروں بیٹھ کر ایمبولینس کے پیچھے پیچھے چلے گئے۔“ اس نے بتایا۔ ”آپ ڈرائیور کے ساتھ چلی جائیں، میں بچوں کو سنبھال لیتی ہوں۔“ اس نے سوتے ہوئے مصطفیٰ کو میرے پاس سے اٹھایا اور اسود کے پاس لے گئی، میں نے اپنا کمرا لاک کیا، بیگ اٹھایا اور ڈرائیور کے ساتھ نکلی، فون کر کے احمد سے پوچھ کر ڈرائیور کو بتایا کہ وہ کس اسپتال میں تھے۔ احمد سے پوچھنے کی ہمت ہی نہ ہوئی کہ دانیال......؟

☆☆☆

خودکشی کے لیے فائر تو دانیال نے خود پر کیا مگر اس سے مر گئی حنا...... اس کی بیوی مر گئی، اسپتال کے ٹھنڈے کاریڈورز میں احمد کے ساتھ بات چیت میں، میں نے جانا کہ اس نے خود کو نہیں بلکہ ہم سب کو ایسی موت مارنے کی کوشش کی تھی کہ ہم زندہ نظر آتے مگر زندہ نہ ہوتے...... فائر کرتے وقت اس کا ہاتھ کانپا تھا جس سے اس کی جان تو بچ گئی مگر سر کے بائیں طرف لگنے والی گولی سے اس کا کافی خون ضائع ہو گیا تھا......

”ممانی جان! نہ صرف ڈاکٹروں کو بلکہ سب کو علم ہونا چاہیے کہ وہ اپنا پستول حسبِ معمول صاف کر رہے تھے۔“ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

”میں نے تمہارے کہنے سے پہلے ہی ملازمہ سے بھی یہی کہا تھا۔“

”میں نے صدف، فاطش اور رانیہ آپی کو بھی سمجھا دیا ہے...... کوئی بھی پوچھے ممانی جان!“ اس نے

زور دے کر کہا۔ ''کوئی بھی...... اسے بھنک نہیں لگنی چاہیے کہ آپ کے اور ماموں کے بیچ کیا چل رہا تھا، میری امی کو بھی نہیں...... یہ بات آپ کی بیٹیوں کے علاوہ صرف میں جانتا ہوں اور اس کا دائرہ یہیں بند کر دیں ممانی جان!''

''ہوں......'' میں نے گہری سانس لی، میری آنکھوں میں جلن ہورہی تھی مگر ایک بھی آنسو نہ بہہ رہا تھا۔

''آپ پریشان نہ ہوں، ان کی حالت اب خطرے سے باہر ہے......'' اس نے میرا کاندھا تھپکا۔ ''میں آپ کا بیٹا ہوں اور آپ کسی بات کی پروا نہ کریں، میں خود ہی آپ کو گھر چھوڑ کر آیا تھا، مجھے ڈر تھا کہ ماموں کو کچھ ہوگیا تو آپ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکیں گی۔ صدف کی بھی حالت غیر ہے...... میں جانتا ہوں کہ آپ نے ماموں کو پورے خلوص سے چاہا ہے اور ان کی وفادار رہی ہیں، اگر ہم خودکشی کی کوشش کا کہیں گے تو ہر سننے والے کے ذہن میں سوال اٹھے گا، لوگ جانے کیا کیا قیافے لگائیں گے، اس لیے ضروری ہے کہ سب کا بیان ایک ہو۔'' میں نے اس کے ساتھ خود کو اتنا محفوظ محسوس کیا کہ واقعی میرا اپنا بیٹا ہوتا تو ایسا ہی ہوتا۔ ساری بہنیں وہیں انتظار گاہ میں آ گئیں...... نیلم بھی پہنچ گئی تھی، اس کا رنگ پیلا پھٹک ہو رہا تھا...... عمر دانیال کے لیے خون دینے گیا تھا۔

''تم نے کچھ کھایا پیا ہے نیلم؟'' میں نے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔ ''کیسی پیلی ہورہی ہو؟''

''مما......'' وہ مجھ سے لپٹ کر رونے لگی۔ ''میرے پاپا ٹھیک تو ہیں ناں؟'' اس نے ابھی تک دانیال کو دیکھا نہ تھا اس لیے فکرمند تھی۔ ''آپ ملیں پاپا سے؟''

''احمد بتا رہا ہے کہ وہ ٹھیک ہیں۔'' میں نے اسے پیار کیا۔ ''میں نے بھی انہیں نہیں دیکھا۔''

''مجھے بہت گھبراہٹ ہورہی ہے......'' وہ اپنا سینہ مسلنے لگی، ساتھ ہی وہ ایک صوفے پر لیٹ گئی، رانیہ نے بھاگ کر اسے پانی لا کر دیا، بہ مشکل اس نے ایک گھونٹ پانی پیا، اسے ابکائی سی ہوئی۔

''کہیں سے کچھ کھانے کو لاؤ بیٹا، غالباً اس نے کچھ کھایا نہیں ہوگا۔'' میں نے فاطش کو اپنا بیگ پکڑایا۔
''ڈرائیور باہر ہی ہے، اسے کہو کہ کچھ لے آئے جا کر۔''
''میں یہاں کینٹین سے دیکھتی ہوں مما!'' وہ میرے بیگ سے والٹ نکال کر لے گئی۔
''مما......'' نیلم نے میرے کان کے پاس سرگوشی کی۔'' عمر کو بلوائیں جلدی سے پلیز!'' میں نے صدف سے کہا کہ احمد کو فون کر کے عمر کو بلوائے، جلد ہی عمر آ گیا اور نیلم کی حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔
''اوہو...... آنٹی، میں نے غلط کیا کہ اسے ساتھ لے آیا۔''
''پاپا کا سن کر وہ کس طرح گھر رک جاتی عمر بھائی!'' رانیہ نے ہولے سے کہا۔
''لیکن اس کی اپنی حالت تو دیکھیں......'' عمر نے اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔'' اسے تو خود ڈاکٹر کو دکھانے کی ضرورت پڑ رہی ہے...... رانیہ آپی پلیز...... کسی ڈاکٹر یا نرس کو بلا لیں۔''
''فاطش اس کے لیے کچھ کھانے کو لینے گئی ہے...... غالباً کمزوری ہے، آپ پریشان نہ ہوں۔'' میری بہادر بیٹی رانیہ نے کہا۔'' آپ خود ابھی خون دے کر آئے ہیں!''
''آنٹی... she is pregnant!'' عمر کے الفاظ پر میں شاک میں چلی گئی، کس موقع پر میں نے اتنی بڑی خوش خبری سنی تھی کہ میں چیخ کر خوشی کا اظہار بھی نہ کر سکتی تھی...... دو دن قبل ہی تو ایسی خوشخبری مجھے صدف نے سنائی تھی۔ میں اس حادثے کے بعد سے ابھی تک اس کی طرف سے فکر مند تھی...... رانیہ نے فوراً بہن کو اپنی بانہوں میں لیا اور اس کے ہاتھوں کو ملنے لگی۔
صدف نے پاس سے گزرتے ہوئے ایک ڈاکٹر کو پکڑا اور لمحوں میں نیلم کو وہاں سے اسٹریچر پر ڈال کر کسی طرف لے جایا گیا، عمر وہیں بیٹھا تھا۔ احمد دانیال کے پاس تھا۔ صدف اور رانیہ، نیلم کے ساتھ چلی گئیں...... فاطش کچھ جوس چپس اور بسکٹ لے کر لوٹی تو سب کو غائب دیکھ کر پریشان ہو گئی مگر صورت حال کے بارے میں جان کر مطمئن ہوئی، عمر سے پوچھ کر اسی طرف روانہ ہوئی جہاں باقی تینوں تھیں۔
''کوئی مسئلہ یا پریشانی تو نہیں تھا انکل کو؟'' عمر نے مجھ سے پوچھا۔
''کس قسم کا بیٹا؟'' میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔
''جس زاویے سے فائر ہوا ہے......'' وہ رکا۔
''میرا مطلب ہے کچھ ایسا تو نہیں کہ انکل نے خودکشی کی کوشش کی ہو؟'' اس نے جھجک کر اپنی بات مکمل کی۔
''ارے ایسا کیوں ہوگا بیٹا!'' میں نے چند لمحوں کے لیے سوچا کہ عمر کو بتا دوں کہ کیا صورت حال تھی اور اعتراف کر لوں کہ دانیال نے خودکشی کی کوشش ہی کی تھی، آخر جب میں نے خلع لینا تھی تو بھی تو اسے ان باتوں کا علم ہونا تھا...... مگر ہمت نہ کر پائی اس صورت حال میں اور احمد کی ہدایت یاد آ گئی کہ ہمیں کسی کے سامنے کوئی ایسی بات نہیں کہنا ہے، کسی کے سامنے بھی نہیں۔
''کاروبار کے حالات کا تو مجھے کوئی علم نہیں ہے لیکن اگر کوئی پریشانی کاروباری بھی ہوتی تو دانیال مجھ سے شیئر تو کرتے۔'' میں نے خود ہی اپنا مان رکھا۔'' اپنا پستول دانیال اکثر نکال کر خود صاف کرتے ہیں بلکہ کبھی کبھار باہر نکل کر، کسی کھلی جگہ پر جا کر ہوائی فائر بھی کرتے ہیں، ممکن ہے کہ پچھلی دفعہ فائر کیا ہو اور اس کے بعد گولیاں نکالنا بھول گئے ہوں۔'' میں صفائی پیش کر رہی تھی۔
''جو بھی ہوا مگر ذرا سی بے پروائی سے کتنا نقصان ہو سکتا تھا......'' اس نے ہمدردی سے کہا۔'' میں دیکھتا ہوں ذرا نیلم کو......''
''میں بھی چلتی ہوں بیٹا!''
''آنٹی...... ابھی تک ہم نے نیلم کی حالت کی خبر سب سے پوشیدہ رکھی ہے۔ اصل میں بلبلی کی شادی ہے ناں تو ایسے میں ایسی خبر کا لیک ہونا، ذرا نیلم خود کو شرمندہ سا محسوس کر رہی تھی، اس لیے آپ اس کی

بہنوں سے کہہ دیں کہ اس راز کو ابھی راز ہی رکھیں......'' میں نے سر ہلا کر اس کی تائید کی۔ کمرے میں داخل ہوئے تو نیلم ڈرپ کے زیر اثر نیند میں تھی، عمر کو وہاں چھوڑ کر ہم سب باہر نکل آئے، اب ہمارا رخ دانیال کے کمرے کی طرف تھا جہاں سے احمد ہمیں بلانے آیا تھا۔

☆☆☆

میں حسب معمول اپنے اس کمرے میں سو رہی تھی جہاں میں پچھلے چند ماہ سے علیحدہ سو رہی تھی، یہ کمرا ہمارے کمرے سے متصل تھا، دونوں کمروں کے بیچ دروازہ بھی تھا جسے میں نے بند کر رکھا تھا۔ یہ کمرا اصل میں دانیال نے پہلے اپنی اسٹڈی کے طور پر بنوایا تھا، بچیوں کی آمد سے اسے ہم۔ ز۔ بچیوں کا کمرا بنایا جب تک دو بچیاں تھیں اور پھر دانیال کی اسٹڈی اوپر منتقل ہو گئی تھی۔ بچیاں جوں جوں بڑی ہوتی گئیں اپنے کمروں میں منتقل ہوتی گئیں مگر یہ ملحقہ کمرا جوں کا توں رہا...... فاطش اسود کی پیدائش کے بعد کچھ عرصے اس کمرے میں رہی۔ مجھے رات کو اٹھ کر اسود کی آیا کو چیک کرنے کی سہولت بھی تھی اور اگر فاطش سے اسود نہ سنبھلتا تو میں اس کی مدد بھی کر دیتی تھی۔

اپنی اسٹڈی کو اوپر منتقل کر کے دانیال بہت سی فکروں سے آزاد ہو گئے تھے اور اسٹڈی میں پڑھنے یا کام کرنے کے بہانے زیادہ سے زیادہ وقت گزارتے اور اپنے تمام ''مشاغل'' کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ میں نے جان لیا تھا کہ میں اب دانیال سے محبت نہ کرتی تھی، نہ ہی مجھے اس کی پروا رہی تھی، نہ اسے عزت دینے کو دل چاہتا تھا......اور تو اور اسے مخاطب کرنا بھی چھوڑ دیا تھا میں نے۔ یہ احساس ہی عورت کے لیے کافی ہوتا ہے کہ اس کا مرد، جس کے لیے وہ مخلص اور وفادار ہے وہ اس کے علاوہ کسی اور عورت کو دیکھے بھی، اپنے مرد کے بدلے ہوئے اطوار ایک گنوار سے گنوار عورت بھی پہچان لیتی ہے...... بیوی کی نظر میں مرد تبھی تک معتبر ہوتا ہے جب تک وہ اپنی محبت سے اسے معتبر رکھتا ہے، ناقدری کرنے والا شوہر عورت کے دل کے سنگھاسن سے گر کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔

اپنے کمرے میں گہری نیند میں اپنے پاؤں پر گیلے پن کے احساس سے میں جاگی......گھبرا کر پاؤں کھینچا، سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ جلایا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے؟'' میں نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

''معاف کر دو مجھے حنا!'' اس نے ہاتھ جوڑے، وہ میرے پیروں پر ماتھا رکھے ہوئے تھا اور اس کی آنکھیں نم تھیں ''گناہ گار ہوں تمہارا......''

''نہ کوئی ضرورت ہے نہ فائدہ اس طرح کے ڈراموں کا!'' میری کوشش تھی کہ میری آواز بلند نہ ہو کیونکہ ساری بیٹیاں ارد گرد کے کمروں میں تھیں' چند دن میں بلی کے بعد، فاطش کا نکاح سجاد سے ہونا طے پایا تھا۔

''پلیز حنا!'' وہ گڑگڑایا۔ ''forgive me and forget it'' اس نے التجائیہ لہجے میں کہا۔ ''بھول ہو گئی مجھ سے!''

''کیا؟'' میں استہزاء سے ہنسی۔ ''ہونہہ! معاف بھی کر دوں اور بھول بھی جاؤں؟ بھول؟ بھول ایک بار ہوتی ہے دانیال، تم نے تو میری ساری زندگی کو میری ایک بھول کی سزا بنا کر رکھ دیا۔''

''مجھے معاف کر دو حنا، میں شرمندہ ہوں، تم سے بھی اور بیٹیوں سے بھی، مجھے ان سے بھی معافی لے دو پلیز، ورنہ میرے جینے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' وہ گڑگڑا رہا تھا۔

''مرنے کی کوشش تو تم نے کر کے دیکھ لی دانیال...... یہ بھی نہ سوچا کہ لوگ کیا، کیا باتیں کرتے......تم تو عمر بھر کی بے حیائیوں کو سمیٹ کر موت کے منہ میں چلے جاتے اور میں جیتے جی مر جاتی...... تمہارے ساتھ ایک' ایک پل ایمانداری اور وفاداری سے گزار کر بھی میں معتوب ٹھہرتی، لوگ مجھے ہی قصوروار گردانتے، جانے کس، کس کے ساتھ منسوب کر کے میرے بارے میں چٹخارے دار خبریں پھیلاتے......تم

نے تو...... اتنا بڑا قدم اٹھاتے ہوئے بھی صرف اپنی نجات کا سوچا، کسی اور کے بارے میں نہیں۔''

''جانتی ہو حنا...... میرا نشانہ اتنا کچا نہیں کہ چُوک جاتا۔مگر میرے ہاتھ سے فائر ہوتے ہی...... لمحے کے ہزارویں حصے میں پستول کا رخ مڑ گیا، اس لیے کہ میں نے سوچا کہ میرے مر جانے پر تمہیں جانے کیسی کیسی وضاحتیں لوگوں کو دینا پڑیں گی...... میں غلط تھا، سزا مجھے ہی ملنا چاہیے تھی اسی لیے اپنا خاتمہ کرنے کا سوچا مگر تم لوگوں کے سامنے کس طرح سر اٹھا کر چلو گی؟ کیا کیا جواب دو گی اور کون تمہاری باتوں کا یقین کرے گا؟ بس یہی سوچ آئی، جو اختیار میں ہوتا تو میں اس گولی کو روک لیتا مگر وہ چل چکی تھی...... جانتا ہوں کہ احمد نے کس کس طرح اپنا اثر رسوخ استعمال کر کے اس بات کو پھیلنے سے روکا ہے۔مگر میں قصوروار ہوں تو سزا بھی مجھے ہی ملنی چاہیے ناں!''

''سزا کا فیصلہ میں نے اللہ پر چھوڑ دیا ہے دانیال...... میں کون ہوں تمہیں سزا دینے والی یا تمہارے ان عیبوں کو فاش کرنے والی جن کا پردہ اللہ نے بہتوں کے سامنے رکھا۔تمہاری بیٹیاں تمہارے کرتوتوں کو جانتی ہیں......تم کہتے تھے کہ میں باہر کیوں نہیں نکلتی، اپنا حلقۂ احباب کیوں نہیں بڑھاتی، ایک تو تمہیں کھل کھیلنے کی آزادی گھر کے اندر مل گئی تھی جس سے میری بیٹیاں متاثر ہوئیں...... اور کیا بتاؤں تمہیں جو ایک بار میں اپنے دفتر جاتے ہیں لیٹ ہوئی تو میں نے اندر جانے سے پہلے کیا سنا، مسز ہمدانی کے الفاظ نے مجھے زمین میں ہی گاڑ دیا تھا۔وہ اپنی باقی کولیگز کے ساتھ ہنس رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں۔'' دانیال جیسی عورتوں کو تو طوائف کہتے ہیں، مردوں کے لیے اس کا متبادل کیا لفظ ہے؟'' بس اس دن میں نے جانا کہ جتنا حلقہ بڑھاؤں گی اتنی ہی بے عزتی اور بدنامی سمیٹوں گی، جس کی فکر سے تم بے پروا اور آزاد ہو گئے تھے۔'' وہ سر جھکائے سن رہا تھا۔'' میں نے اپنے اور اپنی بیٹیوں کے لیے جینا ہے دانیال! اس لیے میں نے تمہاری اور دوسروں کی پروا کرنا چھوڑ دی ہے۔''

''مجھے ایک بار معاف کر کے تو دیکھو، تمہاری توقیر میری نظروں میں اور بڑھ جائے گی حنا!'' اس نے میرے سامنے ہاتھ باندھے۔

''تمہاری نظروں میں میری توقیر؟'' میں اٹھ کھڑی ہوئی۔'' تم ہو کون جو مجھے تمہاری نظروں میں اپنی توقیر کی پروا ہو؟ جب تمہیں اس بات کا خیال نہیں کہ میں نے تمہیں عمر بھر پوجنے کی حد تک چاہا، تمہیں ماتھے پر بٹھا کر رکھا، تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا بھی مجھے تمہاری توہین لگتی تھی۔ میں نے 'آپ' سے 'تم' کا سفر کتنی طویل مسافت کے بعد طے کیا ہے...... میرا تو دل بھی نہیں چاہتا کہ تم اب میرے سامنے بھی آؤ، مجھ سے بات کرو، مجھے چھوؤ...... اور تو اور میرے نام سے جڑا تمہارا نام بھی مجھے برا لگتا ہے۔''

''حنا پلیز...... مجھے چھوڑ کر نہ جانا، مجھ سے خلع نہ لینا، مجھے اپنی بیٹیوں کی خاطر معاف کر دو۔'' میں اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کی بیٹیوں نے ہی تو اسے اس مقام تک پہنچایا تھا، انہوں نے کھل کر اس سے بات کی تھی۔ اسے نہ صرف دنیا بلکہ آخرت کے عذاب سے بھی ڈرایا تھا، اس سے قطع تعلقی کی دھمکی دی تھی...... اپنی اولاد کے سامنے وہ ڈھٹائی نہ دکھا سکا تھا نہ ہی اسے اس عمر میں یہ گوارا تھا کہ میں اس سے خلع لوں۔اس کی رہی سہی ساکھ......(جسے وہ اپنی ساکھ سمجھ رہا تھا) ختم ہو جاتی، اسی معاشرے میں وہ لوگوں کے منہ بند کر سکتا تھا نہ باہر نکلنے کے قابل رہتا۔

اٹھتے بیٹھتے، دانیال اور اس کی بیٹیوں کی طرف سے معافی کے مطالبے کے سامنے میں ڈٹی نہ رہ سکی۔ بیٹیاں کوئی غلطی کریں تو باپ انہیں عموماً معاف نہیں کرتے مگر میری بیٹیاں باپ کی تمام غلطیوں کو معاف کرنے کو تیار تھیں۔ میں نے ان کے چہروں پر باپ کی خودکشی کی کوشش کے دن قیامت اترتے دیکھی تھی اور اس کے تندرست ہو کر گھر آ جانے پر ان کے چہرے پھولوں کی طرح کھلتے دیکھے تھے۔باپ کو سلامت دیکھ

کران کی مسکراہٹیں لوٹ آئی تھیں۔ دل سے تو میں نے خلع لینے کا ارادہ پہلے سے ہی ترک کر دیا تھا، میری دو بیٹیاں تخلیق کے مرحلے سے گزرنے والی تھیں، انہیں سکون کی ضرورت تھی۔ فاطش نئی زندگی کا آغاز کرنے والی تھی...... اس کے لیے ان حالات میں خوش رہنا ممکن نہ ہوتا۔

رانیہ کو اس روز یوں اچانک آتا... دیکھ کر مجھے دھچکا لگا تھا۔ اس کے سرپرائز نے تو میری جان ہی لے لی تھی جو اسی وقت فائر نہ ہوتا تو میں اس سے پوچھتی کہ کہیں وہ عابد سے ناراض ہو کر تو نہیں آئی تھی۔ اس کے چہرے پر کھنڈی زردی اور تھکا تھکا وجود کوئی کہانی سنا رہا تھا...... وہ کہانی تو اس نے بعد میں سنائی، اس نے مجھے بتایا کہ کس طرح وہ عابد کی طرف سے بھی... بدگمانی کا شکار ہو گئی تھی اور اس نے اس سے علیحدگی اختیار کرنے تک کا بھی سوچ لیا تھا۔ اس نے تو ایک غلط فہمی کی بنا پر ایسا سوچا تھا جو اللہ نے خود ہی دور کر دی۔ یہ بھی شکر تھا کہ اس کا عابد سے رابطہ نہ ہوا اس وقت جب وہ مایوسی اور بدگمانی کی انتہا پر تھی، ورنہ وہ غصے میں کیا کچھ بول دیتی اور عابد کا دل برا ہوتا، حالات ٹھیک بھی ہو جاتے مگر دلوں میں ایک گرہ پڑ جاتی...... عابد کو یاد رہتا کہ رانیہ نے غصے میں اسے کیا کیا کہا اور اس کے بارے میں کیا کیا بدگمانیاں پال لی تھیں۔ اگر رانیہ ناراض ہو کر آتی یا وہ عابد سے خلع لے لیتی، اگر فاطش نے اشعر سے خلع لی تو کیا مجھے اس کی تکلیف نہیں تھی اسی طرح اگر میں خلع لیتی تو کیا میری بیٹیوں کو تکلیف اور مسائل نہیں ہوں گے؟'' میں نے خود سے سوال کیا، اور پھر حنا مر گئی اور صرف ایک ماں زندہ رہ گئی......

☆☆☆

''ٹھیک ہے...... میں خلع نہیں لوں گی، گھر چھوڑوں گی نہ ہی دانیال سے گھر چھوڑنے کا کہوں گی مگر مجھے اس سے زیادہ پر مجبور نہ کیا جائے......'' میں نے سب بیٹیوں، احمد اور دانیال کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے میز پر اعلان کیا۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ انہوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دانیال کا سر کچھ اور جھک گیا تھا...... رانیہ نے پانی کا گلاس اٹھا کر غٹا غٹ پانی پیا، کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

''اس سے زیادہ کا کیا مطلب مما؟''

''اس سے زیادہ کا مطلب ہے کہ اس سے زیادہ کچھ نہیں، ہم گھر میں اسی طرح رہیں گے جیسے دو اجنبی رہتے ہیں...... صرف دنیا کے دکھاوے کو ہی تو یہ رشتہ رہ گیا ہے۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا۔

''اس طرح تو ٹھیک نہیں ہے مما!'' فاطش نے کہا۔'' اب تو آپ دونوں بالکل تنہا رہ جائیں گے اور ایسے میں آپس میں لاتعلقی تو ٹھیک نہیں۔''

''اس وقت، اس سے زیادہ جبر میں خود پر کر نہیں سکتی بیٹا!'' کہہ کر میں نے اپنی کرسی کھسکائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔'' نہ ہی میں اسے دل سے معاف کر سکتی ہوں، اتنا بھی میں تم لوگوں کی خاطر کر رہی ہوں۔ میں جھوٹ بھی نہیں بول سکتی، اگر بظاہر کہہ بھی دوں تم لوگوں کو خوش کرنے کو تو وہ جھوٹ ہوگا...... معاف کرنا میرے اختیار میں ہے، وہی نہیں کیا جا رہا اور بھولنا...... یہ تو بالکل ناممکن ہے، باقی اس کی سزا اور جزا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

''آپ ایسی ظالم تو کبھی نہیں تھیں مما!'' رانیہ میرے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

''میں ایسی بے وقعت بھی کبھی نہ تھی میری جان!'' میری آنکھیں بھر آئیں، صدف نے کچھ کہنا چاہا تو احمد نے اسے روک دیا۔

''ممانی جان کو کسی بات پر مجبور نہ کرو......'' احمد نے کہا۔'' یہ سب اتنا آسان نہیں ہوتا، کہنا آسان ہے مگر جس پر گزرے وہی جانتا ہے۔'' وہ سب جان گئی تھیں کہ احمد دانیال کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا، غالباً اس نے صدف کو بتایا تھا اور صدف نے باقی بہنوں کو۔

"میرے سر میں درد ہے......" کہہ کر میں نے چلنے سے پہلے دانیال کے چہرے کو دیکھا جس پر شرمندگی سے پیلا پن آ گیا تھا، وہ بھرے بازار میں ننگا ہو گیا تھا جیسے، اس نے اپنی عزت خود کھوئی تھی اپنے پیاروں کی نظروں میں، اب اسے عمر بھر اس کا خمیازہ تو بھگتنا ہو گا۔

"تم لوگ خواہ مخواہ ممانی جان کو مجبور نہ کرو...... وہ دل کی بہت نرم ہیں، وقت گزرنے کے ساتھ ان کے دل میں ماموں کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو جائے گا، میں جانتا ہوں ان کو، وہ معاف تو کر دیں گی ماموں کو مگر اس میں وقت لگے گا۔ وہ سب کچھ بھلانا...... تبھی ممکن ہے جب ماموں خود کو بدلیں گے، دوبارہ غلطی نہیں کریں گا اور اپنے رویے سے انہیں ممانی کو ان کی اہمیت کا احساس دلانا ہو گا!" میں کھانے کے کمرے سے نکلی تو یاد آیا کہ میرا فون وہیں رہ گیا تھا، واپس اندر داخل نہ ہوئی تھی کہ احمد کی آواز نے قدم روک لیے۔

"پاپا اگر ایسا کچھ کیا آپ نے دوبارہ......" صدف کی آواز بھرا گئی۔

"تو آپ ہم سب بہنوں کا مرا ہوا منہ دیکھیں گے......" رانیہ نے اس کا فقرہ پورا کیا۔ "ہم سب خودکشی کر لیں گی۔" میرا دل کانپ گیا۔ میں اپنا فون لیے بغیر واپس آ گئی۔

☆☆☆

فاطش کی شادی سجاد سے ہو گئی اور اس کے چند ماہ کے بعد وہ اسود کے ساتھ امریکا روانہ ہو گئی...... عابد بھی چند ہفتوں کے لیے آیا تھا اور اس کے ساتھ رانیہ کی واپسی ہوئی۔

"اب تم مصطفیٰ کے بہن بھائی لانے کا پلان کرو رانیہ...... وہ بڑا ہو گیا ہے، اسے گھر میں رونق چاہیے۔" ایئر پورٹ پر اسے واپس نہ جانے کی ضد کرتے ہوئے دیکھ کر میں نے رانیہ سے کہا۔

نیلم کے ہاں بیٹے اور صدف کے ہاں بیٹی کی ولادت ہوئی۔ ہمارے خاندان میں خوشیوں کی لہر دوڑ گئی۔ خوشی کے ان سب مواقع پر ہم ساتھ ساتھ شامل ہوئے۔ میں اور دانیال...... مگر یہ سب صرف دنیا کو دکھانے کے لیے ہے۔ ہم ایک گھر میں رہتے تو ہیں، دن کو اپنے اپنے جھمیلوں میں مصروف مگر جونہی شام ڈھلتی ہے تو ہم گھر میں اکٹھے ہوتے ہیں، کھانا ہم ملازموں کے سامنے کھاتے ہیں۔ اس کے بعد ٹی وی لاؤنج میں اکٹھے بیٹھ کر ٹی وی پر خبریں سنتے اور سبز قہوہ پیتے ہیں مگر ملازموں کے اپنے کوارٹروں میں جاتے ہی ہم دونوں دو علیحدہ علیحدہ کمروں کا رخ کرتے ہیں۔ اب یہی زندگی کا ڈھب ہے۔ میں نے دانیال کو کبھی زبان سے بھی نہیں کہا کہ...... "جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا!" زبان دل و دماغ کے ساتھ ہے، جھوٹ نہیں بول سکتی نہ ہی میں منافقت کر سکتی ہوں۔ معاف کر دوں تو اس کا کیا بھول نہیں سکتی، ہاں جانچ رہی ہوں، کبھی کبھار دل ہمکتا بھی ہے...... شاید کبھی ایسا وقت آ جائے کہ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو جاؤں، بقول احمد کے، وہ خود کو اس حد تک بدل لیں، اپنی تمام بری حرکتیں چھوڑ کر اللہ سے معافی مانگیں، اپنے کیے کو بھلانے میں میری مدد کریں۔ میری نظروں میں مجھے گرا دینے والے کو ہی علم ہونا چاہیے کہ اسے کیا کرنا ہے...... ایسی زندگی صرف اسی کے لیے سزا نہیں ہے بلکہ میرے لیے بھی ہے۔ ایک ہی بار ملنے والی زندگی کو اس طرح گزارا جائے کہ جسے میں نے خود سے بڑھ کر چاہا وہ نظر کے سامنے ہو، ہاتھ اسے چھونا چاہیں تو چھو بھی سکیں، آنکھ اسے دیکھے، اس سے قدم ملا کر دنیا کے سامنے چلتی بھی ہوں مگر دماغ اسے شجرِ ممنوعہ قرار دے دے، دل کا کیا کروں جو کہتا ہے....

زندگی جس کے مقدر میں ہوں خوشیاں تیری
اس کو آتا ہے نبھانا، سو نبھاتے گزری!
زندگی نام اِدھر ہے کسی سرشاری کا......
اور اُدھر دور سے اک آس لگاتے گزری
زندگی خاک نہ تھی، خاک اڑاتے گزری!
تجھ سے کیا کہتے، تیرے پاس جو آتے گزری

(ختم شد)